

• دو سو انچاسویں رات

جب دو سو انچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- شاہ غیور اپنی بیٹی اور ہمراہیوں کے ساتھ اپنے شہر کو روانہ ہو گیا اور امجد کو اپنے ساتھ لیتا گیا۔ اپنے ملک میں پہنچ کر اس نے امجد کو اپنا جانشین بنا دیا اور وہ اپنے نانا کی جگہ حکمرانی کرنے لگا۔ قمرالزماں نے اپنے بیٹے اسعد کو اس کے نانا ارمانوس کے شہر میں اپنی جگہ بادشاہ بنا دیا اور اس کے نانا نے بھی اپنے نواسے کا بادشاہ ہونا بخوشی منظور کر لیا۔ اس کے بعد قمرالزماں نے سفر کی تیاری کی اور اپنے باپ بادشاہ شہرمان کے ساتھ روانہ ہو کر جزائر خالدان پہنچا اور باپ بیٹے کے لیے شہر سجایا گیا۔ پورے ایک مہینے تک خوشی کے نقارے بجتے رہے اور قمرالزماں اپنے باپ کی جگہ حکومت کرنے لگا۔ یہاں تک کہ تمام لذتوں کو ڈھانے اور صحبتوں کو درہم برہم کرنے والی موت آ پہنچی اور اللہ بہترین جاننے والا ہے۔

بادشاہ نے شہر زاد سے کہا کہ یہ کہانی نہایت عجیب و غریب ہے۔ اس نے عرض کیا، جہاں پناہ مگر علاؤ الدین ابوالشامات کی کہانی سے زیادہ عجیب نہیں۔ بادشاہ نے کہا علاؤ الدین ابوالشامات کی کیا کہانی ہے؟

○ علاؤ الدین ابوالشامات کی کہانی

اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- پرانے زمانے میں ایک سوداگر مصر میں رہتا تھا، جس کا نام شمس الدین تھا۔ وہ تاجروں میں بہترین اور سب سے زیادہ راست گو تھا۔ اس کے پاس بہت سے نوکر چاکر، کنیزیں اور بے شمار مال و دولت تھی۔ مصر والے اس کو تاجروں کا بادشاہ کہتے تھے۔ اسے اپنی بیوی سے بہت محبت تھی اور بیوی

کو بھی اس سے عشق تھا لیکن اس کے ساتھ چالیس سال رہنے کے بعد بھی نہ اس کے ہاں کوئی بیٹی ہوئی تھی نہ بیٹا۔ ایک دن وہ اپنی دوکان میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس نے دیکھا کہ ہر سوداگر کے ساتھ اس کے ایک یا دو کئی بیٹے دکانوں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس کو بڑی حسرت آئی۔ یہ جمعے کا دن تھا۔ اسی خیال میں حمام چلا گیا اور جب غسل کر کے نکلا تو نائی کا آئینہ لے کر اپنی صورت دیکھنے لگا اور کہا کہ اشد ان لا الہ الا اللہ و اشد ان محمد رسول اللہ اس کے بعد اس کی نظر اپنی داڑھی پر پڑی۔ سفیدی سیاہی پر غالب آگئی تھی۔ اسے یاد آ گیا کہ بڑھاپا موت کا پیغامبر ہے۔ اس کی بیوی کو معلوم تھا کہ وہ کب لوٹا ہے۔ وہ اس کے لیے نہا دھو اور بن سنور کر بیٹھی تھی۔ اس روز جو وہ اپنی بیوی کے پاس آیا تو بیوی نے شام بخیر کہہ کر مزاج پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے کوئی خیر نہیں دیکھی۔ بیوی نے لونڈی سے کہا کہ شام کے کھانے کے لیے دسترخوان بچھا۔ جب لونڈی کھانا لائی اور بیوی نے اس سے کہا کہ اے میرے آقا کھا تو وہ بولا کہ میں کچھ نہ کھاؤں گا اور دسترخوان کو ٹھوکر مار کر بیوی کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس نے پوچھا کہ اس کا کیا سبب ہے اور تو کیوں غمگین ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میری غمگینی کا سبب تو ہے۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو پچاسویں رات

دو سو پچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ شمس الدین نے اپنی بیوی سے کہا کہ میری غمگینی کا سبب تو ہے۔ اس نے کہا کہ یہ کیسے؟ شوہر بولا آج جب میں نے دوکان کھولی تو دیکھا کہ ہر سوداگر کے ساتھ ایک یا دو کئی بیٹے اپنے اپنے باپ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے ہیں اور میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ جس ذات نے تیرے باپ کو اٹھا لیا ہے وہ تجھے بھی نہیں چھوڑے گی اور جس رات میں نے پہلے پہل تیرے ساتھ ہم بستی کی ہے تو میں نے قسم کھائی تھی کہ تیرے بعد میں نہ کسی سے شادی کروں گا اور نہ کسی حبشی، رومی یا کسی اور لونڈی کے ساتھ ہم بستر ہوں گا اور کسی رات تجھ سے علیحدہ نہ سوؤں گا۔ اب حالت یہ ہے کہ تو بانجھ ہے اور تیرے اندر بچہ پیدا کرنا پتھر کاٹنا ہے۔ بیوی نے کہا کہ خدا جانتا ہے کی تجھ میں ہے نہ کہ مجھ میں۔ کیونکہ تیرا مادہ پتلا اور تخم کمزور ہے۔ اس نے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب؟ بیوی نے جواب دیا کہ ایسی صورت میں عورت حاملہ نہیں ہو سکتی اور بچہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ شوہر نے کہا اچھا اس کا علاج؟ اس کی دوا کہاں ملتی ہے؟ میں ابھی جا کر اسے خریدوں گا تاکہ اس سے مادہ گاڑھ اور تخم طاقتور ہو جائے۔ بیوی بولی عطاروں کے پاس جا کر تلاش کر۔

دوسرے دن صبح کو جب تاجر سو کر اٹھا تو وہ اس بات پر پچھتایا کہ اس نے بیوی کو برا بھلا کہا اور بیوی کو بھی اس بات پر ندامت ہوئی کہ اس نے شوہر سے سخت کلامی کی۔ پھر وہ بازار جا کر عطار سے ملا اور سلام علیک کی۔ عطار نے سلام کا جواب دیا اس نے کہا کہ تیرے پاس مرد کے مادے کو غلیظ کرنے کی دوا ہے؟ اس نے کہا۔ تھی تو سہی مگر ختم ہو گئی ہے۔ میرے پڑوسی سے پوچھ۔ اب وہ ایک ایک عطار کے

پاس جاتا اور یہی سوال کرتا۔ وہ اس پر ہنستے۔ اس کے بعد وہ اپنی دوکان کو لوٹا اور غمگین بیٹھ گیا۔

بازار میں ایک بھنگڑی دلالوں کا چودھری تھا۔ اسے افیون اور بھنگ کھانے کی لت تھی اور بھنگ بھی وہ جو ہری ہو۔ اس چودھری کا نام شیخ محمد سمس تھا۔ ہمیشہ پھٹی حالت میں رہتا اور ہر روز صبح کو اس تاجر کے پاس آ کر سلام کر جاتا۔ دستور کے موافق وہ آج بھی آیا اور اس نے السلام علیکم کہا۔ سوداگر نے سلام کا جواب دیا مگر اس کے تیور بگڑے ہوئے تھے۔ چودھری نے پوچھا کہ اے میرے آقا تو غصے میں کیوں بھرا بیٹھا ہے؟ اس نے سارا ماجرا کہہ سنایا جو اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان پیش آیا تھا اور کہا کہ چالیس سال سے وہ میری بیوی ہے لیکن اب تک نہ اس کے لڑکا پیدا ہوا نہ لڑکی۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس کے حاملہ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ میری منی پتلی ہے اس لیے میں ایسی دوا کی تلاش میں ہوں جس سے یہ بات جاتی رہے لیکن وہ نہیں ملتی۔

چودھری نے کہا کہ اے میرے آقا، میرے پاس اس کی دوا ہے۔ اگر میں تیری بیوی کو چالیس سال کے بعد تجھ سے حاملہ کرا دوں تو بتا تو مجھے کیا دے گا؟ تاجر بولا کہ اگر ایسا ہو گیا تو انعام و اکرام میں تیرے ساتھ کمی نہیں کروں گا۔ چودھری نے کہا کہ لا ایک دینار مجھے دے۔ اس نے کہا کہ ایک نہیں، تو دو دینار لے جا۔ اس نے دونوں دینار لے کر کہا کہ ایک چینی کا پیالہ مجھے اٹھا دے۔ تاجر نے چینی کا پیالہ بھی اسے دے دیا۔ چودھری اسے لے کر ایک عطار کے پاس پہنچا اور اس سے ایک چھٹانک رومی افیون، اسی قدر کباب چینی اور دار چینی، لونگ، الائچی، سوٹھ، سفید مرچ اور ستفوقول۔ ان سب کو اس نے کوٹ کر ایک اعلیٰ قسم کے زیتون کے تیل میں پکایا اور سوا چھٹانک دانے دار لوبان اور ایک پیالہ بھر دھنیا لیا اور ان کو صاف کر کے رومی مکھیوں کے شہد میں ملا کر معجون بنائی اور چینی کے پیالے میں بھر کر تاجر کے پاس لے گیا اور اس سے کہا کہ یہ منی کو گاڑھا کرنے والی دوا ہے۔ اس کے استعمال کا طریقہ یہ ہے

کہ پہلے بھیڑ اور خانگی کبوتروں کا گوشت بہت مرچوں اور مسالے کے ساتھ کھا، پھر
چمچہ بھر اس معجون کو نوش کر۔ اس کے بعد رات کا کھانا کھا کر مصری کا شربت پی
لے۔

تاجر نے معجون کا پیالہ، گوشت اور کبوتروں وغیرہ کے ساتھ اپنی بیوی کو بھیج دیا اور کہلا
بھیجا کہ ان چیزوں کو اچھی طرح پکا اور منی کے گاڑھا کرنے والی دوا کو حفاظت سے
اپنے پاس رکھ اور جب میں اسے مانگوں تو مجھے دیجیو۔ بیوی نے اس کے کہنے کے
مطابق عمل کیا اور اس کے آگے شام کا کھانا پیش کیا۔ جب وہ کھا چکا تو اس نے
وہ پیالہ مانگا اور اس میں سے تھوڑی سے وہ دوا چکھی۔ وہ اسے مزیدار معلوم ہوئی تو اس
نے باقی دوا بھی کھالی اور کھا کر اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستر ہوا۔ خدا کی قدرت، اسی
رات حمل قرار پا گیا۔ اب اس پر ایک مہینہ گزرا پھر دوسرا اور تیسرا اور اس کے
ایام بند ہو گئے۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ حمل سے ہے۔ جب حمل کے دن پورے
ہو چکے اور نہ کا درد محسوس ہوا تو سب نے خوشیاں منائیں۔ دایہ نے مشکل سے بچہ
جنوایا اور اس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور علی رضی اللہ عنہ کا نام پڑھ پڑھ کر دم
کیا۔ اس کے کان میں تکبیر کہی اور اذان دی اور اسے لپیٹ کر ماں کے پہلو میں لٹایا۔
ماں نے اسے اپنی چھاتی دی، دودھ پلایا۔ اس نے سیر ہو کر پیا اور سو گیا۔ دایہ تین
دن تک ان کے ہاں رہی۔ ساتویں دن انہوں نے بچے کا عقیقہ کیا اور مٹھائی بانٹی اور
نمک چھڑکا، تاجر نے آکر اپنی بیوی کی سلامتی پر اسے مبارک باد دی اور پوچھا کہ
خدا کی امانت کہاں ہے؟ بیوی نے بچے کو اس کے آگے پیش کیا جو نہایت حسین اور
مدبر پروردگار کی صنعت تھی۔ اس کی عمر سات دن کی تھی مگر جو اسے دیکھتا وہ کہتا
کہ وہ ایک سال کا ہے۔ جب تاجر نے اس کے چہرے پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ وہ نکلتے
ہوئے چاند کی طرح خوبصورت ہے، اس کے دونوں رخساروں پر تل ہیں۔ وہ اپنی بیوی
سے پوچھنے لگا کہ تو نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟ بیوی نے جواب دیا کہ اگر لڑکی ہوتی
تو میں اس کا نام رکھتی۔ یہ لڑکا ہے اس کا نام تو ہی رکھ سکتا ہے۔ اس زمانے میں

لوگ کسی نہ کسی قال سے نام نکالتے تھے۔ اس لیے جب وہ نام کے متعلق مشورہ کر رہے تھے انہوں نے سنا کہ کوئی شخص اپنے دوست سے کہہ رہا ہے اے علاؤ الدین! یہ سنتے ہی اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ ہم بچے کا نام علاؤ الدین ابوالشامات یعنی تلوں والا رکھیں گے۔ پھر اس نے بچے کے لیے دائیاں اور دودھ پلانے والیاں مقرر کیں۔ دو سال تک اس نے دودھ پلایا۔ اس کے بعد انہوں نے دودھ چھڑا دیا اور وہ بڑھ کر پاؤں پاؤں چلنے لگا۔

جب وہ سات برس کا ہوا تو انہوں نے اسے تمہ خانے میں رکھا کہ نظر نہ لگنے پائے اور باپ نے کہا کہ جس وقت تک اس کی داڑھی نہ نکل آئے، یہ باہر نہیں نکلے گا اور اس کی خدمت کے لیے ایک کنیز اور ایک غلام مقرر کر دیا۔ کنیز اس کے لیے کھانا تیار کرتی اور غلام اس کے ساتھ نیچے تمہ خانے میں رہتا۔ اب اس کا ختنہ ہوا۔ بڑے دھوم کی دعوت دی گئی۔ اسے تعلیم دینے کے لیے ایک مولوی مقرر کیا گیا۔ اس نے اسے خوش خطی اور قرآن اور دیگر علوم سکھائے، یہاں تک کہ وہ لائق اور قابل ہو گیا۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ غلام اس کے سامنے دسترخوان بچھا کر کھانا لینے گیا اور بھولے سے تمہ خانے کا دروانہ کھلا چھوڑ دیا۔ علاؤ الدین وہاں سے نکل کر اپنی ماں کے پاس جا پہنچا اس روز اس کی ماں کے پاس بڑے گھرانوں کی بیبیاں جمع تھیں اور ادھر ادھر کی گفتگو ہو رہی تھی۔ لڑکے کا حسن و جمال دیکھ کر وہ سب ہکا بکا ہو گئیں۔ انہیں گمان ہوا کہ یہ کوئی متوالا اور چاہیا غلام ہے۔ اس پر نظر پڑتے ہی عورتوں نے منہ چھپا لیا اور اس کی ماں سے کہنے لگیں کہ اے فلاں بی بی خدا تجھے معاف کرے! تو نے اس اجنبی غلام کو کیوں ہمارے پاس آنے دیا؟ تجھے معلوم نہیں کہ شرم و ایمان کا جزو ہے! اس نے جواب دیا کہ خدا خدا کرو، یہ میرا نور نظر، میرے دل کا نکڑا اور تاجروں کے بادشاہ شمس الدین کا بیٹا ہے۔ بڑے ناز و نعم سے پالا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے آج تک تیرا کوئی بیٹا نہیں دیکھا۔ ماں نے کہا کہ باپ کو ڈر تھا کہ

کہیں اسے نظر نہ لگ جائے اس لیے اس نے اسے بھونرے میں پالا ہے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

URDU4U.COM

○○○

• دو سو اکیاون ویں رات

جب دو سو اکیاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- علاؤ الدین کی ماں نے عورتوں سے کہا کہ باپ نے اسے بھونرے میں پالا ہے تا کہ اسے نظر نہ لگنے پائے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غلام تمہ خانہ بند کرنا بھول گیا اور لڑکا اس میں سے نکل آیا۔ ہمارا ارادہ یہ تھا کہ جب تک اس کی داڑھی نہ نکل آئے وہ تمہ خانے سے باہر نہ نکلے۔ یہ سن کر عورتوں نے اسے مبارک باد دی اور لڑکا عورتوں کے پاس صحن میں جا کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ بیٹھا ہوا تھا کہ غلام اس کے باپ کا خچر لے کر اندر آئے۔

علاؤ الدین نے پوچھا، یہ خچر کہاں سے آیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ تیرا باپ اس پر سوا ہو کر دوکان گیا تھا۔ ہم اسے پہنچا کر واپس لائے ہیں۔ وہ بولا میرا باپ کیا پیشہ کرتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ تیرا باپ مصر کا مالک التجار ہے اور عربوں کا سردار۔ یہ سن کر علاؤ الدین اپنی ماں کے پاس گیا اور اس سے بھی یہی سوال کیا کہ اماں جان میرا باپ کیا کام کرتا ہے؟ اس نے بھی وہی جواب دیا کہ تیرا باپ سوداگری کرتا ہے، اس کا بڑا کاروبار ہے۔ اس کے غلام ایسے لین دین میں اس سے مشورہ تک نہیں کرتے جو ایک ہزار دینار سے کم کا ہو۔ اس کی بڑی ساکھ ہے۔ جو مال لوگ اپنے ملکوں سے لاتے ہیں خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت، سب اس کے پاس آتا ہے اور وہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے اور جو مال دوسرے ملکوں میں جاتا ہے، وہ بھی تیرے باپ کے پاس سے ہو کر جاتا ہے۔ بیٹا خدا نے تیرے باپ کو اتنا مال و دولت عطا کیا ہے جو شمار سے باہر ہے۔

لڑکے نے کہا کہ اماں جان تم لوگوں نے مجھے تمہ خانے میں بند کر کے قیدی کی طرح کیوں رکھ چھوڑا ہے؟ ماں نے جواب دیا کہ محض اس لیے کہ تجھے نظر نہ لگنے پائے کیونکہ نظر کا لگنا برحق ہے اکثر لوگ نظر سے مر گئے ہیں۔ اس نے کہا کہ اماں جان

قضا و قدر سے بھاگ کر انسان کہاں جا سکتا ہے! احتیاط کرنے سے قسمت نہیں بدل سکتی اور جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے، اس سے مفر نہیں۔ جس ذات نے میرے دادا کو اٹھا لیا ہے وہ مجھے اور میرے باپ کو بھی نہ چھوڑے گی۔

آج وہ زندہ ہے اور کل مردہ ہو گا۔ اگر میں باپ کے مرنے کے بعد باہر نکلا اور میں نے کہا کہ میں شمس الدین تاجر کا بیٹا علاؤ الدین ہوں تو کوئی بھی میری بات نہ مانے گا اور بوڑھے بوڑھے لوگ کہیں گے کہ ہم نے عمر بھر نہ شمس الدین کا کوئی لڑکا دیکھا اور نہ لڑکی۔ بیت المال والے آ کر میرے باپ کا مال و دولت مجھ سے لے جائیں گے۔ خدا رحم کرے اس شخص پر جس نے یہ ضرب المثل کہی ہے، انسان مر جاتا ہے اور اس کی آبرو جاتی رہتی ہے اور رذیل ترین لوگ اس کی بیویوں پر قبضہ کر لیتے ہیں۔

اماں جان تو میرے باپ سے کہہ کہ وہ مجھے اپنے ساتھ بازار لے جایا کرے۔ میرے لیے ایک دوکان کھول دے، میں اس میں مال لے کر بیٹھوں اور وہ مجھے خرید و فروخت اور لین دین سکھائے۔ ماں نے کہا کہ بیٹا جب تیرا باپ آئے گا تو میں اس سے کہوں گی۔

جب تاجر گھر لوٹا تو اس نے دیکھا کہ علاؤ الدین ابوالشامات اپنی ماں کے پاس بیٹھا ہے۔ بیوی سے پوچھا کہ تو نے اسے تمہ خانے سے کیوں نکالا؟ اس نے کہا کہ اے میرے چچیرے بھائی، میں نے اسے نہیں نکالا، غلام قفل لگانا بھول گئے۔ تمہ خانہ کھلا چھوڑ دیا۔ میں بڑے گھرانوں کی بیبیوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی کہ یہ نکل کر ہمارے پاس آیا۔ اس کے بعد اس نے وہ تمام باتیں بیان کیں جو اس کے بیٹے نے کہی تھیں۔ باپ بولا بیٹا انشاء اللہ میں تجھے کل بازار لے چلوں گا لیکن بیٹا بازار اور دوکانوں میں بیٹھنے کے لیے بہر حال ادب اور کمال لازم ہے۔ باپ کی باتیں سن کر علاؤ الدین خوش ہو گیا اور سو گیا۔ صبح ہوئی تو وہ اسے حمام لے گیا۔ نہایت قیمتی کپڑے پہنائے اور ناشتہ کرنے اور شربت پینے کے بعد ایک خچر پر خود سوار ہوا، دوسرے پر اپنے بیٹے کو بٹھایا

اور آگے پیچھے دونوں باپ بیٹے بازار کی طرف روانہ ہوئے۔ بازار والوں نے جو دیکھا کہ ملک التجار آگے آگے اور اس کے پیچھے پیچھے ایک لڑکا ہے ایسا حسین جیسے چودھویں کا چاند۔ تو ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ دیکھ، ملک التجار کے ساتھ یہ کون ہے؟ ہم تو اسے نیک آدمی خیال کرتے تھے مگر وہ تو پیاز کی طرح نکلا۔ سر بوڑھا اور قلب جوان۔ اس پر شیخ محمد سمسّم جس کا ذکر اوپر آچکا ہے بولا۔ ہم یہ ہرگز گوارا نہیں کر سکتے کہ وہ ہمارا سردار بنا رہے۔ بازار کا دستور یہ تھا کہ جب ملک التجار گھر سے صبح کے وقت آ کر دوکان پر بیٹھتا تو پہلے بازار کا چودھری تاجروں کے پاس جا کر فاتحہ پڑھتا اور پھر وہ سب مل کر اس کے ساتھ ملک التجار کے پاس آ کر فاتحہ پڑھتے اور صبح بخیر کہتے۔ اس کے بعد سب تاجر اپنی اپنی دوکانوں کو چلے جاتے۔

اس روز جبکہ عادت کے موافق ملک التجار دوکان پر آ کر بیٹھا تو تاجر اور دنوں کی طرح اس کے پاس نہیں آئے۔ یہ نئی بات تھی۔ اس نے چودھری کو پکار کر پوچھا کہ معمول کے موافق آج سوداگر کیوں نہیں جمع ہوئے؟ اس نے جواب دیا، معلوم نہیں ہاں اتنا جانتا ہوں کہ تاجروں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ وہ تجھے اپنی سرداری سے معزول کر دیں اور تیرے لیے فاتحہ نہ پڑھیں۔ اس نے کہا کہ سبب؟ چودھری بولا یہ لڑکا کون ہے جو تیرے پہلو میں بیٹھا ہوا ہے؟ تو، تو بوڑھا اور تاجروں کا سردار۔ کیا یہ لڑکا تیرا غلام ہے یا تیری بیوی کا رشتہ دار؟ میرے خیال میں وہ تیرا معشوق ہے اور تیرا دل اس پر آ گیا ہے۔ ملک التجار نے ڈانٹ کر کہا کہ زبان تھام، خدا تیری ذات و صفات دونوں پر لعنت کرے، یہ میرا بیٹا ہے۔ اس نے کہا کہ ہم نے عمر بھر تیری اولاد نہیں دیکھی۔

ملک التجار نے جواب دیا، مادہ تولید کا قوام درست کرنے کی دوا تو نے ہی تو بنا کر مجھے دی تھی۔ اس سے میری بیوی حاملہ ہو گئی اور یہ لڑکا پیدا ہوا۔ پھر اس ڈر سے کہ کہیں اسے نظر نہ لگ جائے میں نے بھونرے میں اس کی پرورش کی میں چاہتا تھا کہ جب تک وہ اپنی داڑھی اپنے ہاتھ سے نہ پکڑ سکے، تمہ خانے سے نہ نکلے۔ مگر اس

کی ماں نے نہ مانا اور مجھ سے کہا کہ اس کے لیے ایک دوکان کھول کر اس میں سوداگری کا مال رکھوں اور اسے خرید و فروخت کرنا سکھاؤں۔ یہ سن کر چودھری تاجروں کے پاس گیا۔ ان سے سارا واقعہ بیان کیا اور وہ سب چودھری کے ساتھ ملک التجار کی دوکان پر آئے اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھی۔ لڑکے کی مبارکباد دی اور کہا کہ ہمارا پروردگار جڑ اور شاخ دونوں کو سلامت رکھے! لیکن غریب کے گھر میں لڑکا یا لڑکی پیدا ہوتی ہے تو وہ بھی کم از کم ایک کڑاہی دلیا پکا کر اپنے دوستوں اور عزیزوں کا منہ میٹھا کرا دیتا ہے مگر تو نے یہ بھی نہیں کیا۔ وہ بولا یہ تمہارا قرضہ میرے اوپر ہے جسے میں باغ میں اتاروں گا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• دو سو باونویں رات

دو سو باونویں رات ہوئی تو اس کی بہن دنیا زاد نے کہا کہ بہن اگر تجھے نیند نہ آتی ہو تو اپنی کہانی کہہ ڈال۔ وہ بولی سر آنکھوں سے۔

اے نیک نہاد بادشاہ ----- ملک التجار نے انہیں دعوت دینے کا وعدہ کیا اور کہا کہ ہم سب باغ میں جمع ہوں گے چنانچہ دوسرے دن علی الصباح تاجر نے فراش کو بلا کر حکم دیا کہ باغ میں باہ دری اور محل کو فرش فروش سے آراستہ کرے اور پکانے کے لیے بھیتیں اور گھی وغیرہ منگوا دے۔ دو دسترخوان بچھوائے۔ ایک باہ دری میں اور ایک محل میں، باپ بیٹے دونوں کمر باندھ کر مہمانوں کی مدارات کے لیے تیار ہو گئے۔ تاجر نے کہا، بیٹا اگر کوئی بوڑھا شخص آئے گا تو میں اسے لے جا کر محل کے دسترخوان پر بٹھاؤں گا اور کسی بے داڑھی مونچھ والے لڑکے کو تو دیکھے تو اسے جا کر باہ دری میں لے جا کر دسترخوان پر بٹھائیو۔ لڑکے نے کہا کہ ابا جان اس کے کیا معنی ہیں کہ تو دو دسترخوان علیحدہ علیحدہ لگاتا ہے۔ ایک بوڑھوں کے واسطے دوسرا لڑکوں کے لیے۔ باپ نے جواب دیا کہ بیٹا لڑکوں کو بڑوں کے سامنے کھانے سے شرم آتی ہے۔ لڑکے کو یہ بات پسند آئی۔ جب مہمان آنے شروع ہوئے تو شمس الدین اپنے ہم سنوں کو لے جا کر محل میں بٹھاتا اور اس کا بیٹا علاؤ الدین اپنی عمر والے لڑکوں کو باہ دری میں لے جاتا۔ اس کے بعد کھانا چنا گیا۔ سب نے کھایا پیا۔ لطف اٹھایا، خوش ہوئے۔ شربت کے دور چلے۔ عطر پاشی کی گئی اور بوڑھے بیٹھ کر علم و حدیث کی باتیں کرنے لگے۔

ان لوگوں میں ایک تاجر تھا، جسے لوگ محمود البلخی کہتے تھے۔ وہ ظاہراً مسلمان اور باطن میں آتش پرست۔ نہایت بدچلن، لڑکوں سے اس کو خاص رغبت تھی۔ علاؤ الدین کے چہرے کی طرف دیکھتے ہی اس کے دل میں ہزاروں آرزوئیں امنڈنے لگیں اور شیطان

نے علاؤ الدین کے چہرے کو اس کے لیے ایک ہیرا بنا دیا۔ وہ علاؤ الدین کے حسن کا دیوانہ ہو گیا۔ اس کے دل میں اس کی محبت بیٹھ گئی۔ یہ علاؤ الدین کے باپ سے کپڑے اور دوسرا تجارت کا مال خریدا کرتا تھا۔

اتفاق سے علاؤ الدین پیشاب کرنے چلا گیا تو محمود بلخی اٹھ کر لڑکوں کے پاس پہنچا۔ وہ اس کے خیر مقدم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس نے لڑکوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر تم علاؤ الدین کو میرے ساتھ سفر پر چلنے کے لیے آمادہ کر دو تو میں تم سب کو ایک ایک بے ہا کپڑوں کا جوڑا دوں گا۔ اتنا کہہ کر وہ پھر بڑے بوڑھوں کی مجلس میں آ بیٹھا۔ علاؤ الدین پیشاب سے فارغ ہو کر آیا تو لڑکوں نے اسے اپنے درمیان اونچی جگہ پر بٹھایا اور ایک لڑکے نے دوسرے سے کہا کہ اے میرے آقا حسن، تیرے پاس وہ پونجی کہاں سے آئی جس سے تو خرید و فروخت کرتا ہے؟ حسن نے جواب دیا کہ جب میں بالغ ہوا تو میں نے اپنے باپ سے کہا کہ اباجان میرے لیے تجارت کا مال مہیا کر۔ وہ کہنے لگا، بیٹا میرے پاس تو کچھ نہیں تو جا کر کسی تاجر سے مال لے لے اور کام شروع کر دے، خرید و فروخت اور لین دین سیکھ۔ یہ سن کر میں ایک تاجر کے پاس گیا اور ایک ہزار دینار قرض لیے اور ان سے کپڑے خرید کر دمشق کا سفر کیا۔ مجھے دگنا نفع ہوا۔ پھر دمشق سے سامان خرید کر حلب گیا اور وہاں بیچا اور اس سے بھی زیادہ فائدہ اٹھایا۔ پھر حلب سے مال لے کر بغداد گیا اور اپنی پونجی بڑھائی۔ اسی طرح شہر در شہر تجارت کرتے کرتے اب میری پونجی دس ہزار دینار ہو گئی ہے۔ ہر لڑکا اپنے رفیق سے اسی قسم کی باتیں کرتا یہاں تک کہ علاؤ الدین کی باری آ گئی۔

انہوں نے کہا کہ اے ہمارے آقا علاؤ الدین اور تو؟ اس نے جواب دیا کہ میری پرورش تو زمین کے نیچے تہہ خانے میں ہوئی ہے۔ اسی ہفتے میں وہاں سے نکلا ہوں۔ ابھی تو میں نے کوئی کاروبار شروع نہیں کیا۔ صرف دوکان میں آتا ہوں اور پھر گھر لوٹ

جاتا ہوں۔ وہ بولے کہ تجھے گھر میں گھس کر بیٹھنے کی عادت ہے اس لیے تو سفر کی لذت کیا جانے اور سفر محض مردوں کے لیے ہے۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے سفر کی ضرورت نہیں اور سفر کے آرام کو میں کوئی اہمیت بھی نہیں دیتا۔ اس پر ایک لڑکے نے اپنے رفیق سے کہا کہ یہ مچھلی کی طرح ہے کہ پانی سے نکلا اور مرا۔ انہوں نے کہا کہ اے علاؤ الدین سفر تو تاجروں کے لڑکوں کے لیے فخر کا باعث ہے۔ اس میں فائدے ہی فائدے ہیں۔ یہ سن کر علاؤ الدین کھیانا ہو کر وہاں سے اٹھ آیا اور اپنے خچر پر بیٹھ کر گھر چلا گیا۔ اس کی ماں نے دیکھا کہ وہ روکھا سا ہے۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے ہیں تو وہ کہنے لگی کہ بیٹا کیا بات ہوئی؟ اس نے جواب دیا کہ سارے تاجروں کے لڑکے مجھے چھیڑتے اور کہتے ہیں کہ سفر تاجروں کی اولاد کے لیے فخر کا باعث ہے کیونکہ اس سے وہ دولت کماتے ہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو ترپنویں رات

جب دو سو ترپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- علاؤ الدین اپنی ماں سے کہنے لگا کہ تاجر زادے مجھے چڑاتے اور کہتے ہیں کہ محض سفر سوداگر بچوں کے لیے فخر کا باعث ہو سکتا ہے کیونکہ اس سے وہ نفع اٹھاتے ہیں۔ ماں نے کہا کہ بیٹا کیا تو بھی سفر کرنا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا 'ہاں۔ ماں بولی کہ کس ملک کا؟ اس نے کہا کہ بغداد کا۔ اس لیے کہ وہاں دگنے کا فائدہ ہوتا ہے۔ ماں کہنے لگی کہ بیٹا تیرے باپ کے پاس بہت مال و دولت ہے لیکن اگر وہ اپنے مال سے تیرے لیے سوداگری کا سامان تیار نہ کرے گا تو میں اپنے پاس سے کروں گی۔ لڑکے نے کہا کہ بہترین نیکی وہ ہے جو جلد کی جائے اور نیکی کرنے کا یہی وقت ہے۔ ماں نے غلاموں کو بلا کر اسباب باندھنے والوں کے پاس بھیجا اور ایک انبار خانہ کھول کر کپڑوں کے تھان نکالے اور دس گٹھریاں باندھ کر تیار کیں۔

یہ تو اس کی ماں کا قصہ ہوا، اب اس کے باپ کی سنئے۔ جب اس نے اپنے بیٹے علاؤ الدین کو تلاش کیا اور اسے باغ میں پایا تو پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ اپنے خچر پر سوار ہو کر گھر چلا گیا۔ یہ سنتے ہی وہ بھی اس کے پیچھے روانہ ہوا۔ گھر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ سامان کے بچے بندھے پڑے ہیں۔ سبب دریافت کرنے پر اس کی بیوی نے سارا ماجرا بیان کر دیا جو اس کے بیٹے علاؤ الدین کو تاجر زادوں کے ساتھ پیش آیا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ خدا پردیس پر لعنت بھیجے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان کے لیے بہتری اسی میں ہے کہ اسے اپنا رزق اپنے شہر میں ملے۔ بزرگ کہہ گئے ہیں کہ سفر نہ کر خواہ وہ ایک ہی میل کا کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد اس نے بیٹے سے پوچھا کیا تو نے سفر کا پکا ارادہ کر لیا ہے اور اس سے باز نہیں آئے گا؟ بیٹے نے جواب دیا کہ میں مال لے کر بغداد گئے بغیر

نہیں مانوں گا ورنہ میں اپنے کپڑے اتار کر فقیرانہ کپڑے پہن لوں گا اور ملک ملک گھومتا پھروں گا۔ باپ نے کہا کہ بیٹا نہ میں غریب ہوں اور نہ مسکین۔ میرے پاس بہت مال اور دولت ہے۔ یہ کہہ کر اس نے بیٹے کو اپنی ساری جتھا تجارت کا مال اور کپڑے دکھائے اور بولا کہ میرے پاس ہر شے کے قابل کپڑے اور تجارت کا دوسرا مال ہے۔ ادھر دیکھ منجملہ اور سامان کے، یہ چالیس گٹھے بندھے رکھے ہیں اور ہر ایک پر ایک ہزار دینار قیمت لکھی ہوئی ہے۔ پھر اس نے کہا کہ بیٹا چالیس یہ اور اپنی ماں کے دس گٹھے لے کر فی امان اللہ سفر کر۔ لیکن بیٹا میں تجھے اس جنگل سے خبردار کر دینا چاہتا ہوں جو راہ میں پڑے گا جس کا نام غابۃ الاسد ہے اور اس وادی سے ہوشیار رہنے کی تاکید کرتا ہوں جسے وادی الکلاب کہتے ہیں کیونکہ ان میں لوگ جان سے مارے جاتے ہیں۔ بیٹے نے پوچھا کہ ابا جان وہاں کیا خوف ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ایک بدو عجلان نام وہاں بٹ ماری کرتا ہے۔ بیٹا کہنے لگا کہ رزق دینے والا اللہ ہے اگر میرا اس میں حصہ ہو گا تو مجھے کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔

اب علاؤ الدین سوار ہو کر اپنے باپ کے ساتھ نخاس پہنچا، انہیں دیکھتے ہی ایک شترمان نے اپنی سواری سے اتر کر ملک التجار کا ہاتھ چوما اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا عرصے سے تو نے مجھے کوئی کام نہیں دیا۔ تاجر نے جواب دیا کہ ہر زمانے کے لیے مخصوص دولت ہوتی ہے اور مخصوص دولت والے۔ اے قافلہ سالار میں سفر کے لیے نہیں جا رہا ہوں بلکہ میرا بیٹا جانا چاہتا ہے۔ شتربان بولا، خدا اسے صحیح و سلامت رکھے۔ اس کے بعد ملک التجار نے لڑکے اور شتربان کے درمیان رشتہ اتحاد قائم کیا اور اپنے بیٹے کو اس کا بیٹا بنا کر اس کے سپرد کر دیا اور اس سے کہا کہ یہ سو دینار اپنے بچوں کے لیے لے۔ پھر ملک التجار نے حضرت عبدالقادر جیلانی کے مزار پر چڑھانے کے لیے ساٹھ نچر، ایک قندیل اور ایک چادر خریدی اور اپنے بیٹے سے شتربان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میری غیر موجودگی میں میری بجائے یہ تیرا باپ ہے۔ اس کا کہنا مانیو۔ وہاں سے وہ شتربان اور اس کے بچوں کو لے کر اپنے گھر گیا۔ رات بھر قرآن خوانی کرائی

اور شیخ عبدالقادر جیلانی کا مولود پڑھوایا۔ صبح ہوئی تو ملک التجار نے اپنے بیٹے کو دس ہزار دینار دیئے اور کہا کہ جب تو بغداد پہنچے اور دیکھے کہ ان کپڑوں کے دام اچھے ملتے ہیں تو وہیں بیچ ڈالیو اور اگر بازار گرا ہوا ہو تو ان دیناروں سے لے کر خرچ کیجیو۔ اس اثناء میں نچر لادے گئے۔ لوگ آپس میں رخصت ہوئے اور قافلہ چلتے چلتے شہر کے باہر پہنچ گیا۔ محمود بلخی نے بھی بغداد جانے کی تیاری میں اپنا مال شہر کے باہر لا کر خیمے نصب کر دیئے تھے اور اپنے دل میں کہتا تھا کہ میں جنگل میں اس لڑکے کے ساتھ مزے اڑاؤں گا۔ وہاں جاسوس ہو گا نہ کوئی نگہبان جو اس کی حفاظت کرے۔ محمود بلخی پر ملک التجار کے ایک ہزار درہم کسی فروخت کے سلسلے میں قرض آتے تھے۔ رخصت ہوتے وقت اس نے محمود بلخی سے کہا کہ یہ ایک ہزار دینار میرے بیٹے علاؤ الدین کو دے دیجیو اور رسی طور پر یہ بھی کہہ دیا کہ اپنے بیٹے کو میں تیرے سپرد کرتا ہوں۔ وہ مثل تیرے بیٹے کے ہے۔ اس طرح علاؤ الدین اور محمود بلخی کا ساتھ ہو گیا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو چونسو راتے

جب دو سو چونسو رات ہوئی تو اس نے کہا 'اے نیک نہاد بادشاہ ----- علاؤ الدین اور محمود بلخی کا ساتھ ہو گیا اور محمود بلخی نے علاؤ الدین کے باورچی سے کہا کہ کوئی چیز نہ پکائے بلکہ وہ خود علاؤ الدین اور اس کے ہمراہیوں کو کھلاتا پلاتا اور قافلہ کوچ اور مقام کرتا ہوا چلا۔ محمود بلخی سوداگر کے چار گھر تھے۔ ایک مصر میں، دوسرا دمشق میں، تیسرا حلب میں اور چوتھا بغداد میں۔ پہلے وہ جنگل اور بیابان طے کرتے ہوئے دمشق پہنچے۔ یہاں پہنچ کر محمود بلخی نے اپنے غلام کو علاؤ الدین کے پاس بھیجا۔ غلام اس کے پاس آیا تو دیکھا کہ قرآن پڑھ رہا ہے۔ غلام نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ علاؤ الدین نے پوچھا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ غلام نے کہا کہ میرا آقا تجھے سلام کہتا اور تجھے اپنے گھر کھانا کھانے کی دعوت دیتا ہے۔ اس نے جواب دیا 'میں پہلے اپنے باپ قافلہ سالار کمال الدین شتربان سے مشورہ کر لوں۔ مشورہ کیا تو شتربان نے جانے سے منع کیا۔ پھر وہ دمشق سے چل کر حلب میں داخل ہوئے۔ یہاں بھی محمود بلخی نے دعوت کا سامان کر کے علاؤ الدین کو بلوایا اور شتربان سے ایک منزل کے فاصلے پر پہنچ گئے۔ اس مقام پر پھر محمود بلخی نے دعوت کا سامان کیا اور علاؤ الدین کو بلا بھیجا۔ اس نے پھر قافلہ سالار سے صلاح لی اور پھر وہ آڑے آیا لیکن اس مرتبہ علاؤ الدین ضد میں آ گیا۔ اس نے کہا کہ میں ضرور جاؤں گا۔ یہ کہتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے کپڑوں کے نیچے تلوار باندھ کر محمود بلخی کے پاس جا پہنچا۔ محمود نے اس کا خیر مقدم کیا، اچھی جگہ پر بٹھایا۔ بڑا وسیع دسترخوان بچھایا۔ اچھے اچھے کھانے چنے۔ دونوں نے کھایا پیا اور ہاتھ دھوئے۔ کھانے پینے سے فارغ ہو کر محمود بلخی علاؤ الدین کی طرف جھکا کہ بوسہ لے مگر اس کا منہ رخسار کے بدلے ہاتھ پر پڑا۔ لڑکے نے چونک کر کہا "یہ کیا؟" محمود نے جواب دیا 'میں نے تجھے بلایا ہی اس لیے ہے کہ یہاں بیٹھ کر تجھ سے

مزے اڑاؤں۔ ساتھ ہی وہ علاؤ الدین کی طرف بڑھاتا کہ اس کے ساتھ ہاتھ پائی شروع کرے۔

علاؤ الدین اٹھ کھڑا ہوا اور تلوار کھینچ کر کہنے لگا، لعنت ہو تیرے بڑھاپے پر! کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا جو بڑی قوت والا ہے۔ ارے شیطان یہ پونجی خدا کی امانت ہے بیچنے کے لیے نہیں ہے۔ اگر اس پونجی کو میں کسی غیر کے ہاتھ سونے کے عوض بیچتا ہوں تو تیرے ہاتھ چاندی کے بدلے بیچ ڈالتا لیکن اے خبیث واللہ میں تیرے ساتھ کبھی سفر نہ کروں گا۔

علاؤ الدین وہاں سے لوٹ کر قافلہ سالار کمال الدین کے پاس گیا اور اس سے کہنے لگا کہ یہ شخص فاسق و فاجر ہے۔ میں نہ سفر میں اس کا ساتھ دوں گا اور نہ اس راستے پر چلوں گا جس پر وہ چلے گا۔ اس نے جواب دیا کہ بیٹا میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ اس کے پاس نہ جا لیکن بیٹا اگر ہم اس سے علیحدہ ہو جائیں گے تو ہمیں ڈر ہے کہ کہیں ہلاک نہ ہو جائیں۔ اس لیے ہم سب ایک ہی قافلہ بنا کر چلیں تو بہتر ہے۔ لڑکے نے کہا کہ یہ ہرگز ممکن نہیں ہو سکتا کہ میں راہ میں اس کا ساتھ دوں۔ یہ کہہ کر علاؤ الدین نے اپنا سامان لدوا دیا۔ وہ اور اس کے ساتھی چل کھڑے ہوئے۔ چلتے چلتے ایک وادی میں پہنچے اور وہاں اترنا چاہا۔ شتربان بولا، یہاں نہ اترو چلے چلو بلکہ اور تیزی سے کوچ کرو تا کہ دروازے بند ہونے سے پہلے ہم بغداد پہنچ جائیں کیونکہ وہ سورج کے طلوع و غروب کے ساتھ کھولے اور بند کیے جاتے ہیں۔ اس لیے کہیں ایسا نہ ہو کہ رافضی شہر پر قبضہ کر کے علوم کی کتابیں دجلے میں نہ پھینک دیں۔

علاؤ الدین نے کہا کہ اے باپ میں سوداگری کا مال لے کر اس شہر میں اس وجہ سے نہیں آیا کہ فائدہ اٹھاؤں بلکہ اس لیے کہ ملکوں کی سیر کروں۔ بوڑھا بولا، بیٹا میں ڈرتا ہوں کہ کہیں بدوؤں سے تجھے اور تیرے مال کو نقصان نہ پہنچے۔ لڑکا خفا ہو کر کہنے لگا کہ تو خادم ہے یا مخدوم؟ میں رات کو بغداد میں داخل ہونا نہیں چاہتا صبح کو چلوں گا تا کہ بغداد والے میرے سوداگری کے مال کو دیکھیں اور سمجھیں کہ میں کون

ہوں۔ قافلہ سالار نے کہا جو تیرا جی چاہے کر۔ میں نصیحت کر چکا۔ تو خود سمجھ لے کہ تیری نجات کس میں ہے۔

علاؤ الدین نے حکم دیا کہ خچروں سے مال کی گٹھڑیاں اتار لی جائیں اور لوگوں نے بوجھ اتار لیے اور خیمے لگا کر ٹھہر گئے۔ آدھی رات کے وقت جبکہ وہ ضرورت سے فارغ ہونے کے لیے باہر نکلا تو اسے دور سے کوئی چیز چمکتی ہوئی دکھائی دی۔ اس نے شتربان سے کہا کہ اے قافلہ سالار دیکھ یہ کیا چمک رہا ہے۔ یہ سن کر قافلہ سالار اٹھ بیٹھا اور غور سے دیکھنے لگا۔ اسے یقین ہو گیا کہ یہ چمک، نیزوں کے پھلوں کے ہتھیاروں کے لوہے اور بدوؤں کی تلواروں کی ہے اور یہ کہ بدو لٹیرے جن کا سردار شیخ العرب عجلان ابو نائب مشہور راہ زن ہے، آ پہنچے۔ جب بدو ان کے قریب آئے اور انہوں نے مال کے انبار دیکھے تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ آج کی رات خوب غنیمت ہاتھ آئے گی۔ قافلے والوں نے جو یہ کہتے سنا تو قافلہ سالار کمال الدین شتربان بولا۔ خبردار اے رذیل ترین بدو! یہ سن کر ابو نائب نے اپنے نیزے سے اس کے سینے پر ایسا وار کیا کہ وہ چمکتا ہوا اس کی پیٹھ سے نکل آیا! وہ مردہ ہو کر خیمے کے دروازے پر گر پڑا۔ اس کے بعد سقے نے کہا کہ خبردار اے رذیل ترین بدو! اور بدو نے ایسی تلوار اس کی گردن پر ماری کہ علیحدہ ہو گئی او وہ بھی مردوں میں جا ملا۔ یہ ساری باتیں علاؤ الدین کی آنکھوں کے سامنے ہو رہی تھیں۔ پھر بدوؤں نے قافلے پر حملہ کر کے ان کا قلع قمع کر دیا۔ علاؤ الدین کے ساتھیوں میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑا اور خچروں پر اسباب لاد کر چلتے ہوئے۔ علاؤ الدین نے دل میں یہ سوچ کر کہیں وہ مجھے خچر پر سوار اور میرے کپڑے دیکھ کر میرا بھی یہی حشر نہ کریں جلدی سے اپنے کپڑے اتار کر خچر کی پیٹھ پر ڈال دیئے اور محض قمیض اور نیچے کے کپڑے پہنے رہا۔ خیمے کے دروازے پر آ کر دیکھا تو مقتولوں کا خون نالے کی طرح بہہ رہا ہے اس نے اپنے کپڑے اور قمیض اس خون میں لتھیر لیے اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ وہ بھی مقتول ہے اور اپنے

خون میں ڈوبا ہوا ہے۔
یہ تو اس کا حال ہوا۔ اب بدوؤں کے سردار عجلان کا حال سنئے۔ اس نے اپنے ساتھیوں
سے پوچھا کہ اے عربو یہ قافلہ مصر سے آ رہا تھا یا بغداد سے؟
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

○○○

• دو سو پچیسویں رات

جب دو سو پچیسویں رات ہوئی تو اس نے پوچھا، اے عربو یہ قافلہ مصر سے آ رہا تھا یا بغداد سے؟ انہوں نے کہا کہ یہ مصر سے بغداد جا رہا تھا۔ وہ بولا پھر تو مقتولوں کے پاس واپس چلو کیونکہ میرا خیال ہے کہ قافلے کا مالک ابھی تک نہیں مارا گیا۔ اب بدو پھر مقتولوں کی طرف لوٹ گئے اور لاشوں میں نیزے اور تلواریں بھونکنے لگے یہاں تک کہ علاؤ الدین کے پاس پہنچے جو مقتولوں کے درمیان پڑا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر انہوں نے کہا کہ تو مردہ بن گیا ہے۔ ہم تجھے واقعی مار ڈالیں گے۔ یہ کہہ کر ایک بدو نے اپنا نیزہ اٹھایا اور چاہتا تھا کہ علاؤ الدین کے سینے میں بھونک دے تو وہ کہنے لگا کہ ”اے غوث الاعظم“ اے میرے آقا عبدالقادر! اے جیلانی“ اور اسے غیب کا ایک ہاتھ دکھائی دیا جس نے نیزے کو اس کے سینے سے قافلہ سالار کمال الدین شتربان کے سینے کی طرف پھیر دیا اور بدو کا نیزہ اس مردہ کے سینے پر پڑا اور علاؤ الدین بچ گیا۔ اس کے بعد بدوؤں نے باقی ماندہ سامان خچر پر لادا اور چل دیئے۔ جب علاؤ الدین نے نظر اٹھائی اور دیکھا کہ چڑیاں اپنی روزی لے کر اڑ گئی ہیں تو وہ اٹھ بیٹھا اور کھڑا ہو کر بھاگا۔ اتنے میں ابو نائب بدو نے کہا کہ اے میرے ہمراہیو، اے عربو، مجھے کوئی چیز حرکت کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ یہ سن کر ایک بدو ادھر بڑھا اور بھاگتے ہوئے علاؤ الدین پر اس کی نظر پڑی۔ وہ کہنے لگا کہ تیرا بھاگنا بیکار ہے کیونکہ ہم تیرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور علاؤ الدین کا پیچھا کرنے لگا۔ اب علاؤ الدین کو اپنے آگے ایک تالاب دکھائی دیا، جس میں پانی تھا اور اس کے ایک طرف ایک حوض تھا۔ وہ حوض کے چبوترے پر چڑھ کر لیٹ گیا اور اس طرح سانس لینے شروع کر دیئے گویا سو رہا ہے اور دعا مانگنے لگا کہ بہترین پردہ پوش تیرا ڈالا ہوا پردہ کبھی نہیں کھلتا۔ اتنے میں بدو حوض کے پاس آ کر اپنی رکابوں

پر کھڑا ہوا اور علاؤ الدین کے پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ علاؤ الدین نے کہا کہ یا دستگیر یا میری آقا نفیسہ! اب تیری باری ہے۔ خدا کی شان ایک بچھو نے بدو کی ہتھیلی پر ڈنک مارا اور وہ چلایا کہ آہ! عربو دوڑو بچھو نے میرے ڈنک مارا ہے۔ یہ کہہ کر وہ اپنی گھوڑی کی پیٹھ پر سے گھر پڑا۔ اس کے ساتھیوں نے آ کر پھر اسے سنبھالا اور گھوڑی پر بٹھایا۔ پھر پوچھنے لگے کہ تجھ پر کیا حادثہ گزرا ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے بچھو کے بچے نے ڈنک مار دیا۔ یہ سن کر وہ واپس ہوئے اور روانہ ہو گئے۔

ادھر تو یہ گزری اور علاؤ الدین حوض کے پاس سوتا بنا رہا۔ ادھر محمود بلخی اپنا سامان لدوا کر چلا۔ غائبہ الاسد کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ علاؤ الدین کے غلام سب کے سب مقتول پڑے ہیں۔ وہ بہت خوش ہوا اور پیادہ ہو کر چلنے لگا۔ یہاں تک کہ حوض اور تالاب کے قریب آیا۔ محمود بلخی کا خنجر چونکہ پیاسا تھا اس لیے وہ جھک کر تالاب میں پانی پینے لگا لیکن اسے حوض میں علاؤ الدین کا سایہ دکھائی دیا۔ اور وہ بدکا۔ محمود بلخی نے نظر اوپر اٹھائی دیکھتا کیا ہے کہ علاؤ الدین فقط قمیص اور نیچے کے کپڑے پہنے لیٹا ہے۔ آواز دے کر پوچھا کہ یہ تیری گت کس نے بنائی اور کون تجھے اس بری حالت میں چھوڑ گیا؟ اس نے جواب دیا کہ بدو۔ محمود نے کہا کہ بیٹا خنجر وں اور مال و دولت نے تجھ پر قربان ہو کر تیری جان بچا لی ہے۔ خیر اب نیچے اتر اور ڈر نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے علاؤ الدین کو حوض کے چبوترے پر سے اتارا اور اسے خنجر پر سوار کیا۔ پھر وہ سب چلتے چلتے بغداد میں محمود بلخی کے گھر پہنچے۔ وہاں اس نے علاؤ الدین سے کہا کہ حمام جا۔ تیرا مال اسباب تجھ پر قربان ہو گیا۔ مگر بیٹا اگر تو میرا کہنا مانے تو میں تیرے مال و اسباب سے دوگنا تجھ کو دوں گا۔ جب وہ حمام سے نکلا تو محمود اسے ایک کمرے میں لے گیا جس میں سنہرا کام تھا اور چار چبوترے تھے۔ دسترخوان بچھوایا جس پر تمام قسموں کے کھانے چنے گئے۔ کھانے پینے کے بعد محمود بلخی علاؤ الدین کی طرف جھکا تا کہ اس کا بوسہ لے۔ علاؤ الدین نے اسے اپنے ہاتھ سے روک دیا اور بولا کیا تو ابھی تک میرے ساتھ اپنی گمراہی کیے جائے گا! میں نے تجھ سے کہا

نہیں کہ اگر میں یہ پونجی دوسرے کے ہاتھ سونے کے مول بیچتا تو تجھے چاندی کے مول دے دیتا۔ اس نے جواب دیا کہ اسی کے عوض تو میں تجھے مال اور خچر اور پوشاکیں دینا چاہتا ہوں۔ مجھے تجھ سے محبت ہو گئی ہے۔ علاؤ الدین نے کہا ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ تو اپنی پوشاکیں اور خچر اپنے پاس رکھ اور دروانہ کھول دے کہ میں چلا جاؤں۔ اس نے دروانہ کھول دیا اور علاؤ الدین باہر چلا گیا۔ کتے اس کے پیچھے بھونکنے لگے مگر وہ چلتا رہا۔ اندھیرے میں چلتے چلتے اسے ایک مسجد کا دروانہ دکھائی دیا۔ وہ مسجد کی دہلیز کے پار ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں اسے اپنی طرف ایک روشنی آتی ہوئی دکھائی دی۔ دیکھا کہ دو غلام دو فانوسیں لیے ہوئے ہیں اور ان کے پیچھے دو تاجر ہیں۔ ایک ان میں سے بوڑھا ہے اور دوسرا جوان۔ اس نے جوان کو بوڑھے سے کہتے سنا کہ چچا خدا کے لیے میری چچیری بہن مجھے واپس دے دے۔ بوڑھا بولا کیا میں نے تجھے کئی بار منع نہیں کیا تھا کہ تو اٹھتے بیٹھتے طلاق طلاق کی رٹ نہ لگایا کر۔ اب بوڑھے کی نظر دہنی جانب پڑی۔ اس نے دیکھا کہ چاند سے ٹکڑے کی طرح ایک لڑکا کھڑا ہوا ہے اور اس نے کہا کہ السلام علیکم! لڑکے نے سلام کا جواب دیا۔ بوڑھے نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میرا نام علاؤ الدین ہے اور میں مصر کے تاجروں کے ملک التجار شمس الدین کا بیٹا ہوں۔ میں نے اپنے باپ سے سوداگری کی تمنا ظاہر کی تھی۔ اس نے کپڑوں اور دوسرے سامان کے پچاس بٹے میرے ساتھ کر دیئے تھے۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو چھپن ویں رات

جب دو سو چھپن ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- علاؤ الدین نے کہا کہ میرے باپ نے سامان کے پچاس بچے میرے ساتھ کر دیئے اور دس ہزار دینار نقد دیئے۔ جب میں چلتے چلتے غابتہ الاسد پہنچا تو بدوؤں نے مجھ پر حملہ کر کے سارا مال اسباب لوٹ لیا۔ اب میں اس شہر میں داخل ہوا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ رات کہاں گزاروں۔ اتفاق سے یہ مسجد نظر آگئی تو میں نے یہاں آ کر پناہ لی۔ بوڑھے نے کہا کہ تجھے منظور ہے کہ میں تجھے ایک ہزار دینار نقد دوں اور ایک ہزار کی پوشاک اور ایک ہزار کا خچر؟ علاؤ الدین نے سوال کیا چچا ان چیزوں کے دینے سے تیرا مقصد کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ لڑکا جو میرے ساتھ ہے میرا بھتیجا ہے اور اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا۔ میری بھی ایک ہی بیٹی ہے جس کا نام سارنگی بجانے والی زبیدہ ہے۔ وہ بڑی حسین و جمیل ہے۔ میں نے اس کی شادی اس کے ساتھ کر دی تھی کیونکہ یہ اسے بہت چاہتا تھا مگر وہ اس سے نفرت کرتی تھی۔ اس نے تین طلاقیں دے کر نکاح توڑ ڈالا۔ لڑکی کو ابھی اس کا پورا پورا یقین بھی نہ آنے پایا تھا کہ وہ شوہر کے یہاں سے چلتی ہوئی۔ پھر یہ لڑکا لوگوں کی سفارش لے کر پہنچا کہ میں لڑکی اس کے پاس واپس بھیج دوں۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ شرعاً اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس کا نکاح کسی دوسرے کے ساتھ نہ کر دیا جائے۔ اب ہم دونوں اس پر متفق ہیں کہ اس کا نکاح کسی پردہسی سے کر دیں تاکہ کوئی عیب نہ لگا سکے چونکہ تو پردہسی ہے۔ لہذا ہمارے ساتھ چل تاکہ تم دونوں کا نکاح نامہ مرتب کر دیا جائے۔ آج رات تو اس کے ساتھ ہم بستر ہو اور سویرے اسے طلاق دے دے۔ اس کے بدلے میں تجھے وہ چیزیں دوں گا جن کا میں نے وعدہ کیا ہے۔

علاؤ الدین اپنے دل میں یہ سوچ کر کہ ایک دلہن کے ساتھ ایک گھر اور ایک بچھونے

میں سونا، بازاروں اور دروازوں پر سونے سے بہتر ہے، ان دونوں کے ساتھ قاضی کے پاس گیا۔ اسے دیکھتے ہی قاضی کا دل اس کی طرف کھینچنے لگا اور وہ لڑکی کے باپ سے پوچھنے لگا کہ تم کس مقصد سے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ میری بیٹی کا نکاح اس شخص سے کر دیا جائے تاکہ وہ اس میرے بھتیجے کے لیے حلال ہو جائے لیکن سب سے پہلے اس کا ہر دس ہزار دینار مقرر کر اس لیے کہ اگر یہ شخص رات کو لڑکی سے ہم بستر ہو کر صبح کو اسے طلاق دے دے تو ہم اسے ایک ہزار کی پوشاکیں اور ایک ہزار کا خنجر اور ایک ہزار نقد دیں اور اگر طلاق نہ دے تو دس ہزار دینار اس کے سر پڑیں۔ الغرض ان شرطوں پر نکاح پڑھا دیا گیا اور لڑکی کے باپ نے علاؤ الدین سے عہد نامہ لکھوا لیا۔ اب وہ علاؤ الدین کو اپنے ساتھ لے گیا اور اسے کپڑے پہنا کر گھر پہنچا۔ اسے باہر کھڑا کر کے خود اپنی بیٹی کے پاس اندر گیا اور کہنے لگا کہ میں نے تیرا نکاح نامہ ایک حسین و جمیل کے ساتھ لکھوا دیا ہے جس کا نام علاؤ الدین ابوالشامات ہے۔ اپنا کام اس سے خوب نکالو۔ یہ کہہ کر تاجر نے نکاح نامہ اسے دے دیا اور خود اپنے کمرے میں چلا گیا۔

لڑکی کے چچیرے بھائی کی ایک خادمہ تھی جو سارنگی والی زبیدہ کے پاس آیا جلا کرتی تھی! وہ اسے بہت کچھ دیا لیا کرتا تھا۔ اس نے خادمہ سے کہا کہ جب میری چچیری بہن زبیدہ اس خوبصورت جوان کو دیکھے گی تو وہ پھر مجھے منظور نہ کرے گی۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تو کسی نہ کسی ترکیب سے لڑکی کو روک دے کہ وہ اس کے پاس نہ جائے۔ خادمہ نے کہا کہ تیری جوانی کی قسم میں اسے لڑکی کے پاس نہ پھٹکنے دوں گی۔ یہ کہہ کر وہ علاؤ الدین کے پاس گئی اور کہنے لگی کہ بیٹا میں محض خدا کے لیے تجھے ایک نصیحت کرتی ہوں۔ میری نصیحت کان دھر کر سن۔ میں ڈرتی ہوں کہ کہیں اس لڑکی سے تجھے نقصان نہ پہنچے۔ اسے اکیلا سونے دیجیو اور چھوہو بھی نہیں اس کے پاس تک نہ جاییو۔ علاؤ الدین نے کہا کہ اچھا کیوں؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ اس

کا بدن گرمی سے بھرا ہوا ہے۔ خوف ہے کہ کہیں تیری خوبصورت جوانی تباہ نہ ہو جائے۔ اس نے کہا کہ مجھے لڑکی کی بالکل حاجت نہیں۔ پھر بڑھیا لڑکی کے پاس گئی اور اسے بھی وہی فقرہ کہا جو علاؤ الدین سے کہا تھا۔ لڑکی بولی، مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ میں اسے اکیلا سونے دوں گی اور جب صبح ہو گی تو وہ اپنی راہ لے گا۔ اس کے بعد اس نے اپنی ایک کنیز کو بلا کر کہا کہ دسترخوان لے اور اس کے پاس جاتا کہ وہ شام کا کھانا کھائے۔ کنیز دسترخوان لے کر اس کے سامنے رکھ آئی اور علاؤ الدین نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ کھانا کھا کر اس نے نہایت شیریں آواز سے سوہ لہین پڑھنا شروع کی۔ لڑکی کان لگا کر سننے لگی۔ اسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت داؤد گا رہے ہیں۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ خدا برا کرے اس بڑھیا کا وہ اسے گرمی میں مبتلا بتاتی ہے۔ لیکن جو اس میں مبتلا ہو، اس کی آواز اس طرح کی نہیں ہو سکتی۔ یہ اس پر بہتان لگایا گیا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے ایک ہندوستانی ساخت کا ساز لیا اور اس کے تار ملا کر ایسے میٹھے سروں میں گانے لگی جسے سن کر پرندے ہوا میں ٹھہر جائیں۔ علاؤ الدین نے لڑکی کو گاتے سنا تو سوہ ختم کرنے کے بعد وہ خود بھی گانے لگا۔ اب لڑکی کے دل میں اس کی طرف سے اتنی محبت پیدا ہوئی کہ اس نے کھڑے ہو کر پردہ اٹھایا اور کولے منکاتی اور جھومتی ہوئی آگے بڑھی۔ نظریں ملتے ہی دونوں کے دلوں میں ہزاروں ارمان آنے لگے اور لڑکے کے دل میں لڑکی کی نگاہوں کا تیر آ کر لگا۔ جب لڑکی نے اس کے قریب آنے کا ارادہ کیا تو لڑکے نے کہا کہ مجھ سے دور رہ، کہیں ایسا نہ ہو کہ تیری بیماری مجھے لگ جائے۔ یہ سن کر لڑکی نے اپنی کلائی کھول دی جو ٹھیک دو حصوں میں منقسم اور چاندی کی طرح سفید تھی۔ اب اس نے آگے بڑھنا چاہا تو لڑکی بولی میرے قریب نہ آ کیونکہ تجھے گرمی ہے ایسا نہ ہو کہ تیرے روگ میں، میں بھی نہ مبتلا ہو جاؤں۔ لڑکے نے پوچھا کہ تجھے کیسے معلوم ہوا کہ میں گرمی کا مارا ہوا ہوں؟ اس نے جواب دیا کہ یہ مجھ سے بڑھیا نے کہا۔ لڑکا بولا مجھ سے بھی اسی بڑھیا نے کہا تھا کہ تجھے یہ گندہ مرض ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی

دونوں بانہیں کھول دیں اور لڑکی نے دیکھا کہ اس کا بدن صاف چندن ہے۔ اب کیا تھا۔ لڑکے نے لڑکی کو اور لڑکی نے لڑکے کو سینے سے لگا لیا۔ دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ جب صبح ہوئی تو وہ کہنے لگا کہ ہائے افسوس خوشی پوری نہیں ہوئی اور کوا اسے لے کر اڑ گیا۔ لڑکی نے کہا کہ اس کے کیا معنی ہیں؟

اس نے کہا کہ اے میری آقا، اس گھڑی کے بعد میرا بیٹھنا تیرے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ لڑکی بولی کہ یہ تجھ سے کس نے کہا ہے؟ جوان نے جواب دیا کہ تیرے باپ نے تیرا ہر دس ہزار دینار اس شرط پر لکھوایا ہے کہ اگر میں آج اسے ادا نہ کروں تو میں قاضی کے گھر قید کر دیا جاؤں گا اور واقعہ یہ ہے کہ اس وقت میرے ہاتھ میں دس ہزار دینار تو درکنار ایک درہم بلکہ آدھا درہم بھی نہیں۔ لڑکی نے کہا کہ اے میرے آقا اختیار تیرے ہاتھ میں ہے یا ان کے ہاتھ میں؟ اس نے جواب دیا کہ میرے ہاتھ میں تو ایک درہم تک نہیں۔ لڑکی بولی کہ کچھ بات نہیں۔ تو کسی بات کا ڈر نہ کر۔ لے یہ سو دینار۔ اگر میرے پاس اس کے سوا اور کچھ ہوتا تو میں تجھے دے دیتی۔ میرا باپ اپنے بھتیجے کو چاہتا ہے کہ اس نے اپنا سارا مال میرے پاس سے لے جا کر اس کے پاس رکھ دیا ہے حتیٰ کہ میرے زیور بھی سب کے سب لے گیا ہے۔ کل جبکہ قاضی کا پیادہ تیرے پاس آئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو ستاون ویں رات

دو سو ستاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- لڑکی نے علاؤ الدین سے کہا کہ کل جب قاضی کا پیادہ تیرے پاس آئے اور قاضی اور میرا باپ تجھ سے کہیں کہ طلاق دے تو ان سے کہیو کہ یہ کس مذہب میں جائز ہے کہ میں رات کو نکاح کروں اور صبح کو طلاق دے دوں۔ اس کے بعد قاضی کے ہاتھ کو بوسہ دے کر اسے کچھ دے دیجیو۔ اس طرح ہر گواہ کا ہاتھ چوم کر اسے دس دینار حوالہ کیجیو۔ وہ سب تیری طرف داری کرنے لگیں گے۔ اگر وہ تجھ سے کہیں کہ تو طلاق کیوں نہیں دیتا تا کہ شرط کے مطابق تجھے ہزار دینار نقد اور خچر اور پوشاک مل جائے تو کہیو کہ میرے نزدیک اس کے ہر بال کی قیمت ایک ہزار دینار ہے میں اسے ہرگز طلاق نہیں دوں گا۔ مجھے نہ پوشاک چاہیے نہ کچھ اور۔ اگر قاضی کہے کہ اچھا تو پھر مہر ادا کر تو کہیو کہ اس وقت میں نادار ہوں۔ یہ سن کر قاضی اور گواہ تیرے ساتھ نرمی سے پیش آئیں گے اور تجھے مہلت مل جائے گی۔

یہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ قاضی کے پیادے نے دروازے پر دستک دی۔ علاؤ الدین باہر گیا۔ پیادے نے کہا کہ تیرا خسر تجھے بلاتا ہے۔ چل کر اس سے باتیں کر۔ علاؤ الدین نے اسے پانچ دینار دے کر کہا کہ اے ایلچی یہ کس شرع میں جائز ہے کہ میں رات کو نکاح کروں اور صبح ہوتے طلاق دے دوں؟ اس نے کہا کہ ہمارے ہاں ایسی بات ہرگز جائز نہیں۔ اگر تو شرع سے واقف نہیں تو میں تیری طرف سے وکالت کروں گا۔

اس کے بعد وہ قاضی کے محکمے میں گئے۔ قاضی نے کہا کہ تو ایسا کیوں نہیں کرتا کہ عورت کو طلاق دے دے۔ اور جو شرط بندھی ہے وہ لے لے۔ یہ سن کر علاؤ الدین قاضی کی طرف بڑھا اور اس کے ہاتھ چوم کر پچاس دینار اس کے ہاتھ میں رکھے اور کہنے لگا کہ اے ہمارے مولا قاضی یہ کس مذہب میں جائز ہے کہ میں رات کو شادی

کروں اور صبح کو وہ زبردستی مجھ سے چھڑا دی جائے؟ قاضی نے جواب دیا کہ مسلمانوں کے کسی مذہب میں جبریہ طلاق جائز نہیں۔ لڑکی کے باپ نے کہا کہ اگر تو طلاق نہیں دیتا تو میرے دس ہزار دینار لا۔ علاؤ الدین نے کہا کہ تین دن کی مہلت دے۔ قاضی نے کہا کہ تین دن کی مہلت کافی نہیں بلکہ وہ تجھے دس دن کی مہلت دے گا۔ اس پر سب نے اتفاق کیا اور اب یہ شرط ٹھہری کہ دس دن کے بعد یا تو میرا ادا کیا جائے۔ یا طلاق۔ یہ شرط کر کے علاؤ الدین وہاں سے چل دیا اور گوشت اور چاول اور گھی وغیرہ کھانے کی ضروری چیزیں خرید کر گھر گیا اور لڑکی سے جا کر سارا ماجرا بیان کیا۔ اس نے کہا کہ دن اور رات کے درمیان عجیب و غریب باتیں پیش آ سکتی ہیں۔ پھر وہ اٹھی اور کھانا تیار کر کے دسترخوان بچھایا۔ دونوں نے کھایا پیا اور مزے لیے اور خوش ہوئے۔ اس کے بعد علاؤ الدین نے اپنی بیوی سے ایک راگ کی فرمائش کی۔ لڑکی نے سازلے کر ایسی گت بجائی جس سے سخت سے سخت پتھر وجد میں آ جائیں اور تار ”یادواؤ“ کہنے لگے۔ اس کے بعد لڑکی نے دوسرا راگ چھیڑ دیا۔

دونوں اسی لطف میں تھے، نغمہ و سرور کی محفل گرم تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ لڑکی نے کہا کہ جا دیکھ دروازے پر کون ہے؟ علاؤ الدین نے دروازے پر جا کر دیکھا کہ چار درویش کھڑے ہوئے ہیں۔ ان سے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ اے بندہ خدا ہم پردیسی درویش ہیں اور ہماری روحوں کی غذا لگانا اور لطیف اشعار ہیں۔ ہماری آرزو ہے کہ آج رات صبح تک ہم تیرے ہاں گزاریں اور پھر چلے جائیں۔ خدا تجھے اس کا بدلہ دے! ہمیں گانے سے عشق ہے اور ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جسے قصیدے اور اشعار اور گیت یاد نہ ہوں۔

علاؤ الدین نے کہا کہ میں پوچھ لوں۔ یہ کہہ کر وہ اندر گیا اور لڑکی کو خبر کی۔ اس نے کہا کہ انہیں آنے دے۔ علاؤ الدین نے دروازہ کھول دیا اور انہیں لے جا کر بٹھایا۔ خوش آمدید، مرحبا کہا اور ان کے آگے کھانا پیش کیا۔ لیکن انہوں نے کچھ نہ کھایا اور کہا کہ اے شخص ہماری غذا یہ ہے کہ دل سے اللہ کی یاد کریں اور کان

سے گیت سنیں۔ باہر سے ہمیں عمدہ گانے کی آواز آ رہی تھی، لیکن جب ہم یہاں آئے تو گانا بند ہو گیا۔ معلوم نہیں کہ گانے والی کوئی گوری کنیز تھی یا حبشن، کوئی پیشہ ور یا شریف زادی! اس نے جواب دیا کہ وہ میری بیوی تھی۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا سارا ماجرا سنایا اور کہا کہ میرے خسر نے دس ہزار دینار کا مہر باندھا ہے اور دس دن کی مہلت دی ہے۔ ایک درویش نے کہا کہ غمگین نہ ہو اور دل میں خوشی کے سوا فکر کو نہ آنے دے۔ میں تکیے کا شیخ ہوں اور میرے ماتحت چالیس درویش ہیں۔ میں نے ان کو حکم دیا نہیں کہ دس ہزار دینار جمع ہو گئے۔ پھر اپنے خسر کو مہر ادا کر دیجیو۔ اچھا اب لڑکی سے کہہ کہ ہمیں ایک گیت سنا دے تاکہ ہمیں حظ حاصل ہو اور ہم بلندی پر پہنچ جائیں کیونکہ گانا بعض لوگوں کے لیے غذا ہے اور بعض کے لیے دوا اور بعضوں کے لیے نکلے کا کام دیتا ہے۔

یہ چاروں درویش خلیفہ ہاروں الرشید، وزیر جعفر برکی، ابونواس حسن بن ہانی اور مسرور جلاہ تھے ان کے یہاں آنے کی وجہ یہ تھی کہ خلیفہ کا دل گھبرا رہا تھا۔ اس نے وزیر سے کہا کہ اے جعفر میں چاہتا ہوں کہ چل شہر کی سیر کریں۔ یہاں اس وقت جی نہیں لگتا چنانچہ انہوں نے درویشوں کا بھیس بدلا اور شہر میں سیر کرتے کرتے اس مکان کے پاس سے گزرے تو غیر معمولی گانے کی آواز سنائی دی۔ خیال ہوا کہ دریافت کریں کہ اس گھر میں کون لوگ رہتے ہیں اور وہ فقیروں کے لباس میں اندر آ گئے۔ نہایت لطف کے ساتھ بات چیت میں رات گزاری اور صبح ہونے کو آئی تو خلیفہ نے سو دینار مصلے کے نیچے رکھ دیئے اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ رخصت ہوا۔ جب لڑکی نے مصلہ اٹھایا اور اس کے نیچے سو دینار دیکھے تو وہ اپنے شوہر سے کہنے لگی کہ یہ سو دینار لے۔ میں نے انہیں مصلے کے نیچے پایا ہے۔ چلنے سے پہلے درویش انہیں رکھ گئے ہیں۔ ہمیں ان کا علم نہ تھا۔ علاؤ الدین انہیں لے کر بازار گیا اور گوشت اور چاول اور گھی وغیرہ ضرورت کی چیزیں خرید لایا۔ دوسرے دن شام کو اس نے شمع جلائی اور بیوی سے کہا

کہ جن دس ہزار دیناروں کا درویشوں نے وعدہ کیا تھا ابھی تک نہیں لائے۔ آخر فقیر ہی تو ہیں۔ اتنے میں درویشوں نے دروازے پر دستک دی۔ لڑکی نے کہا کہ جا اور ان کے لیے دروانہ کھول۔ اس نے جا کر دروانہ کھولا۔ وہ اندر آئے۔ اس نے کہا کہ کیا تم دس ہزار دینار جن کا تم نے وعدہ کیا تھا لائے ہو؟

انہوں نے جواب دیا کہ ابھی ہمیں کچھ بھی دستیاب نہیں ہوا لیکن پرواہ نہ کر، کل انشاء اللہ ہم تیرے لیے کیمیا بنائیں گے۔ اپنی بیوی سے کہہ کر ہمیں ایک بالکل نیا گانا سنائے تاکہ ہمارے قلب بلند پرواز کرنے لگیں کیونکہ ہمیں سماع سے عشق ہے۔ اس لڑکی نے ساز لے کر ایسا راگ بجایا جس سے سخت سے سخت پتھر نرم ہو جائیں سبھوں نے خوش خوش رات گزاری۔ سویرا ہوا اور روشنی پھیلی تو خلیفہ نے سو دینار مصلے کے نیچے رکھ دیئے اور چاروں وہاں سے چلتے ہوئے۔ اسی طرح وہ برابر نو رات آیا کیے اور ہر رات خلیفہ سو دینار مصلے کے نیچے رکھ جاتا۔ یہاں تک کہ دسواں دن ہوا مگر آج وہ نہ آئے اور ان کے نہ آنے کا سبب یہ تھا کہ خلیفہ نے ایک بڑے سوداگر کو بلا کر کہا کہ میرے پاس پچاس گٹھڑیاں مصر کے کپڑوں کی لا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو اٹھاون ویں رات

جب دو سو اٹھاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- امیرالمومنین نے اس تاجر سے کہا کہ پچاس گٹھریاں ان کپڑوں کی جو مصر سے آیا کرتی ہیں اور ہر ایک گٹھری کی قیمت ہزار دینار ہو اور یہ قیمت ان پر لکھ کر لگا دے اور ایک حبشی غلام لا۔ وہ تاجر ساری چیزیں لے آیا تو خلیفہ نے غلام کو سونے کی ایک سیلیجی اور ایک لوٹا اور چند تحفے تحائف اور پچاسوں گٹھریاں اس کے حوالے کیں۔ علاؤ الدین کے باپ مصر کے ملک التجار شمس الدین کی طرف سے ایک خط لکھا اور غلام کو دے کر کہا کہ فلاں محلے میں جا جس میں تاجر بغداد کے ملک التجار کا مکان ہے اور پوچھ کہ میرا آقا علاؤ الدین ابوالشامات کہاں رہتا ہے؟ لوگ تجھے اس مکان میں پہنچا دیں گے۔ غلام یہ سب اسباب و سامان لے کر خلیفہ کے حکم کے بموجب روانہ ہو گیا۔

یہ تو اس کا قصہ ہوا، اب لڑکی کے چچیرے بھائی کا ماجرا سنئے۔ وہ لڑکی کے باپ کے پاس گیا اور اس سے کہنے لگا کہ آ علاؤ الدین کے پاس چل کر اپنی چچیری بہن کو طلاق دلا لائیں۔ وہ دونوں علاؤ الدین کے گھر کی طرف چلے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ پچاس خچر کھڑے ہوئے ہیں اور ان پر پچاس تھانوں کی گٹھریاں لدی ہوئی ہیں اور ایک غلام خچر پر سوار ان کے ساتھ ہے اور انہوں نے پوچھا کہ یہ کس کا مال ہے؟ غلام نے جواب دیا کہ میرے آقا علاؤ الدین ابوالشامات کا۔ اس کے باپ نے سوداگری کا مال دے کر بغداد بھیجا تھا راستے میں بدوؤں نے اسے لوٹ لیا۔ یہ خبر اس کے باپ کو پہنچی تو میرے ہمراہ اور مال اس کے لیے بھیجا اور اس اسباب کے ساتھ خچر پر پچاس ہزار دینار اور ایک بچہ جو نہایت قیمتی ہے مع سمور کے لبادہ اور سونے کی سیلیجی اور لوٹے کے ہیں۔

لڑکی کے باپ نے کہا کہ وہ میرا داماد ہے، چل میں تجھے اس کے گھر لے چلتا ہوں۔

علاؤ الدین سخت غمگین اپنے گھر بیٹھا ہوا تھا کہ کسی نے دروانہ کھٹکھٹایا اور علاؤ الدین نے زبیدہ سے کہا کہ شاید تیرے باپ نے قاضی یا والی کی طرف سے پیادہ بھجویا ہے۔ اس نے کہا کہ جا کر دیکھ تو سہی۔

علاؤ الدین نے جا کر دروانہ کھولا۔ دیکھا کہ اس کا خسر زبیدہ کا باپ ملک التجار کھڑا ہے اور ایک حبشی غلام سانولے رنگ کا خوبصورت سا ایک خچر پر سوار ہے۔ اسے دیکھ کر غلام اتر پڑا اور اس کے ہاتھ چومے۔ اس نے پوچھا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ غلام نے جواب دیا کہ میں اپنے آقا علاؤ الدین ابوالثامات کا غلام ہوں جو مصر کے ملک التجار شمس الدین کا بیٹا ہے۔ اس کے باپ نے یہ امانت دے کر مجھے اس کے پاس بھیجا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے خط علاؤ الدین کے حوالے کیا۔ اس نے پڑھا تو اس میں لکھا تھا: بہترین سلام کے بعد معلوم ہو کہ یہ خط شمس الدین کی طرف سے اس کے بیٹے ابوالثامات کے نام ہے۔ بیٹا مجھے یہ خبر ملی تھی کہ تیرے ساتھی قتل ہو گئے اور تیرا مال و اسباب لوٹ لیا گیا۔ اس لیے میں تجھے اور پچاس ہزار مصری تھانوں کے، ایک جوڑا لباس، سمور کا لبادہ اور سونے کی سیلجی اور لوٹا بھیجتا ہوں۔ تو کسی طرح افسوس نہ کیجیو۔ بیٹا مال و دولت تجھ پر نثار ہے اور نہ غم زدہ ہو جیو۔ تیری ماں اور سارے گھر والے خیریت سے ہیں اور تجھے بہت سلام کہتے ہیں اور بیٹا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تیرا درمیانی نکاح زبیدہ عودیہ کے ساتھ پچاس ہزار دینار پر ہوا ہے۔ یہ پچاس ہزار دینار میں اپنے غلام سلیم کے ہمراہ بھیجتا ہوں۔

علاؤ الدین خط پڑھ چکا تو اس نے اپنے خسر سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے میرے خسر یہ پچاس ہزار دینار اپنی بیٹی زبیدہ کا مہر لے اور اس سے تجارت کر، اصل میرا اور فائدہ تیرا۔ اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم میں کچھ نہ نہ لوں گا۔ اب رہا مہر کا معاملہ تو اس کا فیصلہ تو اپنی بیوی سے خود کر لے۔ سارا سامان مکان کے اندر بھیجنے کے بعد علاؤ الدین اور اس کا خسر دونوں اندر گئے۔ زبیدہ نے اپنے باپ سے پوچھا کہ ابا جان یہ سامان کس کا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تیرے شوہر علاؤ الدین کا۔ اس کے

باپ نے اس مال کے بدلے بھیجا ہے جو بدوؤں نے لوٹ لیا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے پچاس ہزار دینار نقد اور ایک خاص بچہ اور سمور کا لبادہ، ایک نچر اور سونے کی سیلیجی اور لوٹا بھیجا ہے۔ اب رہی مر کی بات تو جیسی تیری رائے ہو۔

علاؤ الدین نے اٹھ کر صندوق کھولا اور اس کا مر اس کے حوالے کیا۔ اس لڑکے نے جو لڑکی کا چچیرا بھائی تھا کہا کہ چچا جان علاؤ الدین سے کہہ کہ وہ میری بیوی کو طلاق دے کر میرے حوالے کر دے۔ اس نے جواب دیا کہ میں ایسی بات ہرگز نہیں کر سکتا۔ اختیار علاؤ الدین کے ہاتھ میں ہے۔ یہ سن کر لڑکا غم زدہ اور غصے میں بھرا ہوا چل دیا۔ گھر پہنچتے ہی بیمار پڑ گیا اور اسی بیماری نے اس کا کام تمام کر دیا۔ سامان وصول کرنے کے بعد علاؤ الدین بازار گیا اور کھانے پینے کی ضروری چیزیں لایا اور وہ روز بھی حسب معمول گزر گیا اور زبیدہ سے کہنے لگا کہ دیکھ ان جھوٹے درویشوں نے ہم سے وعدہ کیا لیکن وعدہ پورا نہ کیا۔ زبیدہ بولی کہ تو ملک التجار کا بیٹا ہونے کے باوجود ایک وقت محتاج تھا۔ تیرے پاس دو درہم نہ تھے۔ وہ بے چارے تو ٹکر گدا ٹھہرے، انہیں کیوں بدنام کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ خدا نے ہمیں ان سے مستغنی کر دیا ہے تاہم اگر وہ پھر آئے تو انہیں اندر آنے نہیں دوں گا۔ لڑکی کہنے لگی یہ تو کیا کہتا ہے! بھلائی تو انہیں کے قدموں کی برکت سے آئی ہے۔ علاوہ اس کے وہ ہر روز جو سو دینار مصلے کے نیچے رکھ جاتے تھے اس لیے اگر وہ آئیں تو ضرور اندر آنے دیجیو۔ جب دن ختم ہوا اور اندھیرا چھانے لگا تو موم بتی جلائی گئی اور علاؤ الدین نے کہا کہ زبیدہ کوئی راگ سنا۔ اتنے میں کسی نے دروانہ کھٹکھٹایا۔ لڑکی نے کہا کہ دیکھ دروازے پر کون ہے؟ اس نے جا کر دروانہ کھولا، دیکھا کہ وہی درویش ہیں اور ان سے کہنے لگا کہ مرحبا اے جھوٹو اندر آؤ۔ وہ اندر آئے۔ علاؤ الدین نے انہیں بٹھایا۔ ان کے آگے دسترخوان بچھایا۔ انہوں نے خوب کھایا پیا اور خوش ہوئے۔ بولے کہ اے علاؤ الدین ہمارا دل تجھ میں ہی لگا ہوا تھا کہ نہ جانے خسر کے ساتھ تیرا کیا فیصلہ ہوا۔ اس نے جواب دیا کہ جتنا میں نے مانگا تھا۔ خدا نے اس سے زیادہ دیا۔ انہوں نے کہا کہ

واللہ ہم تو بہت ڈر رہے تھے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• دو سو انسٹھ ویں رات

جب دو سو انسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- اور درویشوں نے علاؤ الدین سے کہا کہ واللہ ہم ڈر رہے تھے کہ کہیں تجھے تکلیف نہ ہو اور ہم اسی وجہ سے حاضر نہ ہوئے کہ ہمیں بالکل کچھ نہیں ملا۔ علاؤ الدین نے کہا کہ مجھے پروردگار کی طرف سے فوری خوشی حاصل ہوئی اور میرے باپ نے مجھے پچاس ہزار دینار نقد اور پچاس گٹھریاں تھانوں کی جن میں سے ہر ایک کی قیمت ایک ہزار دینار ہے اور پوشاک اور سمور کا لباس اور نچر اور غلام اور سونے کی سیلیجی اور لوٹا بھیجا ہے۔ میرا خسر مجھ سے خوش ہو گیا اور میری بیوی بھی راضی ہو گئی۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔

اس اثنا میں خلیفہ اٹھ کر ضرورت رفع کرنے کے لیے گیا اور وزیر جعفر نے علاؤ الدین کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ ادب سے باتیں کر۔ نہیں جانتا کہ تو امیرالمومنین کے سامنے ہے۔ وہ بولا مجھ سے امیرالمومنین کی شان میں کون سی بے ادبی سرزد ہوئی اور تم میں سے کون امیرالمومنین ہے؟ جعفر نے کہا کہ جو تجھ سے باتیں کر رہا تھا اور ابھی اٹھ کر ضرورت رفع کرنے گیا ہے وہ امیرالمومنین خلیفہ ہارون الرشید ہے اور میں وزیر جعفر ہوں اور یہ جلاذ مسرور ہے اور یہ ابونواس حسن بن ہانی۔ اے علاؤ الدین عقل سے کام لے۔ اچھا بتا کہ مصر سے بغداد تک کتنے دن کا راستہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ پینتالیس دن کا۔ جعفر نے کہا کہ تیرا سامان لٹے دس دن ہوئے ہیں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دن دن کے اندر تیرے باپ تک خبر بھی پہنچ گئی اور اس نے تیرے لیے مال و سامان بھی لدوا دیا اور ان چیزوں نے پینتالیس دن کی راہ بھی کاٹ لی۔ علاؤ الدین کہنے لگا تو پھر یہ چیزیں کہاں سے آئیں؟ اس نے جواب دیا کہ خلیفہ امیرالمومنین کے پاس سے، کیونکہ اسے تیرے ساتھ بڑی محبت ہے۔ وہ یہی

باتیں کر رہے تھے کہ خلیفہ آ پہنچا اور علاؤ الدین نے اٹھ کر اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور دعائیں دینے لگا کہ امیر المومنین خدا تجھے اپنی حفاظت میں رکھے، تیری عمر دراز کرے اور تیرا فضل و احسان لوگوں پر جاری رہے! خلیفہ نے کہا کہ زبیدہ سے کہہ کر اس نجات کی خوشی میں کوئی راگ سنائے۔ زبیدہ نے ساز لے کر ایسا عمدہ راگ بجایا کہ جس سے پتھر رقص کرنے لگیں۔ گویا ہر تار سے ”یا داؤد“ کی صدا بلند تھی۔ غرض کہ سب نے خوش خوش رات گزار دی۔ جب پو پھٹی تو خلیفہ نے علاؤ الدین سے کہا کہ کل دربار میں آیو۔ اس نے کہا کہ سر آنکھوں سے اے امیر المومنین اگر خدا نے چاہا، خدا تجھے سلامت رکھے!

دوسرے دن علاؤ الدین نے دس سینیوں میں عمدہ عمدہ ہدیئے رکھے اور انہیں لے کر دربار گیا۔ خلیفہ مسند خلافت پر رونق افروز تھا۔ علاؤ الدین دروازے سے داخل ہوا تو خلیفہ نے کہا مرحبا یا علاؤ الدین۔ علاؤ الدین نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ قبول فرمایا ہے۔ یہ دس سینیاں اور جو کچھ ان کے اندر ہے، میری طرف سے تیرے لیے ہدیہ ہیں۔ امیر المومنین نے انہیں قبول کیا۔ اس کے لیے خلعت لائے جانے کا حکم دیا اور اسے تاجروں کا امیر بنا کر دربار میں جگہ دی۔ وہ بیٹھا ہی تھا کہ اس کا خسر زبیدہ کا باپ آ پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ میری جگہ علاؤ الدین ہے اور خلعت پہنے ہوئے ہے۔ امیر المومنین سے عرض کی کہ جہاں پناہ، یہ شخص میری جگہ خلعت پہن کر کیوں بیٹھا ہے؟ خلیفہ نے جواب دیا کہ میں نے اسے تاجروں کا امیر بنایا ہے۔ رتبے عطا کیے جاتے ہیں میراث میں نہیں آتے۔ تو معزول کیا گیا۔ اس نے کہا کہ وہ بھی ہم ہی میں سے ہے۔ تو نے اے امیر المومنین خوب کیا۔ خدا ہمارے بہترین لوگوں کو ہمارا حاکم بناتا ہے۔ کتنے کم سن لوگ بڑے عہدوں پر مامور ہیں! اب خلیفہ نے علاؤ الدین کے لیے فرمان لکھ کر والی کو اور والی نے ڈھنڈورا پیٹنے والے کو دیا۔ اس نے دربار میں منادی کی کہ علاؤ الدین ابوالشامات کے سوا اور کوئی تاجروں کا امیر نہیں۔ اس کا حکم مانا جائے گا اور اس کی عزت کی جائے گی۔ ہر

باتیں کر رہے تھے کہ خلیفہ آ پہنچا اور علاؤ الدین نے اٹھ کر اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور دعائیں دینے لگا کہ امیر المومنین خدا تجھے اپنی حفاظت میں رکھے، تیری عمر دراز کرے اور تیرا فضل و احسان لوگوں پر جاری رہے! خلیفہ نے کہا کہ زبیدہ سے کہہ کر اس نجات کی خوشی میں کوئی راگ سنائے۔ زبیدہ نے ساز لے کر ایسا عمدہ راگ بجایا کہ جس سے پتھر رقص کرنے لگیں۔ گویا ہر تار سے ”یا داؤد“ کی صدا بلند تھی۔ غرض کہ سب نے خوش خوش رات گزار دی۔ جب پو پھٹی تو خلیفہ نے علاؤ الدین سے کہا کہ کل دربار میں آیو۔ اس نے کہا کہ سر آنکھوں سے اے امیر المومنین اگر خدا نے چاہا، خدا تجھے سلامت رکھے!

دوسرے دن علاؤ الدین نے دس سینیوں میں عمدہ عمدہ ہدیئے رکھے اور انہیں لے کر دربار گیا۔ خلیفہ مسند خلافت پر رونق افروز تھا۔ علاؤ الدین دروازے سے داخل ہوا تو خلیفہ نے کہا مرحبا یا علاؤ الدین۔ علاؤ الدین نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ قبول فرمایا ہے۔ یہ دس سینیاں اور جو کچھ ان کے اندر ہے، میری طرف سے تیرے لیے ہدیہ ہیں۔ امیر المومنین نے انہیں قبول کیا۔ اس کے لیے خلعت لائے جانے کا حکم دیا اور اسے تاجروں کا امیر بنا کر دربار میں جگہ دی۔ وہ بیٹھا ہی تھا کہ اس کا خسر زبیدہ کا باپ آ پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ میری جگہ علاؤ الدین ہے اور خلعت پہنے ہوئے ہے۔ امیر المومنین سے عرض کی کہ جہاں پناہ، یہ شخص میری جگہ خلعت پہن کر کیوں بیٹھا ہے؟ خلیفہ نے جواب دیا کہ میں نے اسے تاجروں کا امیر بنایا ہے۔ رتبے عطا کیے جاتے ہیں میراث میں نہیں آتے۔ تو معزول کیا گیا۔ اس نے کہا کہ وہ بھی ہم ہی میں سے ہے۔ تو نے اے امیر المومنین خوب کیا۔ خدا ہمارے بہترین لوگوں کو ہمارا حاکم بناتا ہے۔ کتنے کم سن لوگ بڑے عہدوں پر مامور ہیں! اب خلیفہ نے علاؤ الدین کے لیے فرمان لکھ کر والی کو اور والی نے ڈھنڈورا پیٹنے والے کو دیا۔ اس نے دربار میں منادی کی کہ علاؤ الدین ابوالشامات کے سوا اور کوئی تاجروں کا امیر نہیں۔ اس کا حکم مانا جائے گا اور اس کی عزت کی جائے گی۔ ہر

شخص پر اس کا اکرام و احترام واجب اور اعزاز لازمی ہے۔

جب دربار برخاست ہوا تو والی اور ڈھنڈورا پیٹنے والے علاؤ الدین کے آگے آگے روانہ ہوئے۔ ڈھنڈورچی آواز لگاتا۔ میرے آقا علاؤ الدین ابوالشامات کے سوا اور کوئی ملک التجار نہیں۔ اس کے اگلے روز علاؤ الدین نے ایک دوکان کھول کر اپنے غلام کو اس پر بٹھایا جو خرید و فروخت کرے اور خود سوار ہو کر خلیفہ کے دربار میں اپنے عہدے پر جانے لگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• دو سو ساٹھویں رات

جب دو سو ساٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- علاؤ الدین سوار ہو کر خلیفہ کے دربار میں اپنے عہدے پر جانے لگا۔ ایک دن حسب معمول وہ اپنے عہدے پر بیٹھا ہوا تھا کہ کسی نے آکر خلیفہ سے کہا کہ اے امیرالمومنین خدا تیرا سر سلامت رکھے! فلاں تیرے ہم پیالہ و ہم نوالہ کو خدا نے اپنی رحمت کی طرف بلا لیا ہے۔ خدا تیری عمر میں برکت دے؟ خلیفہ کی علاؤ الدین ابوالشامات پر نظر پڑی۔ جو مثل ہے کہ خدا مہربان تو کل مہربان۔ اس نے اسے ایک نہایت عمدہ خلعت عطا کیا اور اسے اپنا ہم پیالہ و ہم نوالہ بنا لیا۔ ایک ہزار دینار مشاہرہ مقرر کیا اور وہ خلیفہ کا ندیم بن گیا۔ پھر ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ ایک سردار تلوار اور ڈھال لیے پہنچا اور امیرالمومنین سے کہنے لگا کہ خدا تیری زندگی قائم رکھے! آج ساٹھ سرداروں کا سپہ سالار فوت ہو گیا ہے۔ علاؤ الدین اپنی جگہ حاضر تھا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ علاؤ الدین ابوالشامات کو اس عہدے کا بھی خلعت عطا کیا جائے اور اسے ساٹھ سرداروں کا سپہ سالار بنا دیا۔

مرحوم سردار کا نہ بیٹا تھا نہ بیٹی نہ بیوی۔ اس لیے اس کا مال و دولت بھی علاؤ الدین کے قبضے میں آیا۔ خلیفہ نے علاؤ الدین سے کہا کہ اسے دفن کر اور جو کچھ مال اور غلام اور کنیریں اور خدمت گار اس نے چھوڑے ہیں ان پر قبضہ کر لے۔ اس کے بعد خلیفہ نے رومال ہلایا اور دربار برخاست ہوا۔ علاؤ الدین باہر آیا خلیفہ کے میمنے کا سردار سپہ سالار احمد دنف تھا اور اس کے چالیس ہمراہی تھے اور میسرے کا سردار حسن شومان اور اس کے چالیس ہمراہی۔ علاؤ الدین نے سردار حسن شومان کے ہمراہیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم سردار احمد دنف سے میری سفارش کر دو کہ وہ خدا کے سامنے مجھے اپنا بیٹا بنا لے۔ احمد نے قبول کر لیا اور اس سے کہا کہ میں اور میرے چالیس

ہمراہی ہر روز تیرے آگے سوار ہو کر دیوار تک جلیا کریں گے۔
 اس طرح علاؤ الدین ایک مدت تک خلیفہ کی خدمت میں رہا۔ ایک روز کا واقعہ سنئے۔
 وہ دیوار سے نکل کر گھر چلا اور جب احمد دلف اور اس کے ساتھی رخصت ہو کر چلے
 گئے تو وہ اپنی بیوی سارنگی والی زبیدہ کے پاس جا کر بیٹھا اور موم بتیاں جلائیں۔ مزے
 میں بیٹھے تھے کہ زبیدہ اٹھ کر ضرورت رفع کرنے گئی۔ یکایک اس نے کسی کو زور
 سے چیختے ہوئے سنا۔ وہ اٹھ کر چلا کہ دیکھے کون چیختا ہے۔ صحن میں آیا تو اس کی
 بیوی زبیدہ عودیہ زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ اسی نے چیخیں ماری تھیں۔ اس کے سینے پر
 ہاتھ رکھا تو اس کا دم نکل چکا تھا۔ علاؤ الدین کے گھر کے سامنے ہی اس کے خسر
 کا مکان تھا۔ اس نے اپنی بیٹی کی آواز سنی تو دوڑ کر علاؤ الدین سے پوچھا، آقا کیا بات
 ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ابا جان خدا تجھے سلامت رکھے! تیری بیٹی زبیدہ عودیہ کا
 دم نکل گیا لیکن ابا جان میت کا احترام یہ ہے کہ اسے دفن کیا جائے۔ جب سویرا
 ہوا تو اسے دفن کیا اور علاؤ الدین اور اس کا خسر دونوں ایک دوسرے کی تعزیت کرنے
 لگے۔

یہ تو زبیدہ عودیہ کا حال ہوا۔ اب علاؤ الدین کا ماجرا سنئے۔ اس نے سوگ کے کپڑے
 پہن لیے اور دیوار جانا چھوڑ دیا۔ ہر وقت روتا اور مغموم بیٹھا رہتا۔ ایک دن خلیفہ نے
 جعفر سے پوچھا کہ اے وزیر، علاؤ الدین دیوار میں کیوں نہیں آتا؟ وزیر نے کہا کہ
 امیرالمومنین وہ اپنی بیوی زبیدہ کے سوگ اور تعزیت میں مشغول ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ
 ہمیں بھی اس کی تعزیت کے لیے جانا چاہیے اور وہ مع وزیر اور خدام سوار ہو کر علاؤ
 الدین کے گھر میں گئے۔ وہ اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ خلیفہ اور اس کے ہمراہی
 پہنچے۔ علاؤ الدین ان کے خیر مقدم کے لیے اٹھ کھڑا ہوا، سلام کیا، زمین چومی۔ خلیفہ
 نے کہا کہ خدا تجھے نیک بدلہ دے! علاؤ الدین نے دعا دی کہ اے امیرالمومنین خدا
 ہمارے لیے تیری عمر دراز کرے! خلیفہ بولا کہ علاؤ الدین تو دیوار میں کیوں نہیں آتا؟
 عرض کیا کہ اے امیرالمومنین اپنی بیوی زبیدہ کے غم کی وجہ سے۔ خلیفہ نے فرمایا،

غم کو اپنے دل سے نکال ڈال۔ خدا نے اسے اپنی رحمت کی آغوش میں لے لیا ہے‘ رنج کرنے سے فائدہ نہیں۔ اس نے کہا کہ اے امیرالمومنین میں اس کی جدائی کے صدمے سے اس وقت نجات پا سکتا ہوں کہ میں مر جاؤں اور لوگ مجھے اس کے پاس دفن کر آئیں۔ خلیفہ کہنے لگا کہ خدا کے پاس ہر فوت ہونے والے کا بدلہ ہے اور موت کے مقابلے میں نہ تدبیر چلتی ہے اور نہ مال کام دیتا ہے۔ تعزیت ختم کرنے کے بعد خلیفہ اس سے یہ کہہ کر کہ دربار آیا کرے‘ اپنے محل کو روانہ ہو گیا۔

اس رات کے بعد جب دن نکلا تو علاؤ الدین سوار ہو کر دربار میں حاضر ہوا اور خلیفہ کے پاس پہنچ کر زمین چومی۔ خلیفہ نے اسے مرحبا کہا اور اس کی سلامتی چاہی۔ اپنی جگہ بیٹھنے کا اشارہ کیا اور فرمایا کہ علاؤ الدین آج رات تو میرا مهمان ہے پھر وہ اسے محل کے اندر لے گیا اور ایک کنیر کو بلوایا جس کا نام قوت القلوب تھا اور اس سے کہا کہ علاؤ الدین کی ایک بیوی تھی جس کا نام زبیدہ تھا جو اس کا غم غلط کیا کرتی تھی۔ خدا نے اسے اپنی رحمت کی آغوش میں لے لیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو اسے عود پر ایک راگ سن۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو اکسٹھویں رات

جب دو سو اکسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- خلیفہ نے اپنی کنیز قوت القلوب سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اسے عود پر ایک راگ سنا جو اپنے طرز میں نرالا ہو اور جس سے اس کا غم غلط ہو جائے۔ کنیز نے ایک نہایت اچھوتا راگ الاپا۔ خلیفہ بولا، علاؤ الدین اس آواز کے متعلق تیری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ زبیدہ کی آواز اس سے اچھی تھی مگر یہ ساز کے بجانے میں زیادہ ماہر ہے۔ اس سے پہاڑ تک وجد کر سکتے ہیں۔ خلیفہ نے پوچھا کہ کیا یہ کنیز تجھے پسند ہے؟ اس نے جواب دیا، ہاں امیر المومنین مجھے پسند ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ میرے سر اور میرے باپ داداؤں کی قسم یہ کنیز اور اس کی ساری لونٹیاں میں نے تجھے بخش دیں۔ علاؤ الدین سمجھا کہ خلیفہ اس سے مذاق کر رہا ہے۔ جب صبح ہوئی تو خلیفہ نے اپنی کنیز قوت القلوب کے پاس جا کر کہا کہ میں نے تجھے علاؤ الدین کو بخش دیا ہے۔ وہ خوش ہو گئی لڑکا اس کی نگاہ میں کھب گیا اور وہ اس سے محبت کرنے لگی تھی۔ یہ کہہ کر خلیفہ محل سے نکلا اور دربار میں آیا اور حمالوں کو حکم دیا کہ قوت القلوب اور اس کی لونٹیوں کو تخت رواں پر بٹھا کر اس کے سارے سامان کے ساتھ علاؤ الدین کے گھر پہنچا آؤ۔ حمال اسے اور اس کی لونٹیوں اور اس کے سامان کو علاؤ الدین کے گھر لے جا کر پہنچا آئے۔ خلیفہ شام تک دربار کرتا رہا اور پھر دربار برخاست کر کے محل میں گیا۔

یہ تو اس کا قصہ ہوا، اب قوت القلوب کا حال سنئے۔ جب وہ اس کی چالیس لونٹیاں علاؤ الدین کے محل میں داخل ہوئیں تو اس نے دو خادموں سے کہا کہ تم میں سے ایک، دروازے کے دہنی طرف کرسی پر بیٹھے اور دوسرا، بائیں طرف اور جب علاؤ الدین آئے تو تم اس کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر کہنا کہ ہماری آقا قوت القلوب تجھے محل

کے اندر بلاتی ہے۔ خلیفہ نے اسے اور اس کی لونڈیوں کو تجھے بخش دیا ہے۔ علاؤ الدین آیا تو اس نے دیکھا کہ خلیفہ کے دو خادم دروازے پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ حیران ہو کر اپنے جی میں کہنے لگا کہ شاید یہ میرا مکان نہیں ہے لیکن خادم اسے دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور اس کے ہاتھ چوم کر کہنے لگے۔ ہم خلیفہ کے نوکر اور قوت القلوب کے غلام ہیں۔ اس نے تجھے سلام بھیجا ہے اور یہ کہا ہے کہ خلیفہ نے مجھ کو اور میری لونڈیوں کو تجھے بخش دیا ہے اور وہ تجھے اپنے پاس بلاتی ہے۔ اس نے کہا کہ میری طرف سے اس کا خیر مقدم کرو اور کہو کہ جب تک تو میرے ہاں رہے گی۔ میں محل کے اندر نہ آؤں گا کیونکہ جو چیز آقا کی ہے اس پر نوکروں کا کوئی حق نہیں اور اس سے پوچھو کہ اسے ہر روز خلیفہ کے پاس سے کیا روزینہ ملتا تھا؟ خادموں نے اس کے پاس یہ پیغام پہنچا دیا۔ کنیز نے کہلا بھیجا کہ روزانہ سو دینار خلیفہ کی طرف سے مجھے ملتے تھے۔ علاؤ الدین نے اپنے دل میں کہا کہ خلیفہ کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ قوت القلوب کو میرے حوالے کر کے یہ خرچ میرے ذمے لگائے! لیکن اب اس سے مفر نہیں۔

اس کے بعد وہ ایک مدت تک علاؤ الدین کے گھر میں رہی اور وہ اسے ہر روز سو دینار دیتا رہا۔ اسی اثنا میں ایسا ہوتا ہے کہ وہ کئی دن تک دربار میں حاضر نہ ہو سکا۔ خلیفہ نے وزیر سے کہا کہ میں نے تو علاؤ الدین کو قوت القلوب دی تھی کہ اس کی بیوی کا غم غلط ہو اور وہ بلائغہ دربار میں حاضر ہوا کرے لیکن اس نے پھر آنا بند کر دیا!

کچھ وجہ سمجھ میں آتی ہے؟ وزیر نے کہا کہ امیرالمومنین یہ مقولہ غلط نہیں کہ جس شخص کے پاس اس کا محبوب ہو، وہ اپنے دوستوں کو بھول جاتا ہے۔ خلیفہ بولا بہر حال اس کے نہ آنے کا کوئی خاص سبب ہے۔ اچھا ہم اس کی ملاقات کو جائیں گے۔ کچھ دن پہلے علاؤ الدین نے خلیفہ کی مہربانیوں کے ذکر میں وزیر سے کہا تھا کہ میں نے امیرالمومنین سے جب اپنی بیوی زبیدہ عودیہ کے غم میں اپنے بے قرار رہنے کی شکایت کی تو اس نے مجھے قوت القلوب بخش دی۔ وزیر نے جواب دیا کہ یہ اس کی محبت کی دلیل ہے اگر اس کو تجھ سے خاص لگاؤ نہ ہوتا تو وہ اسے ہرگز تجھے نہ بخشا۔ مگر

علاؤ الدین یہ تو بتا تو نے اس سے ہم بستی بھی کی ہے؟ اس نے کہا کہ خدا کی قسم نہیں، بلکہ میں نے آنے سامنے بیٹھ کر اسے دیکھا تک نہیں۔ وزیر نے پوچھا کیا سبب؟ وہ بولا کہ اے وزیر جو چیز آقا کے شان کی شایاں ہے وہ نوکروں پر نہیں پھبتی۔

اب ایک روز خلیفہ اور جعفر بھیس بدل کر علاؤ الدین سے ملنے روانہ ہوئے اور چپ چاپ علاؤ الدین کے گھر جا پہنچے۔ علاؤ الدین انہیں پہچان کر اٹھ کھڑا ہوا اور خلیفہ کے ہاتھ چومے۔ خلیفہ نے دیکھا کہ اس کے چہرے سے غم کے آثار نمودار ہیں۔ دریافت کرنے لگا کہ علاؤ الدین اس رنج و الم کی کیا وجہ ہے؟ کیا تو نے قوت القلوب سے ہم بستی نہیں کی؟ عرض کیا امیرالمومنین جو چیز آقا کی ہے وہ نوکروں کے لیے جائز نہیں۔ میں اب تک اس کے ساتھ ہم بستر نہیں ہوا۔ نہ مجھے اس کی صورت سے آشنائی ہے۔ اس سے معاف رکھ۔ خلیفہ نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس سے مل کر اس کا حال دریافت کروں۔ علاؤ الدین نے جواب دیا کہ تو مالک ہے اے میرالمومنین۔ خلیفہ اس کے پاس گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو باسٹھ ویں رات

دو سو باسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- خلیفہ قوت القلوب کے پاس گیا۔ جب اس نے خلیفہ کو دیکھا تو اٹھ کر اس کے آگے زمین بوس ہوئی۔ خلیفہ نے پوچھا کہ علاؤ الدین تیرے ساتھ ہم بستر ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا 'نہیں' امیر المومنین حالانکہ میں نے اسے بلا بھیجا تھا کہ ہم خواب ہو لیکن اس نے نہ مانا۔ اس پر خلیفہ نے حکم دیا کہ اسے شاہی محل میں واپس کر دیا جائے اور علاؤ الدین سے یہ کہہ کر دربار میں آنا جانا ترک نہ کر، اپنے محل کی راہ لی اور علاؤ الدین سو گیا۔

جب صبح ہوئی تو وہ سوار ہو کر دربار گیا اور ساٹھ سرداروں کے سپہ سالار کے عہدے پر بیٹھا۔ خلیفہ نے خزانچی کو حکم دیا کہ وزیر جعفر کو دس ہزار دینار دے۔ جب وہ دے چکا تو خلیفہ نے وزیر سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ تو کنیزوں کے نخاس میں جا کر علاؤ الدین کے لیے دس ہزار دینار کی ایک کنیز خرید۔ وزیر خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں علاؤ الدین کو اپنے ساتھ لے کر کنیزوں کے نخاس میں پہنچا۔ اتفاق کی بات تھی کہ اسی روز بغداد کا والی امیر خالد بھی اپنے بیٹے کے لیے ایک کنیز خریدنے آیا ہوا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ خاتون نام اس کی ایک بیوی تھی۔ اس سے ایک ہی لڑکا تھا مگر بڑا بد صورت۔ لڑکے کا نام جنطلم بظاظہ تھا۔ اس کی عمر بیس برس کی ہو چکی تھی اور ابھی تک اسے گھوڑے پر چڑھنا نہ آیا تھا۔ حالانکہ اس کا باپ بڑا بہادر سورما تھا۔ وہ سوار ہو کر اندھیری راتوں میں پھرا کرتا۔ جنطلم بظاظہ کو ایک رات احتلام ہوا۔ اس نے اس کا ذکر اپنی ماں سے کیا۔ ماں نے خوش ہو کر یہ خبر باپ کو سنائی اور اس سے کہا کہ میں چاہتی ہوں کہ کہیں اس کا نکاح ہو جائے کیونکہ وہ اب نکاح کے قابل ہو گیا ہے۔ باپ کہنے لگا کہ وہ بد صورت، بدبو، بد معاش اور جنگلی ہے

کوئی عورت اسے قبول نہ کرے گی۔ ماں نے کہا تو پھر ہم اس کے لیے کنیز خریدیں گے۔ چنانچہ ادھر وزیر اور علاؤ الدین بازار میں آئے اور ادھر امیر خالد والئی بغداد اور اس کا بیٹا جنطلم بظاہر۔ نخاس میں ان کی نظر ایک حسین و جمیل کنیز پر پڑی جو ایک دلال کے پاس تھی۔ وزیر نے کہا کہ میں ایک ہزار دینار دیتا ہوں۔ تو مالک سے مشورہ کر۔ دلال اسے لے کر والی کے قریب سے گزرا اور جونہی جنطلم بظاہر کی نظر اس پر پڑی تو ہزاروں ارمان اس کے دل میں آنے لگے اور کنیز کی محبت اس کے دل میں سما گئی۔ اس نے کہا کہ باپ میرے لیے اس کنیز کو خرید لے۔ والی نے دلال کو بلایا اور کنیز سے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرا نام یاسمین ہے۔ باپ نے کہا کہ بیٹا اگر یہ کنیز تجھے پسند ہے تو بڑھ کر بولی بول۔ اس پر لڑکے نے دلال سے پوچھا کہ کتنے دام لگ چکے ہیں؟ دلال بولا ایک ہزار۔ لڑکے نے ایک ہزار ایک لگا دیئے۔ اب دلال علاؤ الدین کے پاس آیا۔ اس نے دو ہزار بولے۔ بولی پہ بولی پڑنے لگی۔ والی کا بیٹا اگر ایک دینار بڑھاتا تو علاؤ الدین ایک ہزار۔ والی کے بیٹے کو غصہ آ گیا اس نے دلال سے کہا کہ میری بولی پر کون زیادہ بولی بولتا ہے؟ دلال کہنے لگا کہ وزیر جعفر اس کنیز کو علاؤ الدین ابوالشامات کے لیے خریدنا چاہتا ہے۔ القصہ علاؤ الدین نے دس ہزار دینار کی بولی دی اور کنیز کے مالک نے منظور کر کے دام لے لیے اور علاؤ الدین نے کنیز کو لے کر کہا کہ میں تجھے فی سبیل اللہ آزاد کرتا ہوں۔ بعد ازاں وہ لونڈی کی آزادی کا پروانہ لکھ کر گھر روانہ ہو گیا اور دلال اپنی دلالی لے کر چلتا ہوا۔ والی کے بیٹے نے اسے بلا کر پوچھا کہ کنیز کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اسے علاؤ الدین نے دس ہزار دینار میں خرید لیا ہے اور اسے آزاد کر کے پروانہ لکھ دیا ہے۔

لڑکے کو بہت صدمہ ہوا۔ اس کی تمنائیں خاک میں مل گئیں اور وہ گھر جا کر اس کی محبت میں بیماروں کی طرح پڑ گیا۔ کھانا پینا چھوڑ دیا اور دل میں عشق کی آگ بھڑکنے لگی۔ جب اس کی ماں نے دیکھا کہ وہ بیمار ہے تو اس سے کہنے لگی کہ بیٹا

خدا تجھے سلامت رکھے! تو کیوں ایسا پریشان ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اماں جان میرے لیے یاسمین خرید دے۔ ماں بولی کہ پھول والے کو ادھر سے گزرنے دے میں تیرے لیے ایک پورا ٹوکرا یاسمین کا خرید دوں گی۔ لڑکے نے کہا کہ یاسمین کے پھول نہیں جو سونگھے جاتے ہیں بلکہ وہ ایک کنیز ہے جس کا نام یاسمین ہے اور جسے والد نے میرے لیے نہیں خریدا۔ اس پر اس نے اپنے شوہر سے پوچھا کہ تو نے وہ کنیز اس کے لیے کیوں نہیں خریدی؟ اس نے جواب دیا کہ جو چیز آقا کے قابل ہو وہ نوکروں کے لائق نہیں ہو سکتی۔ میرے لیے اس کا لینا ممکن نہ تھا کیونکہ جس شخص نے اسے خریدا ہے وہ علاؤ الدین ساٹھ سرداروں کا سپہ سالار ہے۔ یہ سن کر لڑکے کی بیماری اور زیادہ ہو گئی یہاں تک کہ اس نے کھانا پینا اور سونا بالکل ترک کر دیا اور ماں نہایت غم زدہ رہنے لگی۔

ایک دن وہ اسی غم میں بیٹھی ہوئی تھی کہ پہلے ایک بڑھیا اس کے پاس پہنچی جو مشہور چور احمد قماقم کی ماں تھی۔ یہ چور ایسا شاطر تھا کہ آسمان میں نقب لگاتا۔ اونچی سے اونچی دیواریں پھاند جاتا اور آنکھ سے سرمہ چرا لیتا۔ یہ بری عادتیں اس میں شروع ہی سے تھیں۔ کسی طرح اسے پرے والوں کا چودھری بنا دیا گیا تھا لیکن اس نے وہاں بھی خیانت کی۔ والی نے اسے دیکھ لیا اور وہ اسے پکڑ کر خلیفہ کے پاس لے گیا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اسے سولی گھر میں قتل کر دیا جائے۔ اس نے وزیر سے سفارش چاہی۔ خلیفہ، وزیر کی سفارش رد نہ کرتا تھا۔ جب اس نے اس چور کی سفارش کی تو خلیفہ نے پوچھا کہ تو، اس حرام زادے کی سفارش کیوں کرتا ہے جس سے لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے؟ اس نے کہا کہ امیرالمومنین اسے قید کر دے کیونکہ جس شخص نے قید خانہ ایجاد کیا ہے وہ دانش مند آدمی تھا۔ قید خانہ زندوں کی قبر ہے اور دشمنوں کے لیے خوشی کا باعث۔

اس پر خلیفہ نے حکم دیا کہ اسے قید خانہ میں رکھا جائے اور اس کے قید نامے پر لکھ

دیا کہ وہ اس وقت تک قید خانے میں رہے جب تک کہ مردہ ہو کے تختے پر اس کی بیڑیاں کٹی جائیں۔ لہذا وہ برابر قید رہا۔ اس کی ماں بغداد کے والی امیر خالد کے ہاں آیا جلیا کرتی تھی اور جب کبھی وہ اپنے بیٹے کے پاس قید خانے میں جاتی تو اس سے کہتی کہ میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ چوری سے توبہ کر۔ وہ جواب دیتا کہ خدا نے یہ میری قسمت میں لکھ دیا ہے لیکن اماں جب تو والی کی بیوی کے پاس جائے تو اس سے کہیو کہ وہ میری سفارش والی سے کر دے۔ اب کے بڑھیا جو والی کے بیوی کے پاس آئی تو اس نے دیکھا کہ وہ غمگین بیٹھی ہے۔ کہنے لگی کہ تو غمگین کیوں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اپنے بیٹے جنظلم بظاظہ کی مصیبت پر۔ بڑھیا نے کہا کہ تیرا بیٹا سلامت رہے! اسے کیا ہوا ہے؟ اس نے بڑھیا کو ساری داستان سنا دی۔ بڑھیا بولی اگر میں تیری یہ خدمت کر دوں کہ تیرا بیٹا بچ جائے تو؟ اس نے کہا کہ تو کیا کر سکتی ہے؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ میرا بیٹا ہے جس کا نام احمد قاتم ہے جو بڑا دھاڑی ہے اور آج کل وہ قید خانے میں ہے اس کے متعلق یہ حکم ہے کہ مرتے دم تک قید میں رہے۔ میری یہ رائے ہے کہ اٹھ اور بہترین اور نفیس زیور پہن۔ ہنس مکھ چہرہ بنا کر اپنے شوہر کے پاس جا اور جب وہ تجھ سے وہ چیز مانگے جو مرد عورتوں سے مانگا کرتے ہیں تو انکار کر دیجیو۔ اس کے کہنے میں نہ آئیو اس سے کہیو کہ یہ بھی عجیب و غریب بات ہے کہ اگر مرد کو اپنی بیوی سے حاجت ہو تو وہ اس قدر خوشامد کرتا ہے کہ اپنی حاجت روائی کر کے اٹھتا ہے لیکن اگر بیوی اپنے شوہر سے کوئی درخواست کرے تو وہ اسے پورا نہیں کرتا۔ اس پر وہ تجھ سے کہے گا کہ اپنی ضرورت بیان کر۔ اس وقت کہیو کہ پہلے قسم کھا۔ جب وہ اپنے سر یا اللہ کی قسم کھائے تو کہیو کہ جب تک وہ طلاق کی قسم نہ کھائے۔ جب وہ طلاق کی قسم کھائے تو کھالے تو کہیو کہ تیرے قید خانے میں ایک چودھری قید ہے جس کا نام احمد قاتم ہے۔ اس کی ایک بے چاری ماں ہے وہ میرے پیچھے پڑی ہوئی ہے کہ میں تجھ سے درخواست کروں کہ تو اس کے بیٹے کی سفارش خلیفہ سے کرے اور وہ اسے معاف کر دے، تجھے اس

کا ثواب ہو گا۔ وہ اچھا کہہ کر چپ ہو گئی۔ جب والی اپنی بیوی کے پاس آیا -----
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

URDU4U.COM

○○○

• دو سو تریسٹھ ویں رات

دو سو تریسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب والی اپنی بیوی کے پاس آیا تو اس نے وہی باتیں کیں اور والی نے طلاق کی قسم کھالی اور رات بھر اپنی بیوی سے ہم بستری کی۔ صبح اٹھ کر اس نے غسل کیا اور نماز پڑھی اور قید خانے گیا۔ قید خانے میں جا کر احمد قیام سے کہنے لگا کہ اے چور کیا تو اپنے جرموں سے توبہ کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں خدا کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔ اپنے افعال سے باز آتا اور دل سے استغفر اللہ کہتا ہوں۔ یہ سن کر والی نے اسے قید خانے سے نکالا اور اسے پا بہ زنجیر لے کر دربار لے گیا۔ خلیفہ کے آگے زمین کو بوسہ دے کر کھڑا ہو گیا۔ خلیفہ نے کہا کہ اچھا اے امیر خالد کیا چاہتا ہے؟ اس نے خلیفہ کے سامنے احمد قیام کو پیش کیا۔ جس کی بیڑیاں جھنک رہی تھیں۔ خلیفہ نے کہا کہ اے قیام تو ابھی تک زندہ ہے؟ وہ بولا امیر المومنین بدبختوں کی زندگی بہت لمبی ہوتی ہے۔ خلیفہ نے امیر خالد سے پوچھا کہ تو اسے یہاں کیوں لایا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اس کی غریب بڑھیا ماں ہے جو اکیلی ہے جس کا اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ وہ تیرے اس غلام کے پیچھے پڑی ہوئی ہے کہ میں تجھ سے سفارش کروں اور تو اسے رہا کر دے۔ یہ اپنے جرم سے توبہ کرتا ہے؟ تو اسے معاف کر اور پہلے کی طرح چوکیداروں کا چودھری بنا دے۔ خلیفہ نے احمد قیام سے کہا کہ تو اپنے جرم سے توبہ کرتا ہے؟ اس نے عرض کیا امیر المومنین میں خدا کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔ اب خلیفہ نے لوہار کو بلوا کر مردہ شو کے تختے پر اس کی بیڑیاں کٹوا دیں اور اسے دوبارہ چوکیداروں کا چودھری بنا دیا اور اسے نصیحت کی کہ صبح راستے پر چلیو اور ثابت قدم رہو۔ احمد نے خلیفہ کے ہاتھ چومے اور پھر چودھریوں کا خلعت پہن کر وہاں سے نکلا۔ اس کے چوہری ہونے کا ڈھنڈورا پیٹا گیا اور وہ ایک مدت تک اپنے منصب پر رہا۔

ایک روز اس کی ماں والی کی بیوی کے پاس گئی۔ اس نے کہا شکر ہے خدا کا جس نے تیرے بیٹے کو قید سے چھڑایا اور وہ اب تک صحیح و سالم ہے۔ اس سے تو کیوں نہیں کہتی کہ وہ کنیز یاسمین کو میرے بیٹے جنطلم کے پاس لے آئے۔ اس نے جواب دیا کہ ابھی جا کر کہتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ وہاں سے چل دی اور اپنے بیٹے کے پاس پہنچی اور دیکھا کہ وہ نشے میں چور ہے۔ اس سے کہا کہ بیٹا تیری رہائی کا سبب محض والی کی بیوی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ تو کسی نہ کسی ترکیب سے علاؤالدین ابوالشامات کو قتل کر کے کنیز یاسمین کو اس کے بیٹے جنطلم بظاظہ کے پاس لے آئے۔ وہ بولا کہ یہ تو بائیں ہاتھ کا کام ہے۔ میں آج ہی رات کوئی نہ کوئی تدبیر نکالتا ہوں۔ یہ رات نئے مہینے کی پہلی رات تھی۔ امیر المومنین کا دستور تھا کہ اس رات وہ شہزادی زبیدہ کے ہاں سوتا، کسی کنیز یا غلام کو آزاد کرتا یا اسی قسم کا کوئی نیک کام کرتا اور اس کی یہ بھی عادت تھی کہ وہ اس رات شاہی لباس اتار ڈالتا، تسبیح، پیش قبض اور شاہی مہر کو نشست گاہ میں کسی کرسی کے اوپر رکھ دیتا۔ خلیفہ کے پاس ایک سونے کی قندیل تھی جس میں ایک سونے کی لڑی میں تین ہیرے پروئے ہوئے تھے اور وہ اسے بہت عزیز رکھتا تھا۔ چنانچہ خلیفہ نے اپنا لباس اور قندیل اور باقی چیزیں خادموں کے سپرد کیں اور زبیدہ کی حرم سرا میں داخل ہوا۔ احمد قاتم چور نے آدھی رات تک انتظار کیا اور جب سہیل تارا نکلا اور لوگ سو گئے اور خدا نے ان پر غفلت کا پردہ ڈال دیا تو اس نے دہنے ہاتھ میں تلوار لی بائیں ہاتھ میں کانٹا۔ خلیفہ کی نشست گاہ کے قریب پہنچ کر سیڑھی لگائی اور خلیفہ کی نشست گاہ پر کانٹا پھینک کر اس میں لٹک گیا اور سیڑھی پر چڑھ کر چھت پر جا پہنچا پھر وہاں سے تابدان کھول کر نیچے اتر گیا۔ دیکھا کہ نوکر چاکر سو رہے ہیں۔ انہیں نشہ سونگھا کر خلیفہ کا لباس، تسبیح، رومال، انگوٹھی اور قندیل جس میں ہیرے جڑے ہوئے تھے اٹھالی اور جس راستے سے آیا تھا اسی سے نکل کر علاؤالدین ابوالشامات کے گھر کا راستہ لیا۔ اس رات علاؤالدین کنیز کے ساتھ ہم آغوش

تھا اور وہ اس سے حاملہ ہو گئی تھی۔ احمد قناتم چور علاؤالدین کے مکان میں داخل ہوا اور فرش سے ایک سل مرمر کی نکال کر اس کے نیچے گڑھا کھودا اور بعض چیزیں اس میں ڈال دیں اور بعض اپنے پاس رہنے دیں۔ پھر سل کو اپنی جگہ بٹھا کر جس راستے سے آیا تھا اسی راستے سے نکل گیا اور اپنے دل میں کہتا ہوا کہ جب میں شراب پیوں گا تو اس قنیل کو اپنے سامنے رکھ کر اس کی روشنی میں پیا کروں گا، اپنے گھر چلا گیا۔

صبح کو جو خلیفہ بیدار ہو کر خلوت سے باہر نکلا تو دیکھا کہ سارے نوکر بھنگ کے نشے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس نے انہیں جگایا اور کرسی پر ہاتھ ڈالا تو نہ لباس پایا نہ تسبیح، نہ خنجر، نہ رومال اور نہ قنیل۔ برہمی کی انتہا نہ رہی۔ سرخ لباس جو غصے کی پوشاک تھی پہن لیا اور جا کر دیوار میں بیٹھ گیا۔ وزیر نے آگے بڑھ کر اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور کہنے لگا کہ خدا امیرالمومنین سے ہر برائی کو دور رکھے! خلیفہ نے کہا کہ اے جعفر برائی بڑھتی جاتی ہے۔ وزیر نے عرض کیا، آخر کیا ہوا؟ خلیفہ نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اتنے میں والی آ پہنچا۔ اس کی رکاب احمد قناتم چور تھامے ہوئے تھا۔ اس نے دیکھا کہ خلیفہ چیں بہ جبین بیٹھا ہوا ہے۔ جوہنی خلیفہ کی نظر والی پر پڑی پوچھا اے امیر خالد بغداد کا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بخیریت ہے اور محفوظ ہے۔ خلیفہ بولا تو جھوٹ کہتا ہے۔ والی نے کہا امیرالمومنین یہ کیونکر؟ خلیفہ نے اس سے بھی کل قصہ بیان کیا اور کہا کہ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ ان تمام چیزوں کو لا کر حاضر کر۔ والی بولا امیرالمومنین سرکے کا کیرا اسی میں سے پیدا ہوتا ہے اور اسی میں رہتا ہے۔ کسی غیر کی مجال نہیں کہ یہاں آ سکے۔ خلیفہ نے کہا کہ اگر تو، یہ چیزیں نہ لایا تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔ اس نے جواب دیا کہ قبل اس کے کہ تو مجھے قتل کرے میں احمد قناتم سراق کو مار ڈالوں گا کیونکہ سوائے چوکی داروں کے چودھری کے اور کسی کو چوروں اور خائوں کا پتا نہیں ہوتا۔

یہ سن کر احمد قناتم اٹھا اور خلیفہ سے کہنے لگا کہ والی کے حق میں میری سفارش قبول

کر۔ میں ذمہ لیتا ہوں کہ چور کا کھوج لگا دوں گا اور جب تک اس کا پتا نہ لگا لوں اس کا پیچھا نہ چھوڑوں گا۔ لیکن دو قاضیوں اور دو گواہوں کو میرے ساتھ کر دے اس لیے کہ جس نے یہ حرکت کی ہے وہ نہ تجھ سے ڈرتا ہے، نہ والی سے اور نہ کسی اور سے۔ خلیفہ نے کہا کہ جو کچھ مانگتا ہے تجھے ملے گا لیکن محل میں تلاشی لی جائے پھر وزیر کے گھر میں، پھر ساتھ سرداروں کے سپہ سالار کے ہاں۔ احمد ققام نے عرض کیا، امیر المومنین تیرا کہنا بجا ہے جس نے یہ چوری کی ہے وہ یا تو امیر المومنین کے محل کا پروردہ ہے یا اس کے کسی خاص شخص کے محل کا۔ خلیفہ نے کہا کہ میں اپنے سر کی قسم کھاتا ہوں جس پر یہ چوری ثابت ہو گی، ضرور اس کی گردن اڑا دوں گا خواہ وہ میرا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ احمد ققام نے اپنے منشا کے موافق سب کچھ حاصل کر لیا اور ایک فرمان لکھوا دیا جس کی بنا پر وہ مکانوں میں گھس کر ان کی تلاشی لے سکے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو چونٹھ ویں رات

جب دو سو چونٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- احمد
 قیام نے اپنا منشا کے موافق سب کچھ حاصل کر لیا اور ایک فرمان لکھوایا جس کی بنا
 پر وہ مکانوں میں گھس کر ان کی تلاشی لے سکے اور اپنے ہاتھ میں تین پیتل، تین تانبے،
 تین لوہے اور تین فولاد کے ڈنڈے لے کر نکلا۔ پہلے خلیفہ کے محل کی تلاشی لی۔ پھر
 وزیر جعفر کے محل کی اس کے بعد حاجیوں اور تئبوں کے مکانوں کا چکر لگاتا ہوا علاؤالدین
 ابوالشامات کے گھر پہنچا۔ علاؤالدین نے اپنے گھر کے آگے شور و غل سنا تو اپنی بیوی
 یاسمین کے پاس سے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ دیکھا کہ والی ایک بڑی بھیڑ کے ساتھ کھڑا
 ہوا ہے۔ پوچھا کیا معاملہ ہے؟ امیر خالد نے ساری داستان سنا دی۔ علاؤالدین نے کہا
 کہ اندر آ کر تلاشی لے لو۔ والی نے کہا کہ اے میرے آقا، معاف کر تو امین ہے
 اور امین کا خائن ہونا ناممکن ہے۔ وہ بولا تجھے میرے گھر کی تلاشی لینی ہو گی۔ اب
 والی، قاضی اور گواہ اندر گئے اور احمد قیام آگے بڑھ کر کمرے میں پہنچا اور اس مرمر
 کی سل کے پاس پہنچا جس کے نیچے اس نے چوری کا مال دفن کیا تھا اور اس زور سے
 اس پر ڈنڈا مارا کہ وہ ٹوٹ گئی اور اس کے نیچے سے کوئی چیز چمکنے لگی۔ چودھری نے
 کہا کہ بسم اللہ، ماشاء اللہ! ہمارے قدموں کی برکت سے ہمیں ایک خزانہ مل گیا۔ پھر
 اس نے نیچے اتر کر ان چیزوں کو ٹولا۔ قاضی اور گواہوں کی نظر اس پر پڑی تو انہوں
 نے دیکھا کہ سب چیزیں جو چوری ہوئی تھیں، وہاں موجود ہیں۔ انہوں نے ایک کاغذ
 پر یہ مضمون لکھ کر انہیں یہ چیزیں علاؤالدین کے گھر سے ملی ہیں، اپنی اپنی مر لگا دی
 اور حکم دیا کہ علاؤالدین کو گرفتار کر لیا جائے۔ سر پر سے اس کی پگڑی اتار لی۔
 اس کے مال اور اجناس کی ایک فرست بنا ڈالی۔ احمد قیام السراق نے کنیر یاسمین کو

جو حاملہ تھی پکڑ کر اپنی ماں کے حوالے کیا اور کہا کہ اسے والی کی بیوی خاتون کے سپرد کر آ۔ وہ اسے لے کر والی کی بیوی کے پاس گئی اور اسے سوپ دیا۔

جب جنطلم بظاظہ نے یاسمین کو دیکھا تو اس کی جان میں جان آ گئی اور وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور خوش خوش اس کی طرف بڑھا۔ مگر کنیز نے اپنی بیٹی میں سے خنجر نکال کر کہا کہ میرے قریب نہ آ ورنہ میں تیری جان بھی لے لوں گی اور اپنی جان بھی دے دوں گی۔ اس کی ماں ڈر گئی اور بولی اے لڑکی! میرے بیٹے کو اپنی مراد پوری کر لینے دے۔ اس نے جواب دیا کہ اے کتیا! یہ کسی مذہب میں جائز ہے کہ ایک عورت دو مردوں کی بیوی بن کر رہے اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ کتے شیروں کی جگہ لیں۔ یہ سن کر لڑکے کی تمنائیں اور زیادہ ہو گئیں اور عشق کی آگ اس کے کلیجے میں بھڑک اٹھی۔ کھانا پینا ترک کر دیا اور بستر پر لیٹ گیا۔ والی کی بیوی نے لڑکی سے کہا کہ لڑکی تو کیوں میرے بیٹے کو جلاتی ہے اور میرا دل دکھاتی ہے کہ میں تجھے سزا دوں۔ رہا علاؤالدین تو اس کے بھلاوے میں نہ رہیو، وہ تو پھانسی بغیر چڑھے رہتا نہیں۔ لڑکی نے کہا اور میں اس کی محبت میں بے مرے نہیں رہوں گی۔ آخر والی کی بیوی جھلا اٹھی۔ اس نے یاسمین کے ریشمی کپڑے اور زیور اتار کر پھینک دیئے اور اسے ٹاٹ کی ازار اور بالوں کی قمیص پہنا کر باورچی خانے میں بھیج دیا کہ وہاں کام کیا کرے اور اس سے کہا کہ تیری سزا یہی ہے کہ تو لکڑیاں چیرے، پیاز چھیلے اور دیگچوں کے نیچے آگ جلائے۔ اس نے جواب دیا کہ ساری تکلیفیں مجھے منظور ہیں مگر تیرے بیٹے کا منہ نہیں دیکھنا چاہتی۔ خدا کا کرنا کہ کنیزوں کو اس پر ترس آنے لگا اور انہوں نے اس سے سارا باورچی خانے کا کام لے لیا۔

یہ تو یاسمین کا قصہ ہوا، اب علاؤالدین ابوالشامات کی سرگزشت سنئے۔ خلیفہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا کہ لوگ علاؤالدین اور ان اشیاء کو لے کر دربار میں پہنچے۔ خلیفہ نے پوچھا کہ تمہیں یہ چیزیں کہاں سے ملیں؟ انہوں نے عرض کی کہ علاؤالدین ابوالشامات کے گھر کے اندر۔ یہ سن کر خلیفہ طیش میں آ گیا۔ پھر اس نے اپنی چیزیں دیکھیں تو ان میں

قتیل نہ تھی۔ علاؤالدین سے مخاطب ہو کر کہا کہ قتیل کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہ میں نے چوری کی نہ مجھے معلوم اور نہ میں نے دیکھا ہے اور نہ میں جانتا ہوں۔ خلیفہ بولا اے خائن میں تجھے اپنے قریب کرتا جاتا ہوں اور تو مجھے دور ہٹاتا جاتا ہے۔ میں تجھ پر بھروسہ کرتا ہوں اور تو خیانت پر کمر باندھے ہوئے ہے۔ آخر غضب ناک ہو کر اس نے پھانسی کا حکم دے دیا۔ والی وہاں سے نکلا اور ڈھنڈورا پیٹنے والے نے ڈھنڈورا پیٹا کہ یہ کم از کم سزا اس شخص کی ہے جو دیانت پسند خلفاء کے ساتھ خیانت کرتا ہے۔ یہ سن کر تمام لوگ پھانسی گھر کے پاس آ کر جمع ہو گئے۔

علاؤالدین پر یہ گزری، اب اللہ کی کارسازی سنو۔ احمد دنف جو علاؤالدین کا سردار تھا۔ اپنے دوستوں کے ساتھ ایک باغ میں تفریح کر رہا تھا کہ دربار کے سقوں میں سے ایک سقہ وہاں پہنچا اور احمد دنف کا ہاتھ چوم کر کہنے لگا کہ اے سردار احمد دنف تو یہاں آرام سے بیٹھا ہے اور تیرے پاؤں کے نیچے پانی بہہ رہا ہے لیکن تجھے کچھ خبر بھی ہے؟ احمد دنف نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ سقہ بولا کہ علاؤالدین جسے تو نے خدا کا واسطہ دے کر اپنا بیٹا بنایا تھا اسے لوگ پھانسی گھر لے جا رہے ہیں۔ احمد دنف نے کہا کہ اے حسن، اے شومان تو کوئی تدبیر کر سکتا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ علاؤالدین بے جرم ہے یہ کسی دشمن کی کارستانی ہے۔ احمد دنف نے کہا کہ اب تیری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اگر خدا نے چاہا تو اس کی رہائی کا میں ذمہ دار ہوں۔ یہ کہہ کر حسن شومان قید خانے گیا اور داروغہ سے کہا کہ ایک ایسے شخص کو میرے حوالے کر دے جو قتل کا سزاوار ہو چکا ہو۔ اس نے ایک قیدی نکال کر دیا جو علاؤالدین ابوالشامات سے بے حد مشابہ تھا۔ احمد دنف نے اس کا منہ ڈھانک کر اپنے اور علی زبیق مصری کے درمیان لے لیا۔ لوگ علاؤالدین کو پھانسی کے لیے لے جا چکے تھے۔ احمد دنف نے آگے بڑھ کر اپنا پاؤں جلاد کے پاؤں کے اوپر رکھ دیا۔ جلاد بولا کہ میرے لیے اتنی جگہ تو چھوڑ دے کہ میں اپنا فرض پورا کر سکوں۔ اس نے کہا کہ اے ملعون اس شخص کو لے کر بجائے علاؤالدین ابوالشامات کے، پھانسی دے دے کیونکہ وہ مظلوم ہے۔

میں حضرت اسمعیل کے بدلے مینڈھا پیش کرتا ہوں۔ جلاد نے اس شخص کو لے کر پھانسی دے دی اور احمد دنف اور علی زبیق مصری علاؤالدین کو لے کر گھر آئے۔ جب وہ اندر داخل ہوئے تو علاؤالدین نے کہا کہ اے میرے سردار خدا تجھے نیک بدلہ دے! اس نے پوچھا کہ علاؤالدین یہ تو نے کیا کیا؟ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• دو سو پینسٹھ ویں رات

جب دو سو پینسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- احمد
دنف نے علاؤالدین سے کہا کہ یہ تو نے کیا کیا؟ رحم کرے اللہ اس پر جس کا یہ
مقولہ ہے کہ جو تجھ کو امین بنائے اس کے ساتھ خیانت نہ کر خواہ خائن ہی کیوں نہ
ہو۔ خلیفہ نے تجھے اپنے پاس رکھا، تجھے معتمد اور امین کا لقب دیا پھر تو نے اس کے
ساتھ یہ سلوک کیوں کیا اور اس کی چیزیں کیوں لے گیا؟ علاؤالدین نے کہا کہ اے
میرے سردار قسم ہے اسم اعظم کی یہ چوری میں نے نہیں کی اور نہ اس میں میرا
کوئی جرم ہے۔ نہ مجھے معلوم ہے کہ یہ حرکت کس کی ہے۔ احمد دنف نے کہا کہ
یہ کسی سخت دشمن کی کاروائی ہے۔ جیسا کوئی کرے گا ویسا پھل پائے گا لیکن علاؤالدین
اب بغداد میں تیرا رہنا ممکن نہیں۔ بیٹا، بادشاہ جس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اس کا پیچھا
نہیں چھوڑتے اور بادشاہ جس کی تلاش میں ہوتے ہیں اس کا دم ناک میں آ جاتا ہے۔
علاؤالدین نے کہا کہ اے میرے سردار تو پھر میں کہاں جاؤں؟ اس نے جواب دیا
کہ میں تجھے اسکندریہ پہنچا دوں گا۔ وہ مبارک جگہ ہے، اس کی زمین سرسبز ہے اور وہاں
کی زندگی خوشگوار۔ علاؤالدین نے کہا جیسی تیری رائے اے میرے سردار۔ بعد ازاں احمد
دنف نے حسن شومان سے کہا کہ مطمئن رہ اگر خلیفہ میرے متعلق پوچھے تو کہیو کہ
وہ صوبوں کا معائنہ کرنے گیا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے علاؤالدین کو اپنے ساتھ لیا
اور بغداد سے نکل کھڑا ہوا۔ چلتے چلتے وہ اس جگہ پہنچے جہاں تاجکستان اور باغ تھے۔ ان
کی نظر دو یہودیوں پر پڑی جو خلیفہ کے صوبے دار تھے اور خجروں پر سوار چلے جا رہے
تھے۔ احمد دنف نے ان یہودیوں سے کہا کہ ہماری مٹھی گرم کرو۔ یہودی بولے کہ
کس وجہ سے ہم تمہاری مٹھی گرم کریں؟

اس نے جواب دیا کہ میں اس وادی کا پاسبان ہوں۔ ان دونوں نے سو سو دینار نکال

کر اسے دے دیئے اور احمد دنف نے ان کو قتل کر کے ان کے خچر لے لیے۔ ایک پر خود سوار ہوا اور دوسرے پر علاؤالدین کو سوار کیا اور ایاس پہنچے۔ وہاں ایک سرائے میں اترے۔ رات گزار کر جب سویرا ہوا تو علاؤالدین نے اپنا خچر بیچ ڈالا اور احمد دنف کے خچر کو دبان کے سپرد کیا اور ایاس کی بندرگاہ سے جہاز میں بیٹھ کر اسکندریہ پہنچ گئے۔

اسکندریہ پہنچ کر احمد دنف علاؤالدین کو ساتھ لے کر بازار گیا۔ دیکھا کہ ایک دلال دوکان نیلام کر رہا ہے۔ جس کے پیچھے ایک کوٹھڑی ہے اور نو سو پچاس تک لگ گئے ہیں۔ علاؤالدین نے ایک ہزار لگا دیئے اور بیچنے والے نے منظور کر لیا۔ یہ دوکان بیت المال کی تھی۔ علاؤالدین نے کنجیاں لے کر دوکان اور پیچھے کی کوٹھڑی کھولی اور دیکھا کہ وہاں فرش بچھے ہوئے اور تنکے لگے ہوئے ہیں۔ ایک انبار خانہ ہے جس میں بادبان، لنگر، رسے، صندوق، سیپوں اور کوڑیوں سے بھرے ہوئے تھیلے، رکابیں، تیر، بلے، بلیاں، چھریاں اور قینچیاں وغیرہ بیسیوں قسم کی چیزیں موجود ہیں۔ وہ دراصل ایک کباڑیے کی دوکان تھی۔ علاؤالدین ابوالشامات دوکان پر بیٹھ گیا۔ اور احمد دنف نے کہا کہ بیٹا دوکان اور کوٹھڑی اور تمام سامان تیری ملکیت ہے تو یہاں بیٹھ کر خرید و فروخت کر اور دل تنگ نہ ہو۔ خدا نے تجارت میں برکت دی ہے۔ اس کے علاوہ وہ تین دن اور ٹھہرا، چوتھے دن اس نے علاؤالدین سے رخصت لی اور بولا تو یہیں ٹھہر جب تک کہ میں جا کر یہ خبر نہ لے آؤں کہ خلیفہ نے تجھے معاف کر دیا ہے اور تجھ سے یہ چال کس نے چلی ہے؟ یہ کہہ کر وہ روانہ ہو گیا۔ اور ایاس آیا اور سرائے سے اپنا خچر لے کر بغداد پہنچا۔ حسن اور اپنے دوسرے ساتھیوں سے ملا اور حسن سے پوچھا کہ خلیفہ نے میرے بارے میں دریافت کیا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ اس کے دل میں تیرا خیال بھی نہیں گزرا۔ احمد دنف خاموش ہو گیا۔ خلیفہ کی خدمات میں آتا جاتا رہا اور علاؤالدین کے معاملے کا پتہ لگانے کی کوشش کرتا رہا۔

ایک دن خلیفہ نے وزیر کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ جعفر دیکھ تو سہی علاؤالدین نے

میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ اس نے کہا کہ امیرالمومنین تو نے اس کے بدلے میں اسے پھانسی دے دی اور اسے اپنی سزا مل گئی۔ خلیفہ کہنے لگا میں اسے پھانسی کے بعد دیکھنا چاہتا ہوں۔ وزیر نے کہا کہ امیرالمومنین جو تیرا جی چاہے کر۔ وزیر کو ساتھ لے کر پھانسی گھر گیا۔ خلیفہ نے دیکھا کہ جس کو پھانسی دی گئی ہے وہ علاؤالدین اشامات کے سوا کوئی اور ہے۔ وزیر سے بولا کہ یہ تو علاؤالدین نہیں ہے۔ وزیر نے کہا کہ تو نے کس طرح پہچانا کہ وہ دوسرا شخص ہے؟ خلیفہ نے جواب دیا کہ علاؤالدین پستہ قد تھا اور یہ لمبا ہے۔ وزیر نے کہا کہ جسے پھانسی دی جاتی ہے وہ لمبا ہو جاتا ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ علاؤالدین گورا تھا اور یہ کالا ہے۔ وزیر نے جواب دیا کہ امیرالمومنین تجھے معلوم نہیں کہ موت کالا کر دیتی ہے۔ اب اس نے حکم دیا کہ اسے پھانسی گھر سے باہر لے جایا جائے۔ جب لوگ اسے باہر لے جانے لگے تو خلیفہ نے دیکھا کہ اس کے دونوں ٹخنوں پر پہلے دو خلفائے راشدین کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ وہ وزیر سے کہنے لگا کہ علاؤالدین سنی تھا اور یہ رافضی ہے۔ وزیر نے کہا کہ پاک ہے خدا جو غیب کی باتیں جانتا ہے۔ ہم تو یہ بھی نہیں جانتے کہ علاؤالدین ہے: نہیں۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ وہ دفن کر دیا جائے چنانچہ لاش دفن کر دی گئی اور لوگ علاؤالدین کو بھول گئے۔

اس قصے کو یہاں چھوڑ کر اب جن نظم بظاہر کا حال سنو۔ وہ بہت دنوں تک عشق کے مرض میں مبتلا رہا آخر وہ مر گیا اور اس کی قبر بن گئی۔ ادھر کنیز یاسمین کے حمل کے دن پورے ہو گئے۔ اسے نہ کا درد ہونے لگا اور لڑکا پیدا ہوا جو چاند کی طرح تھا۔ کنیزوں نے اس سے پوچھا کہ تو اس کا کیا نام رکھے گی؟ اس نے جواب دیا کہ اگر اس کا باپ زندہ ہوتا تو وہ خود اس کا نام رکھتا لیکن لاچاری ہے۔ خیر میں اس کا نام اصلان رکھوں گی۔ اس کے بعد دو سال تک اس نے اسے متواتر دودھ پلا کر چھڑا دیا۔ وہ گود سے اتر کر گھٹنوں اور پھر پاؤں پاؤں چلنے لگا۔ ایک دن خدا کا کرنا کیا ہوتا ہے کہ اس کی ماں تو باورچی خانے میں کام کر رہی تھی۔ وہ کھیتے کھیتے زینے پر چڑھ

گیا۔ وہاں بالا خانے کے کمرے میں امیر خالد بیٹھا ہوا تھا اس نے لڑکے کو اپنی گود میں بٹھا لیا اور اسے دیکھ دیکھ کر خدا کی پاکی بیان کرنے لگا جس نے اسے پیدا کیا اور اس کی صورت بنائی۔ لڑکے کے چہرے کو غور سے دیکھا تو اسے علاؤالدین ابوالشامات کے بے حد مشابہ پایا۔ ادھر اس کی ماں اسے ڈھونڈنے لگی۔ نیچے نہ دکھائی دیا تو وہ کوٹھے پر چڑھ گئی۔ دیکھا کہ امیرا خالد بیٹھا ہوا ہے اور لڑکا اس کی گود میں کھیل رہا ہے۔ خدا نے اس کی محبت امیر خالد کے دل میں ڈال دی تھی۔ لڑکا اپنی ماں کو دیکھتے ہی اس کی طرف دوڑ کر جانا چاہتا تھا کہ امیرا خالد نے اسے روک لیا اور ماں سے کہا کہ کنیز یہاں آ۔ جب وہ آئی تو امیر نے پوچھا کہ یہ کس کا لڑکا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ میرا بیٹا اور میرا لخت جگر ہے۔ امیر نے دریافت کیا کہ اس کا باپ کون ہے؟ وہ بولی کہ اس کا باپ علاؤالدین ابوالشامات ہے مگر وہ اب تیرا بیٹا ہے۔ امیر بولا کہ علاؤالدین خائن تھا۔ کنیز نے کہا کہ وہ خیانت سے بری ہے۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ امین خائن ہو۔ امیر نے کہا کہ اچھا جب یہ لڑکا ہوشیار ہو اور پوچھے کہ میرا باپ کون ہے؟ تو کہیو کہ تو امیر خالد کا بیٹا ہے جو والی اور کوتوال ہے۔ امیرا خالد والی نے اس کا ختنہ کرایا، اس کی تربیت کا بخوبی انتظام کیا۔ ایک خوشنویس فقیہ کو اس کی تعلیم کے لیے رکھا جس نے اسے خوشنویسی اور قرات سکھائی اور اس نے قرآن دو بار پڑھ کر ختم کیا۔ وہ ہمیشہ امیرا خالد کو ”اے میرے والد“ کہہ کر پکارتا۔ والی میدان کو درست کر کے گھوڑے جمع کرتا اور لڑکے کو لڑائی کا فن، نیزہ بازی اور شمشیر زنی کے کرتب سکھاتا یہاں تک کہ وہ شہہ سواری اور سپ گری میں ماہر ہو گیا اور اس کی عمر چودہ سال ہو گئی اور امارت کے درجے کو پہنچا۔

اب ایسا اتفاق ہوا کہ اصلان اور احمد ققام سراق کا ایک دن ساتھ ہو گیا اور دونوں دوست بن گئے اور ساتھ ساتھ مئے خانے پہنچے۔ وہاں احمد ققام سراق نے وہ ہیرے کی قدیل نکالی جو اس نے خلیفہ کے سامان کے ساتھ چرائی تھی اور اسے سامنے رکھ کر اس کی روشنی میں شراب پینی شروع کی۔ یہاں تک کہ بدمست ہو گیا۔ اصلان نے کہا کہ

اے چودھری! یہ قذیل مجھے دے دے۔ اس نے جواب دیا کہ اسے میں تجھے نہیں دے سکتا۔ اصلان نے پوچھا کہ کیوں؟ اس نے جواب دیا کہ اس کی وجہ سے کئی جانیں جا چکی ہیں۔ اصلان نے پوچھا کہ کس کس کی جان گئی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ایک شخص جو یہاں آیا ہوا تھا اور ساتھ سرداروں کا سپہ سالار بنایا گیا تھا اس کا نام علاؤالدین ابوالشامات تھا۔ وہ اسی قذیل کی وجہ سے مارا گیا ہے۔ لڑکے نے کہا کہ وہ کیا قصہ ہے اور وہ کس طرح مارا گیا؟ ققام بولا، تیرا ایک بھائی جنظلم بظاظہ تھا۔ جب وہ سولہ برس کا ہوا اور شادی کے قابل ہو گیا تو اس نے اپنے باپ سے کہا کہ میرے لیے ایک کنیز خرید دے اور اس نے ساری داستان اول سے لے کر آخر تک کہہ سنائی۔ اصلان نے اپنے دل میں کہا کہ ہو نہ ہو یہ کنیز میری ماں یا سمین ہے اور علاؤالدین ابوالشامات ہی میرا باپ ہے۔ اب وہ غمگین ہو کر اس کے پاس سے روانہ ہوا۔ خدا کی قدرت راستے میں احمد دنف سے اس کا آنا سامنا ہو گیا۔ جونہی احمد دنف کی نظر اس پر پڑی وہ کہنے لگا کہ پاک ہے وہ ذات جس کی کوئی شبیہ نہیں۔ حسن شومان نے پوچھا کہ تو کس چیز پر تعجب کر رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اس لڑکے اصلان کی صورت پر کیونکہ وہ علاؤالدین ابوالشامات سے بے حد مشابہ ہے۔ ساتھ ہی احمد دنف نے پکارا کہ یا اصلان! اور اصلان نے جواب دیا۔ اس نے پوچھا کہ تیری ماں کا کیا نام ہے؟ اس نے کہا کہ اسے کنیز یا سمین کہتے ہیں۔ احمد دنف نے کہا کہ اے اصلان خوش ہو کہ تیرا باپ سوائے علاؤالدین ابوالشامات کے کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ لیکن بیٹا اپنی ماں کے پاس جا کر پوچھ کہ تیرا باپ کون ہے؟ وہ ماں کے پاس گیا اور اس سے پوچھا۔ ماں نے کہا کہ تیرا باپ امیر خالد ہے۔ اس نے کہا کہ میرا باپ بجز علاؤالدین ابوالشامات کے کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا یہ سن کر اس کی ماں رونے لگی اور اس سے کہا کہ بیٹا یہ تجھ سے کس نے کہا؟ لڑکے نے کہا کہ سردار احمد دنف نے۔ اس پر ماں نے اسے سارا قصہ بیان کر دیا اور کہا کہ بیٹا سچ ظاہر ہو گیا اور باطل پوشیدہ ہو گیا۔ تیرا باپ واقعی علاؤالدین ابوالشامات ہے مگر تیری تربیت محض امیر

خالد کے ہاتھ سے ہوئی ہے اس نے تجھے اپنا بیٹا بنا کر رکھا ہے۔ بیٹا اگر تیری ملاقات
احمد دنف سے ہو تو اس سے کہیو کہ اے سردار خدا کے واسطے میرے باپ علاؤالدین
ابوالشامات کا بدلہ اس کے قاتل سے لے۔ یہ سنتے ہی وہ اپنی ماں کے پاس سے اٹھ
کھڑا ہوا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

○ ○ ○

• دو سو چھیاسٹھ ویں رات

جب دو سو چھیاسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- اصلان اپنی ماں کے پاس سے روانہ ہو کر سردار احمد دنف کے پاس پہنچا، اس کے ہاتھ چومے۔ سردار نے پوچھا اصلان کیا خبر لایا ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے تحقیق کے ساتھ معلوم ہو چکا ہے کہ میرا باپ علاؤالدین ابوالشامات ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تو اس کا بدلہ قاتل سے لے۔ اس نے دریافت کیا کہ تیرے باپ کا قاتل کون ہے؟ وہ بولا کہ احمد قناتم سراق۔ احمد دنف نے پوچھا کہ تجھ سے یہ کس نے کہا؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے وہ ہیرے کی قندیل اس کے پاس دیکھی ہے جو خلیفہ کے سامان میں سے کھو گئی ہے۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ یہ قندیل مجھے دے دے لیکن اس نے انکار کیا اور کہا کہ اس کی بدولت کتنی جانیں گئی ہیں۔ اس نے مجھ سے بیان کیا کہ اسی نے اندر جا کر چیزیں چرائی تھیں اور انہیں میرے باپ کے گھر میں چھپا دیا تھا۔ احمد دنف نے کہا کہ جب تو دیکھے امیر خالد جنگی لباس پہن رہا ہے تو اس سے کہیو کہ مجھے بھی اپنا لباس پہنا دے۔ پھر جب تو اس کے ساتھ نکل کر امیر المومنین کے سامنے کوئی بہادری کا کرتب دکھائے گا خلیفہ تجھے کہے گا کہ اصلان مانگ کیا مانگتا ہے؟ تو کہیو کہ میں چاہتا ہوں کہ تو میرے باپ کا بدلہ اس کے قاتل سے لے۔ وہ کہے گا کہ تیرا باپ تو زندہ ہے اور وہ والی امیر خالد ہے تو عرض کیجیو نہیں میرا باپ علاؤالدین ابوالشامات ہے اور والی خالد کا حق محض اتنا ہے کہ اس نے میری تربیت کی ہے۔ اس کے بعد تو خلیفہ کو وہ تمام باتیں سنا دیجیو جو تیرے اور احمد قناتم سراق کے درمیان پیش آئیں اور کہیو کہ اے امیر المومنین تو اس کی تلاشی کا حکم دے دے، میں قندیل کو اس کی جیب سے نکال دوں گا۔ اصلان نے کہا کہ بسرو چشم۔

اب اصلان وہاں سے گھر آیا تو دیکھا کہ امیر خالد دبار میں جانے کی تیاری کر رہا ہے اور اس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے بھی جنگی وردی پہنا کر اپنے ساتھ خلیفہ کے حضور میں لے چل۔ خالد اسے وردی پہنا کر دبار لے گیا اور خلیفہ لشکر کے ساتھ باہر نکلا۔ خیمے اور شامیانے لگائے گئے۔ لشکر صف بستہ کھڑا ہوا اور لوگ گیند اور بلا لے کر نکلے۔ ایک سوار گیند کو بلے سے مارتا اور دوسرا سوار اسے لوٹاتا۔ لشکر میں ایک جاسوس تھا۔ جس سے خلیفہ کے قتل کرنے کی سازش کی گئی تھی۔ اس نے گیند لے کر بلے سے اس طرح ماری کہ وہ ٹھیک خلیفہ کے چہرے کی طرف چلی۔ اصلان نے گیند کو فوراً خلیفہ کی طرف سے روک لیا اور پھینکنے والے کی طرف اس زور سے ماری کہ وہ اس کے دونوں کندھوں کے بیچ میں پڑی اور وہ زمین پر گر پڑا۔ خلیفہ نے کہا کہ اصلان خدا تجھے برکت دے! اب لوگ گھوڑوں سے اتر کر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ خلیفہ نے اس شخص کو طلب کیا جس نے گیند ماری تھی۔ جب وہ حاضر ہوا تو خلیفہ نے پوچھا کہ تجھے کس نے اس کام کے لیے آمادہ کیا تھا اور تو دشمن ہے یا دوست؟ اس نے کہا کہ میں دشمن ہوں اور تیرے مارنے کی فکر میں تھا۔ خلیفہ نے پوچھا کہ کیا سبب؟ کیا تو مسلمان نہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں، میں رافضی ہوں۔ خلیفہ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا اور اصلان سے کہا کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ میں یہ مانگتا ہوں کہ تو میرے باپ کا بدلہ اس کے قاتل سے لے۔ خلیفہ نے کہا کہ تیرا باپ تو زندہ ہے اور وہ کیا کھڑا ہوا ہے۔ اصلان نے پوچھا کہ امیر المومنین تو کسے میرا باپ سمجھتا ہے۔ خلیفہ بولا امیر خالد کو جو کہ والی ہے۔ لڑکے نے کہا اسے میری تربیت کی بنا پر میرا باپ کہہ سکتے ہیں لیکن میرا اصلی باپ تو علاؤالدین ابوالشامات ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ تیرا باپ خائن تھا۔ اس نے جواب دیا امیر المومنین کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ امین خائن ہو! آخر اس نے تیری کیا خیانت کی؟ خلیفہ نے فرمایا کہ اس نے میری پوشاک اور اس کے ساتھ جتنی چیزیں تھیں، چرا لیں۔ لڑکے نے کہا کہ یہ ناممکن ہے اے امیر المومنین کہ میرے باپ نے خیانت کی

ہو۔ لیکن اے میرے آقا جب تیری پوشاک چوری کی گئی اور پھر مل گئی تو کیا قتیل بھی مل گئی؟ خلیفہ بولا وہ تو نہیں ملی۔ لڑکے نے کہا کہ میں نے اسے احمد قاتم کے پاس دیکھا ہے۔ میں نے اس سے وہ قتیل مانگی تھی اس نے نہیں دی اور مجھ سے کہا کہ اس کی بدولت کئی جانیں جا چکی ہیں۔ اس نے مجھ سے امیرا خالد کے بیٹے جن ظلم بظاہر کی بیماری کا حال بیان کیا کہ وہ کنیز یاسمین پر عاشق تھا اور یہ کہ وہ خود کس طرح قید سے چھٹا اور اس نے کس طرح پوشاک اور قتیل چرائی۔ اے امیرالمومنین میرے باپ کا بدلہ اس کے قاتل سے لے۔

خلیفہ نے احمد قاتم کی گرفتاری کا حکم دے دیا اور لوگ اسے پکڑ لائے۔ خلیفہ نے کہا کہ سردار احمد دنف کہاں ہے؟ جب وہ حاضر ہوا تو خلیفہ نے اس کو حکم دیا کہ قاتم کا جھاڑا لے۔ اس نے اس کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ہیرے کی قتیل نکالی لی۔ خلیفہ نے کہا کہ اے خائن ادھر آ اور بتا کہ تجھے یہ قتیل کہاں سے ملی؟ وہ کہنے لگا کہ امیرالمومنین میں نے یہ خریدی ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ کہاں سے خریدی ہے۔ اور کس کے پاس ایسی قتیل ہو سکتی ہے کہ وہ اسے بیچے۔ اب اس پر مار پڑی اور اس نے اقرار کر لیا کہ میں نے ہی پوشاک اور قتیل چرائی تھی۔ خلیفہ نے کہا کہ اے خائن تو نے ایسا کام کیوں کیا جس سے معتمد اور امین علاؤالدین ابوالشامات کی جان گئی۔

اس کے بعد خلیفہ نے حکم دیا کہ اسے اور والی دونوں کو گرفتار کر لیا جائے۔ والی نے عرض کیا امیرالمومنین میں مظلوم ہوں کیونکہ تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اسے پھانسی دے دوں اور اس چال کی مجھے خبر نہ تھی۔ یہ سازش بڑھیا اور احمد قاتم اور میری بیوی کی تھی جس کا مجھے بالکل علم نہ تھا۔ اصلان میں تیری پناہ میں ہوں۔ اصلان نے خلیفہ سے اس کی سفارش کی۔ اس کے بعد خلیفہ نے پوچھا کہ اس جوان کی ماں کا کیا حال ہے؟ والی نے کہا کہ وہ میرے ہاں ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ اپنی بیوی سے کہہ کر اس کے کپڑے اور زیور اسے پہنا دے اور اس کا مال اور

کھانے پینے کی چیزیں اس کے بیٹے کے حوالے کر دے۔ حکم پاتے ہی والی اپنے گھر گیا اور اپنی بیوی سے کہہ کر لڑکی کو اس کے کپڑے پہنا دیئے۔ علاؤالدین کے مکان کی مر توڑ دی اور کنجیاں اصلان کے حوالے کر دیں۔

اس کے بعد خلیفہ نے کہا کہ اے اصلان مانگ کیا مانگتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں یہ مانگتا ہوں کہ تو مجھے میرے باپ سے ملا دے۔ یہ سن کر خلیفہ رونے لگا اور اس نے کہا کہ وہ غالباً پھانسی پر مر گیا لیکن میں اپنے بزرگوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو شخص مجھے یہ خبر دے کہ وہ زندہ ہے تو وہ جو کچھ مانگے گا میں اسے دوں گا۔ اب احمد دنف آگے بڑھا۔ خلیفہ کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور کہنے لگا کہ اے امیرالمومنین میری جان بخشی ہو۔ اس نے کہا کہ تیری جان بخشی گئی۔ احمد دنف نے کہا کہ میں تجھے یہ خوشخبری دیتا ہوں کہ معتمد و امین علاؤالدین ابوالشامات زندہ اور خوشحال ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ تو کیا کہتا ہے! اس نے جواب دیا کہ تیرے سر کی قسم میں سچ کہتا ہوں۔ میں نے اس کے بدلے ایک دوسرے شخص کو پھانسی دلوا دی تھی جو قتل کا مستحق ہو چکا تھا۔ علاؤالدین کو لے جا کر میں نے اسکندریہ میں کباڑ خانے کی دوکان کھلوا دی ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ اسے لے کر آ۔ اور اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو سڑٹھ دین راتے

جب دو سو سڑٹھ دین رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- خلیفہ نے احمد دنف سے کہا کہ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ جا کر اسے لے آ اور اسے دس ہزار دینار عنایت کیے اور وہ اسکندریہ روانہ ہو گیا۔

اصلان کا قصہ تو یہ ہوا، اب اس کے باپ علاؤالدین ابوالثامات کی سنئے۔ اس نے اپنی دوکان کا قریب قریب سب مال بیچ ڈالا۔ ٹوٹی پھوٹی تھوڑی سی چیزیں اور ایک چمڑے کا تھیلا باقی رہ گیا۔ بیٹھے بیٹھے ایک دن جو خیال آیا تو تھیلا کھولا۔ اس میں ایک نگ نکلا جو ہتھیلی کے برابر تھا۔ سونے کی زنجیر میں بندھا ہوا۔ پانچ پہل کا اس پر اسما اور طلسم کندہ تھا۔ گویا چیونٹی کے چلنے کے نشان ہیں۔ اس نے ایک ایک کر کے پانچوں رخ رگڑے لیکن کوئی بات سمجھ میں نہ آئی۔ سوچا کہ شاید وہ سلیمانی پتھر کا نگ ہے اور اسے دوکان میں لٹکا دیا۔ اتنے میں ادھر سے ایک قنصل گزرا۔ وہ نگ کو لٹکتے ہوئے دیکھ کر دوکان پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا! کیا یہ نگ بکاؤ ہے؟ علاؤالدین بولا میرے پاس جتنی چیزیں ہیں سب بکاؤ ہیں۔ اس نے کہا کہ کیا تو، اسے میرے ہاتھ اسی ہزار دینار کو بیچے گا؟ علاؤالدین اس کی صورت دیکھنے لگا اور منہ سے صرف اتنا بولا کہ پھر خدا نے شروعات کر دی ہے۔ قنصل نے کہا کہ کیا تو، اسے ایک لاکھ دینار میں بیچے گا؟ علاؤالدین بولا ہاں میں ایک لاکھ دینار میں بیچتا ہوں۔ لا مجھے دینار دے۔ قنصل نے کہا کہ یہ ممکن نہیں کہ میں اتنے دام اپنے ساتھ لیے پھروں کیونکہ اسکندریہ میں چور بھی ہیں اور کوتوال بھی۔ تو میرے ساتھ میرے جہاز پر چل میں تجھے اس کی قیمت دوں گا۔ دیناروں کے علاوہ ایک گانٹھ انگوٹھ کے اوئی کپڑوں کی، ایک اطلس، ایک مخمل کی اور ایک بچہ لبادوں کا بھی۔ علاؤالدین نے وہ نگ اس کے حوالے کیا اور دوکان میں قفل ڈالا اور کنجیاں اپنے پڑوسی کو دے کر کہا کہ یہ کنجیاں اپنے پاس بطور امانت

رکھ۔ میں اس قنصل کے ساتھ جہاز تک جا کر اپنے نگ کے دام لے آؤں۔ اگر میرے آنے میں دیر ہو اور احمد دنف یہاں آ جائے جس نے مجھے اس دوکان پر رکھا ہے تو اسے کنجیاں دے دیجیو اور کہہ دیجیو کہ میں کہاں گیا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ قنصل کے ساتھ جہاز کی طرف روانہ ہو گیا۔ جہاز میں پہنچ کر قنصل نے اس کے لیے ایک کرسی بچھوائی اسے بٹھایا اور دیناروں کی تھیلیاں نکلوائیں۔ دینار گنے جا چکے اور حسب وعدہ پانچوں گانٹھیں بھی آ گئیں تو اس نے کہا کہ اے میرے آقا ایک لقمہ کھا کر اور ایک گھونٹ پی کر مجھے عزت بخش۔ علاؤالدین نے کہا کہ اگر تیرے پاس پانی ہو تو مجھے پلا دے۔ قنصل نے شربت منگوائے۔ شربت جو آئے تو ان میں بھنگ ملی ہوئی تھی۔ پیتے ہی علاؤالدین چت ہو گیا۔ فوراً کرسیاں ہٹا لی گئیں۔ چو پانی میں ڈال اور بادبان کھول دیئے۔ ہوا موافق تھی اس لیے جہاز جلد سمندر کے بیچ میں پہنچ گیا۔ اب کپتان نے حکم دیا کہ علاؤالدین کو کوٹھڑی کے اندر سے نکالا جائے۔ لوگوں نے اسے نکال کر بھنگ کا توڑ سونگھایا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں اور پوچھا کہ میں کہاں ہوں؟ قنصل نے کہا کہ میرے پاس بطور امانت کے۔ اگر تو دوبارہ کہتا کہ خدا نے شروعات کر دی ہے تو میں اور زیادہ قیمت بردھا دیتا۔ علاؤالدین نے پوچھا کہ تو کیا کام کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں کپتان ہوں اور چاہتا ہوں کہ تجھے اپنی محبوبہ کے پاس لے چلوں۔

یہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ انہیں ایک کشتی دکھائی دی جس میں چالیس مسلمان تاجر تھے۔ کپتان نے اپنا جہاز ان کے پیچھے ڈال دیا اور کانٹے پھینک کر ان کی کشتی کو پھانس لیا۔ کپتان اور اس کے ساتھی اس میں اتر گئے اور انہیں لوٹا اور گرفتار کر کے جہاز کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ کپتان جس کے ساتھ علاؤالدین تھا، ایک محل کے چور دروازے پر پہنچے۔ وہاں ایک لڑکی نقاب ڈالے کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے کہا کہ کیا تو وہ نگ اور اس کے مالک کو لے آیا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں دونوں کو لے آیا ہوں۔ لڑکی نے کہا نگ لا۔ کپتان اسے نگ دے کر بندرگاہ کی طرف گیا اور سلامتی

کی توہیں داغیں۔ بادشاہ کو معلوم ہو گیا کہ کپتان آ گیا ہے۔ وہ اس سے ملنے نکلا اور پوچھا کہ سفر کیسا گزرا؟

اس نے جواب دیا کہ بہت اچھا اور میرے ہاتھ ایک کشتی لگی جس میں اکتالیس مسلمان تاجر تھے۔ بادشاہ نے کہا کہ انہیں بندرگاہ میں اتار اور اس نے انہیں بیڑیاں ڈال کے اتار دیا۔ ان میں علاؤالدین بھی تھا۔ پھر بادشاہ اور کپتان سوار ہوئے اور قیدیوں کو اپنے آگے آگے چلایا۔ یہاں تک کہ وہ دربار میں پہنچ گئے۔ وہاں بیٹھ کر قیدیوں کو پیش کرنے کا حکم ہوا۔ ایک قیدی پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ اے مسلمان تو کہاں سے آیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اسکندریہ سے۔ بادشاہ نے کہا کہ اے جلاد اسے قتل کر دے۔ جلاد نے تلوار کا ہاتھ مار کر اس کی گردن اڑا دی۔ پھر دوسرے کا یہی حشر اور پھر تیسرے کا۔ یہاں تک کہ چالیس قتل ہو چکے۔ علاؤالدین آخری تھا۔ اس نے سب کو قتل ہوتے دیکھا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ رحمت ہو اللہ کی تجھ پر اے علاؤالدین اب تیری زندگی ختم ہو چکی۔ بادشاہ نے اس سے بھی پوچھا کہ تو کس ملک سے آیا ہے؟ اس نے کہا کہ اسکندریہ سے۔ بادشاہ نے کہا کہ اے جلاد اس کی بھی گردن اڑا دے۔ جلاد نے تلوار اٹھائی اور چاہتا ہی تھا کہ علاؤالدین کی گردن اڑا دے کہ اتنے میں ایک باوقار بڑھیا بادشاہ کے پاس پہنچی اور وہ اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا۔ بڑھیا نے کہا کہ میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ جب کپتان قیدی لے کر آئے تو ایک یا دو قیدی وزیر کے حوالے کیجیو تاکہ وہ گرجا میں خدمت کریں؟ بادشاہ نے کہا کہ والدہ کاش تو ذرا پہلے آ گئی ہوتی! اب ایک قیدی باقی رہ گیا ہے اسے لے جا۔ بڑھیا نے علاؤالدین کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ کیا تو گرجا کی خدمت کرنا چاہتا ہے یا میں بادشاہ کو گردن اڑا دینے دوں؟ اس نے جواب دیا کہ میں گرجا کی خدمت کروں گا۔

اب بڑھیا علاؤالدین کو لے کر دربار سے چل دی اور دیر میں پہنچی۔ علاؤالدین نے اس سے پوچھا کہ میں کون سے خدمت انجام دوں گا؟ بڑھیا نے کہا کہ جب تو صبح کو

اٹھے تو پانچ خچروں کو لے کر جنگل میں جایو وہاں سے سوکھی لکڑیاں توڑ کر اور ان کو چھوٹی چھوٹی کر کے دیر کے باورچی خانے میں پہنچایو۔ اس کے بعد تو فرش کو اٹھا کر پتھر اور مرمر کو جھاڑیو پونچھیو اور پھر فرش کو پہلے کی طرح بچھا دیجیو۔ ان کاموں سے فارغ ہو جائے تو دو من گیہوں لے کر انہیں صاف کیجیو، پیسیو اور گوندھیو اور دیر کے لیے بسکٹ بنایو پھر تیس سیر مسور لے کر اسے چنیو، کوٹو اور پکایو۔ یہ بھی کر چکے تو چاروں حوضوں میں پانی بھریو اور ڈولوں میں پانی لے جا کر تین سو چھیاٹھ پیالے بھریو۔ ان میں بسکٹوں کو چورا کر کے ڈال دیجیو اوپر سے مسور کی دال بھر دیجیو اور ہر راہب اور پادری کو اس کا پیالہ دے آئیو۔ علاؤالدین نے کہا کہ مجھے بادشاہ کو واپس دے آ کہ وہ مجھے قتل کر دے اس لیے کہ موت اس خدمت سے زیادہ آسان ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ اگر تو اچھی طرح وہ خدمت کرے گا جو تیرے سپرد کی گئی ہے تو میں تجھے قتل نہ ہونے دوں گی اور اگر کوتاہی کرے گا تو میں بادشاہ سے کہوں گی کہ وہ تجھے قتل کر دے۔ اس پر علاؤالدین غمگین ہو کر بیٹھ گیا۔ دیر کے اندر دس اندھے لو لے لنگڑے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ مجھے پاخانہ پھرنے کا پاٹ لا دے۔ جب وہ اسے لایا تو اندھے نے اس میں پاخانہ پھرا اور کہا کہ جا کر پاخانہ پھینک آ۔ جب وہ پھینک آیا۔ اندھے نے کہا کہ اے دیر کے خادمو، مسیح تمہیں برکت دے، اتنے میں بڑھیا آ پہنچی اور اس نے کہا کہ تو نے دیر کی خدمت کیوں انجام نہیں دی؟ علاؤالدین نے کہا کہ آخر میرے کتنے ہاتھ ہیں کہ میں یہ تمام خدمتیں انجام دوں! بڑھیا نے کہا کہ اے پاگل میں تو تجھے محض خدمت کے لیے لائی ہوں۔ اس کے بعد بڑھیا نے اسے ایک پیتل کی چھڑی دی جس کے سرے پر صلیب تھی اور اس نے کہا کہ بیٹا اسے لے کر سڑک پر جا اور جب تو شہر کے والی کو دیکھو تو کہیو کہ میں پروردگار مسیح کے نام پر تجھے دیر کی خدمت کے لیے بلاتا ہوں۔ وہ تیری مخالفت ہرگز نہ کرے گا اور اس سے کہیو کہ گیہوں کو صاف کرے اور پیسے اور چھانے اور گوندھ کر بسکٹ بنائے۔ جو کوئی تیرا کہنا نہ مانے اسے اس ڈنڈے سے ماریو اور کسی سے مت

ڈریو۔ چنانچہ وہ اس کے کہنے کے موافق کرتا رہا۔ سترہ سال تک ہر چھوٹے بڑے سے اس نے کام لیا۔

اس دن وہ دیر میں بیٹھا ہوا تھا۔ بڑھیا اس کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ دیر کے باہر جا۔ اس نے پوچھا کہ کہاں جاؤں؟ بڑھیا نے کہا کہ آج رات ہوٹل میں یا کسی اپنے دوست کے ساتھ گزار۔ اس نے پوچھا کہ آخر تو مجھے دیر سے کیوں نکال رہی ہے؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ اس ملک کے حکمران یوحنا کی بیٹی حسن مریم دیر کی زیارت کے لیے آئے گی اور یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کے راستے میں کوئی غیر ہو۔ علاؤالدین اس کے حکم کی تعمیل میں کھڑا ہو گیا اور بڑھیا پر یہ ظاہر کیا کہ وہ دیر کے باہر جا رہا ہے مگر اپنے دل میں کہنے لگا کہ دیکھنا تو چاہیے کہ بادشاہ کی بیٹی ہماری ہی عورتوں کی طرح ہے یا ان سے زیادہ خوبصورت۔ میں جب تک اسے دیکھ نہ لوں، یہاں سے نہیں ٹلوں گا۔ یہ ٹھان کر وہ ایک کمرے میں چھپ گیا جس کی کھڑکی دیر کی طرف تھی۔ وہ دیر کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ شنزادی آ پہنچی۔ علاؤالدین کی نظر جو اس پر پڑی تو اس کے ہوش سے اڑنے لگے۔ اسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بادل کے نیچے سے چاند نکل آیا۔ یہی نہیں کہ وہ شنزادی کو دیکھ کر بھونچکا ہو گیا بلکہ اس کے ساتھ ایک اور لڑکی تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو اڑٹھ ویں رات

دو سو اڑٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب علاؤالدین کی نظر شنزادی پر پڑی تو دیکھا کہ اس کے ساتھ ایک اور لڑکی ہے اور شنزادی اس سے کہہ رہی ہے کہ زبیدہ تیری وجہ سے میرا دل بہلتا ہے۔ علاؤالدین نے اس لڑکی کی طرف غور کیا تو وہ اس کی بیوی زبیدہ عودیہ تھی جس کو مرے ہوئے عرصہ ہو چکا تھا۔ پھر شنزادی نے زبیدہ سے کہا کہ ذرا ایک راگ تو سنا دے۔ اس نے جواب دیا کہ میں اس وقت تک تجھے کوئی راگ نہ سناؤں گی جب تک تو میرا مقصد پورا نہ کر دے اور جو کچھ تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، اسے وفا نہ کرے۔ شنزادی نے پوچھا کہ میں نے تجھ سے کیا وعدہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تو نے وعدہ کیا ہے کہ مجھے میرے شوہر علاؤالدین ابوالشامات سے ملا دے گی۔ شنزادی بولی خوش ہو اور اپنے شوہر علاؤالدین کے ملنے کی خوشی میں راگ کی مٹھائی کھلا۔ اس نے کہا کہ وہ کہاں ہے؟ شنزادی نے جواب دیا اس کمرے میں وہ ہماری باتیں سن رہا ہے۔ یہ سن کر زبیدہ نے ایک ایسا راگ بجایا کہ در و دیوار رقص کرنے لگے۔

علاؤالدین بے چین ہو گیا اور کمرے سے نکل کر ان دونوں کی طرف دوڑا اور اپنی بیوی زبیدہ عودیہ سے لپٹ گیا۔ زبیدہ نے بھی اسے پہچان لیا۔ دونوں گلے ملے اور غش کھا کر زمین پر گر پڑے۔ حسن مریم نے آگے بڑھ کر دونوں پر گلاب کا عرق چھڑکا اور انہیں ہوش میں لا کر کہا کہ خدا نے تم دونوں کو ملا دیا ہے۔ علاؤالدین نے کہا کہ اے میری آقا یہ تیری محبت کی وجہ سے ہوا۔ اب علاؤالدین نے اپنی بیوی زبیدہ عودیہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے زبیدہ تو، تو مر چکی تھی اور ہم تجھے دفن کر چکے تھے۔ یہ کیا معاملہ ہے تو کس طرح زندہ ہو کر یہاں آ گئی؟ اس نے جواب دیا کہ اے میرے آقا میں مری نہ تھی بلکہ ایک جن مجھے چرا کر یہاں لے آیا تھا اور جسے

تم نے دفن کیا تھا وہ ایک پری تھی جو میری صورت اختیار کر کے مردہ بن گئی تھی۔ جب لوگ اسے دفن کر چکے تو وہ قبر توڑ کر نکل گئی اور اپنی مالکہ حسن مریم بادشاہ زادی کے پاس چلی آئی۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ میں شہزادی حسن مریم کے پاس ہوں اور وہ یہ ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تو مجھے یہاں کیوں لائی ہے۔ اس نے کہا کہ میری قسمت میں تیرے شوہر علاؤ الدین ابوالشامات کے ساتھ شادی کرنا لکھا ہے۔ اے زبیدہ کیا تو اس بات پر راضی ہے کہ میں تیری سوکن بن کر رہوں اور ایک رات میری ہو اور ایک تیری؟ میں نے اس بات کو مان کر کہا لیکن میرا شوہر ہے کہاں؟ شہزادی بولی اس کی تقدیر اس کے ماتھے پر لکھی ہے اور چونکہ قسمت کا لکھا ہوا ہو کر رہتا ہے اس لیے اس کا یہاں آنا ضروری ہے۔ پھر شہزادی کہنے لگی کہ جس وقت تک اللہ ہمیں اس سے ملائے، ہم اس کی جدائی میں گانے بجانے اسے اپنے آپ کو تسکین دیں گے۔ اس لیے میں اتنی مدت تک اس کے پاس ٹھہری رہی۔ آخر کار اس دیر میں خدا نے مجھے تجھ سے ملا دیا۔

اب حسن مریم نے علاؤ الدین کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے میرے آقا کیا تجھے منظور ہے کہ میں تیری بیوی بنوں اور تو میرا شوہر؟ اس نے جواب دیا کہ میری آقا میں مسلمان ہوں اور تو عیسائی۔ میں تیرے ساتھ کس طرح شادی کر سکتا ہوں! وہ بولی کہ خدا نہ کرے کہ میں کافر ہوں۔ میں تو مسلمان ہوں۔ اٹھارہ سال ہوئے کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اسلام کے سوا اور کسی دین کی میں قائل نہیں۔ علاؤ الدین نے کہا کہ اے میری آقا میری خواہش ہے کہ میں اپنے وطن جاؤں۔ شہزادی نے کہا کہ میں تیرے ماتھے پر چند باتیں لکھی ہوئی دیکھ رہی ہوں۔ پہلے ان کا پورا کرنا ضروری ہے۔ قبل اس کے کہ یہ تیری خواہش پوری ہو اور مبارک ہو علاؤ الدین کہ تیرا ایک لڑکا پیدا ہوا ہے جس کا نام اصلان ہے اور اس وقت خلیفہ کے دربار میں تیرے مرتبے پر بیٹھا ہے۔ وہ اٹھارہ سال کا ہو چکا ہے اور یہ بھی سن کہ سچائی ظاہر ہو گئی ہے اور جھوٹ کا پردہ فاش ہو گیا ہے اور ہمارے پروردگار نے اس شخص کی پردہ دری

کر دی ہے جس نے سلطان کی چیزیں چرائی تھیں۔ وہ چور اور خائن احمد قاتم ہے اور وہ اس وقت قید خانے میں بیڑیوں سے جکڑا پڑا ہے اور یہ بھی سن لے کہ وہ نگ میں نے تیرے پاس بھیج کر اس تھیلے میں ڈلوا دیا تھا جو دوکان میں تھا اور میں نے کپتان کو تیرے پاس بھیجا تھا جو تجھے اور نگ کو لے آیا ہے اور یہ بھی سن کہ کپتان میرا عاشق ہے اور میرے وصال کا خواہش مند ہے۔ مگر میں نے اسے ہاتھ نہیں لگانے دیا بلکہ اس سے کہا کہ میں اس وقت تک تجھے ہاتھ نہ لگانے دوں گی جب تک کہ تو اس نگ اور اس کے مالک کو نہ لے آئے اور میں نے اسے سو تھیلیاں دیناروں کی دیں اور اسے تاجر کے بھیس میں بھیجا حالانکہ وہ کپتان ہے اور جب چالیس قیدیوں کے قتل ہونے کے بعد تو قتل کے لیے پیش کیا گیا تو میں نے ہی اس بڑھیا کو تیرے پاس بھیجا تھا۔ علاؤالدین نے کہا کہ تیری ساری نیکیوں اور بھلائیوں کا بدلہ خدا اچھا دے!

اس کے بعد حسن مریم نے علاؤالدین کے ہاتھ پر اپنا اسلام تانہ کیا اور اس کو شہزادی کی راست گوئی کا یقین آ گیا تو اس نے پوچھا کہ اس نگ میں کیا کرامتیں ہیں اور یہ کہاں سے آیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ نگ ایک جادو کے ذخیرے میں سے ملا ہے اور اس میں پانچ کرامتیں ہیں جن سے ہم ضرورت کے وقت فائدہ اٹھاتے ہیں۔ میری دادی، میرے باپ کی ماں، جادوگرنی تھی جو غیب کی باتیں بتاتی اور پوشیدہ خزانوں کا پتہ لگا لیتی تھی۔ یہ نگ اس کے ہاتھ لگا تھا۔ جب میں چودہ سال کی تھی تو میں نے انجیل اور دوسری الہامی کتابیں پڑھیں اور چاروں کتابوں تو ریت، انجیل، زبور اور قرآن میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دیکھا تو میں محمد پر ایمان لا کر مسلمان ہو گئی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ خدا کے سوا دوسرے کی پرستش نا واجب ہے اور یہ کہ پروردگار اسلام کے سوا اور کسی مذہب سے خوش نہیں۔ جب میری دادی عمر کے آخری مرحلے پر پہنچی تو اس نے یہ نگ مجھے دے دیا اور اس کی پانچوں کرامتیں مجھے سکھا دیں۔ میری دادی کے مرنے سے پہلے میرے باپ نے کہا کہ رمل کا زائچہ بنا اور بتایا کہ

میرا انجام کیا ہونے والا ہے اور میری قسمت میں کیا لکھا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تو ایک قیدی کے ہاتھ سے قتل ہو گا جو اسکندریہ سے آئے گا۔ اس پر میرے باپ نے قسم کھائی کہ میں وہاں کے تمام قیدیوں کو قتل کر دوں گا۔ یہی اس نے کپتان سے بیان کیا اور کہا کہ تو مسلمانوں کے جہازوں پر ضرور حملہ کیجیو اور انہیں گرفتار کیجیو اور جو کوئی اسکندریہ کا ہو اسے قتل کر دیجیو یا میرے پاس لے آؤ۔ کپتان نے اس کی تعمیل کی اور اتنے لوگ قتل کر چکا ہے جتنے اس کے سر پر بال ہیں۔ اس کے بعد میری دادی کا انتقال ہو گیا۔ میں نے رمل کے ذریعے سے دریافت کیا کہ میں کس کے ساتھ شادی کروں گی؟ جواب یہ آیا کہ میں ایک ایسے شخص سے شادی کروں گی جس کا نام معتمد اور امین علاؤالدین ابوالشامات ہو گا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا اور میں برابر انتظار کرتی رہی یہاں تک کہ زمانے نے مجھے تجھ سے ملا دیا۔

غرض کہ علاؤالدین نے اس کے ساتھ شادی کر لی اور اس سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ میں وطن جاؤں۔ شہزادی بولی اگر یہی تیرا حکم ہے تو اٹھ اور میرے ساتھ چل۔

اس نے اسے لے جا کر ایک کمرے میں چھپا دیا جو محل کے اندر تھا اور خود اپنے باپ کے پاس گئی۔ باپ نے کہا کہ بیٹی آج مجھے بڑی گھبراہٹ ہے بیٹھ جا کہ ہم دونوں شراب پیئیں۔ شہزادی بیٹھ گئی اور اس نے مئے نوشی کا سامان منگوایا اور جام بھر بھر کر باپ کو پلانے لگی حتیٰ کہ وہ بے ہوش ہونے لگا۔ پھر اس نے ایک جام میں بھنگ ملا دی۔ وہ پیتے ہی غافل ہو کر گر پڑا۔ اب اس نے کمرے میں جا کر علاؤالدین کو نکالا اور کہنے لگی کہ اٹھ اور چل اور چل تیرا دشمن نشے میں مغلوب ہو چکا ہے۔ علاؤالدین بادشاہ کے پاس گیا تو اسے نشے میں چور پایا۔ اس کی مشکیں خوب زور سے کس دیں اور بیڑیاں ڈال کر بھنگ کا توڑ پلایا۔ اسے ہوش آ گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو انترویں راتے

جب دو سو انترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- علاؤالدین نے حسن مریم کے باپ بادشاہ کو بھنگ کا توڑ دیا اور اسے ہوش آ گیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی بیٹی اور علاؤالدین اس کے سینے پر سوار ہیں۔ کہنے لگا کہ بیٹی تو اور میرے ساتھ یہ حرکت! اس نے جواب دیا کہ اگر مجھے اپنی بیٹی سمجھتا ہے تو مسلمان ہو جا۔ میں مسلمان ہوں۔ حق ظاہر ہو چکا ہے، میں نے پیروی کی ہے اور باطل سے کناہہ کشی۔ میں اس خدا کی فرمانبردار ہوں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور میں دنیا اور آخرت کے بارے میں اسلام کے سوا تمام مذہبوں سے بیزار ہوں۔ اگر تو بھی اسلام قبول کر لے تو تیری جگہ میرے سر آنکھوں پر ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا کیونکہ تیرے زندہ رہنے سے تیرا مر جانا بہتر ہے۔

اس کے بعد علاؤالدین نے بھی اسے بہت سمجھایا لیکن وہ انکار کرتا رہا اور اپنی ضد پر اڑا رہا اس لیے علاؤالدین نے اپنا خنجر کھینچ کر اس کی گردن الگ کر دی اور سارے واقعات ایک کانڈ پر لکھ کر کانڈ اس کے ماتھے پر رکھ دیا اور جو چیزیں ہلکی اور قیمتی تھیں، انہیں لے کر دونوں محل سے نکلے اور دیر میں آ کر نگ نکالا اور اپنا ہاتھ اس طرف جدھر تخت بنا ہوا تھا، رگڑا۔ فوراً ایک تخت آ موجود ہوا۔ شنزادی، علاؤالدین اور اس کی بیوی زبیدہ عودیہ تینوں اس تخت پر بیٹھ گئے۔ شنزادی نے کہا کہ اے تخت! میں تجھے ان اسما، طلسمات اور جادو کا واسطہ دیتی ہوں جو اس نگ پر کندہ ہیں کہ تو ہمیں لے کر اڑ۔ تخت انہیں لے کر بلند ہوا اور اڑ کر ایک وادی میں پہنچا جہاں بالکل سبزہ نہ تھا۔ اب اس نے نگ کے باقی چار رخ اوپر کی طرف کیے اور تخت والا رخ نیچے کی طرف وہ زمین پر اتر آیا۔ پھر شنزادی نے نگ کا وہ رخ پھیرا جس پر شامیانے بنے ہوئے تھے اور اس پر ہاتھ مار کر کہا کہ اس وادی میں شامیانہ لگ جائے فوراً شامیانہ

لگ گیا اور اس کے اندر جا بیٹھے۔ یہ وادی بنجر تھی۔ نہ اس میں سبزہ تھا، نہ پانی۔ شنزادی نے پھر چار رخ اوپر کر کے کہا کہ خدا کے ناموں کی بدولت اس جگہ درخت اگ آئیں اور ایک دیا بنے لگے۔ پلک جھپکتے درخت اگ آئے اور صاف شفاف پانی کا دیا لہریں مارنے لگا۔ انہوں نے اس میں وضو کیا اور نماز پڑھی اور پانی پیا۔ اب اس نے باقی تین رخوں کو الٹ پلٹ کر اوپر کی طرف کیا جس پر دسترخوان بنا ہوا تھا اور کہنے لگی کہ خدا کے ناموں کی برکت سے دسترخوان بچھ جائے معاً دسترخوان بچھ گیا جس پر بہتر سے بہتر کھانے پینے ہوئے تھے، انہوں نے کھایا پیا۔ مزے لیے اور خوش ہوئے۔

ادھر تو یہ جنگل میں منگل منا رہے تھے۔ ادھر یہ ہوا کہ بادشاہ کا بیٹا جب اپنے باپ کو جگانے گیا تو دیکھا کہ وہ مرا پڑا ہے اور اس نے وہ کلند پڑھا جو علاؤالدین نے لکھا تھا۔ بہت گھبرایا۔ اس نے اپنی بہن کو تلاش کیا مگر وہ نہ ملی۔ دیر میں بھاگا ہوا بڑھیا کے پاس گیا اور اس سے اپنی بہن کے متعلق دریافت کیا تو اس نے کہا کہ میں نے کل سے اسے نہیں دیکھا۔ اب وہ اپنے لشکر میں پہنچا، لوگوں سے سارا ماجرا بیان کر کے کہا کہ سوار ہو جاؤ اور وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ جہاں علاؤالدین اور شنزادی شامیانے تانے بیٹھے تھے، اسی طرف ان کا رخ تھا۔ یکایک حسن مریم کو سامنے غبار سا اٹھتا ہوا نظر آیا۔ گرد کا پردہ چاک ہوا تو اس نے دیکھا کہ اس کا بھائی لشکر لیے چلا آ رہا ہے اور سوار پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ تم بھاگ کر کہاں جاؤ گے! ہم تمہارے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ لڑکی نے علاؤالدین سے کہا کہ جنگ میں تیرے پاؤں کس طرح جمتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ جیسے بھوسی میں کیلی۔ مجھے نہ لڑنا آتا ہے نہ مرنا مارنا۔ میں نہ شمشیر زنی جانتا ہوں اور نہ نیزہ بازی۔ لڑکی نے نگ نکال کر وہ رخ رگڑا جس پر گھوڑا اور سوار بنا ہوا تھا۔ رگڑنے کی دیر تھی کہ جنگل سے ایک سوار نکلا اور ان کے ساتھ لڑنے اور تلوار چلانے لگا یہاں تک کہ وہ ہار کر بھاگ گئے۔ اب شنزادی نے علاؤالدین سے پوچھا کہ تو اسکندریہ جانا چاہتا ہے یا قاہرہ۔ اس نے جواب دیا کہ اسکندریہ اور سب تخت پر سوار ہو گئے۔ لڑکی نے کوئی منتر پڑھا اور تخت

نے اڑ کر اسکندریہ کی شہر پناہ کے باہر اتار دیا۔ علاؤالدین ان کو ایک غار میں بٹھا کر شہر میں داخل ہوا اور وہاں سے کپڑے لا کر انہیں پہنائے۔ پھر انہیں ساتھ لے کر اپنی دوکان میں پہنچا جس کی پشت پر کوٹھڑی تھی۔ اس کے بعد وہ ان کے لیے شام کا کھانا لینے باہر نکلا ہی تھا کہ اسے سردار احمد دنف مل گیا جو بغداد سے آیا تھا۔ یہ ملاقات عین سڑک پر ہوئی وہ اس کے گلے سے لپٹ گیا اور سلام کیا اور مرحبا کہا۔ سردار احمد دنف نے اسے بیٹے کی مبارک باد دی اور کہا کہ اب اس کی عمر بیس سال ہے۔ علاؤالدین نے اس سے شروع سے آخر تک اپنا سارا ماجرا بیان کیا اور اسے اپنی دوکان پر لا کر کوٹھڑی میں لے گیا۔ احمد دنف کو سخت تعجب تھا کہ اس تھوڑی سی مدت میں کیا کیا واقعات گزر گئے۔

رات گزرنے کے بعد جب صبح ہوئی تو علاؤالدین نے دوکان پر پہنچ کر اس کے دام بھی اس پونجی کے ساتھ رکھ لیے جو اس کے پاس تھی۔ اس کے بعد احمد دنف نے علاؤالدین سے کہا کہ خلیفہ نے تجھے بلایا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں پہلے قاہرہ جا کر اپنے والدین اور خاندان کو سلام کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ وہ سب تخت پر سوار ہو کر قاہرہ کے مبارک شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ دو چار دفعہ آنکھ جھپکی تھی کہ دب اصغر میں جا کر اترے۔ اسی محلے میں اس کا گھر تھا۔ علاؤالدین نے اپنے مکان پر دستک دی۔ اس کی ماں نے پوچھا کون ہے؟ میرے پیارے تو گم ہو گئے۔ اس نے جواب دیا کہ میں علاؤالدین ہوں پھر تو سب کے سب باہر آ کر اس سے بغل گیر ہونے لگے۔ بعد ازاں وہ اپنی بیویوں اور سارے سامان کو اندر لے گیا۔ احمد دنف اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ تین دن تک انہوں نے آرام کیا، چوتھے روز علاؤالدین نے بغداد جانے کی اجازت مانگی مگر اس کے باپ نے کہا کہ بیٹا اب میرے پاس ٹھہر۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے اپنے بیٹے اصلمان کی جدائی کی تاب نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے ماں باپ کو بھی ساتھ لیا اور بغداد روانہ ہو گیا۔

وہاں پہنچ کر احمد دنف خلیفہ کے پاس گیا اور اسے علاؤالدین کے آنے کی خوشخبری دی

ور اس کا سارا قصہ بیان کیا۔ خلیفہ اس کے بیٹے اصلان کو لے کر اس سے ملنے آیا اور سب کو گلے لگایا۔ اب خلیفہ نے احمد ققام کو حاضر کرنے کا حکم دیا اور وہ پا بہ زنجیر سامنے لایا گیا۔ خلیفہ نے علاؤالدین سے کہا کہ لے یہ تیرا دشمن تیرے سامنے ہے۔ علاؤالدین نے تلوار کھینچ کر ایسا ہاتھ لگایا کہ احمد ققام کی گردن اڑ گئی۔ اس کے بعد خلیفہ نے علاؤالدین کی خوشی میں جشن کیا اور قاضیوں اور گواہوں کو بلوا کر اس کا نکاح نامہ حسن مریم کے ساتھ لکھوا دیا۔ جب وہ اس سے ہم بستر ہوا تو دیکھا کہ وہ ناسفہ موتی ہے۔ اس کے بعد خلیفہ نے اس کے بیٹے اصلان کو ساٹھ سرداروں کا سپہ سالار بنایا اور ان سب کو خلعت عطا کیے اور نہایت عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنے لگے۔ یہاں تک کہ لذتوں کو کرکرا اور محبتوں کو درہم برہم کرنے والی موت آ پہنچی۔

○ حاتم طائی کی کہانی

بڑے آدمیوں کی کہانیاں بہت ہیں۔ منجملہ ان کے حاتم طائی کی سخاوت کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اسے ایک پہاڑ پر دفن کیا اور قبر کے سرہانے دو پتھروں کو تراش کر دو حوضیاں بنائیں اور پتھر ہی کی دو لڑکیاں بنائیں جن کے بال کھلے ہوئے تھے۔ اس پہاڑ کے نیچے ایک ندی بہتی تھی۔ جب مسافر وہاں اترتے تو انہیں رات کے وقت عشاء سے لے کر صبح تک رونے کی آوازیں سنائی دیتیں اور صبح ہوتی تو انہیں ان دو پتھر کی مورتیوں کے سوا کچھ نہ دکھائی دیتا تھا۔ ایک بار یمن کے بادشاہ ذوالکراع اپنے قبیلے سے روانہ ہو کر اس وادی میں اترا اور اس نے رات وہیں گزاری۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو سترویں رات

دو سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب ذوالکراغ اس وادی میں اترا اور رات کو وہیں ٹھہر گیا۔ وہ جگہ قبر کے قریب تھی اسے رونے کی آواز سنائی دی تو اس نے پوچھا کہ پہاڑ کے اوپر یہ واویلا کیسا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہاں حاتم طائی کی قبر ہے۔ پتھر میں کھدی ہوئی دو حوضیاں اور دو لڑکیوں کے پتلے ہیں جن کے بال کھلے ہوئے ہیں۔ جو لوگ یہاں اترتے ہیں، انہیں رات کے وقت رونے پینے کی یہی آواز سنائی دیتی ہے۔ ذوالکراغ نے حاتم طائی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ اے حاتم ہم آج رات تیرے مہمان ہیں۔ اس کے بعد اسے نیند آ گئی۔ تھوڑی دیر میں وہ ڈر کر جاگ پڑا اور کہنے لگا کہ اے عربو دوڑو۔ میری سواری کے اونٹ کی خبر لو۔ لوگ جو اس کے پاس آتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ اونٹ پڑا تڑپ رہا ہے۔ انہوں نے اسے ذبح کر کے پکایا اور کھایا۔ کھاپی کر بادشاہ سے پوچھنے لگے کہ یہ کیا بات ہوئی؟ اس نے کہا کہ جب مجھے نیند آ گئی تو میں نے حاتم طائی کو دیکھا، وہ کہتا ہے کہ تو ہمارے ہاں مہمان بن کر آیا ہے اور ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ یہ کہہ کر اس نے میرے اونٹ پر تلوار ماری۔ اگر تم فوراً پہنچ کر ذبح نہ کر دیتے تو وہ مردار ہو جاتا، صبح ہوئی تو ذوالکراغ نے اپنے ایک ساتھی کے اونٹ پر بیٹھ کر اسے پیچھے بٹھا لیا۔ چلتے چلتے دوپہر آ گئی تو انہیں ایک ناقہ سوار دکھائی دیا جو اپنے ساتھ ایک کوتل اونٹنی لیے آ رہا تھا۔

اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں عدی بن حاتم طائی ہوں اور یمن کا سردار ذوالکراغ کہاں ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ وہ یہ ہے۔ عدی بولا اس اونٹنی پر سوار ہو۔ یہ تیری اونٹنی کے بدلے میں ہے کیونکہ تیری اونٹنی کو میرے باپ نے تیرے لیے ذبح کر دیا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تجھے یہ کیونکر معلوم ہوا؟ اس

نے جواب دیا کہ آج رات جبکہ میں سو رہا تھا، میں نے خواب میں اپنے باپ کو دیکھا وہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ اے عدی یمن کا بادشاہ ذوالکراع میرا مہمان تھا اور میرے پاس کوئی چیز نہ تھی کہ اس کی مہمان داری کرتا اس لیے میں نے اس کی اونٹنی فسخ کر ڈالی تو اسے دوسری اونٹنی دے آتا کہ وہ اس پر سوار ہو۔ ذوالکراع نے وہ اونٹنی لے لی اور حیران ہو گیا کہ حاتم طائی کی سخاوت زندگی میں اور موت کے بعد یکساں ہے۔

○ معن بن زائدہ کی کہانی

خدا کے اچھے بندوں کی کہانیوں میں سے معن بن زائدہ کی بھی ایک کہانی بیان کی جاتی ہے کہ وہ ایک دن سیر و شکار کے لیے گیا ہوا تھا۔ اسے پیاس لگی مگر اس کے غلاموں کے پاس بالکل پانی نہ نکلا۔ اتنے میں تین لڑکیاں تین مشکیں پانی کی لیے ہوئے اس کے پاس سے گزریں۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو اکترویں راتے

جو دو سو اکترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- لڑکیاں تین مشکیں لیے ہوئے اس کے پاس سے گزریں۔ اس نے ان سے پانی مانگا۔ انہوں نے اسے پانی پلایا۔ اب اس نے اپنے غلاموں سے کہا کہ انہیں کچھ دے دو لیکن ان کے پاس سے کچھ نہ نکلا۔ اس لیے اس نے ہر لڑکی کو اپنے ترکش میں سے دس دس تیر نکال کر دے دیئے جن کی سقاء سونے کے تھے۔ یہ دیکھ کر ایک لڑکی نے اپنی بھولی سے کہا کہ ایسی باتیں کرنے والا تو سوائے معن بن زائدہ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

ایک بار کا اور واقعہ یہ ہے کہ معن بن زائدہ اپنے آدمیوں کے ساتھ شکار کے لیے نکلا۔ سامنے ہرنوں کا ایک گلہ دکھائی دیا۔ ہر ایک ان میں سے ایک ایک ہرن کے پیچھے لگ گیا۔ معن نے بھی تنہا ایک ہرن کا پیچھا کیا۔ جب وہ ہرن اس کے ہاتھ لگا تو اس نے اتر کر اسے ذبح کیا۔ اتنے میں اس کی نظر پڑی کہ جنگل کی طرف سے ایک شخص گدھے پر سوار چلا آتا ہے۔ معن گھوڑے پر سوار ہو کر اس کے پاس پہنچا اور پوچھا کہ تو کہاں سے آتا ہے؟ اس نے کہا کہ بنو قضاء کی سر زمین سے۔ کئی سال سے وہاں قحط سالی تھی۔ امسال بارش ہوئی ہے اور میں نے بیج بوئے ہیں لیکن بے وقت بوئے ہیں۔ ان میں سے اچھے اچھے کھیرے لے کر میں امیر معن بن زائدہ کے پاس جا رہا ہوں، کیونکہ اس کی سخاوت اور کشادہ دلی مشہور ہے۔ معن نے کہا کہ تجھے کیا ملنے کی امید ہے؟ وہ بولا ایک ہزار دینار۔ معن کہنے لگا کہ اگر وہ کہے کہ یہ زیادہ ہے اس نے کہا کہ پانچ سو دینار۔ معن نے کہا کہ اگر وہ اسے بھی زیادہ سمجھے، اس نے جواب دیا کہ تین سو دینار۔ معن نے کہا کہ اگر وہ اسے بھی زیادہ بتائے۔ اس نے جواب دیا کہ دو سو دینار۔ معن نے کہا کہ اگر یہ بھی اس کے خیال میں زیادہ ہوں، اس نے کہا تو پھر سو دینار۔ معن نے کہا کہ اگر وہ اسے بھی زیادہ سمجھے۔ اس نے

جواب دیا کہ پچاس دینار؟ معن نے کہا کہ اگر یہ بھی زیادہ ہوں، اس نے جواب دیا کہ پھر تیس دینار۔ معن نے کہا کہ اگر وہ کہے کہ زیادہ ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ تو پھر میں اپنے گدھے کی ٹانگیں اس کی جوڑو کے اندر گھیڑ کر خالی ہاتھ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ جاؤں گا۔ اس پر معن ہنس پڑا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر اپنی فوج کے پاس پہنچا اور اپنے شامیانے میں چلا گیا اور اپنے حاجب سے کہا کہ ایک شخص گدھے پر سوار کھیرے لے کر آئے گا، اسے میرے پاس لے آؤ۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ آدمی پہنچ گیا اور حاجب نے اس کے لیے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ جب وہ امیر معن کے سامنے آیا تو اس نے یہ نہ پہچانا کہ یہ وہی شخص ہے جو اسے جنگل میں ملا تھا کیونکہ اس پر جلال اور دبہ تھا اور بے شمار نوکر چاکر تھے اور وہ امارت کی کرسی پر جلوہ افروز تھا۔ بڑے بڑے سردار اس کے دائیں بائیں اور آگے کھڑے ہوئے تھے۔ بدو نے اسے سلام کیا تو اس نے پوچھا کہ اے عرب کیسے تیرا آنا ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ امیر سے ملنا چاہتا ہوں، میں اس کے لیے بے فصلی کھیرے لایا ہوں۔ معن نے سوال کیا تو ہم سے کتنی امید رکھتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ایک ہزار دینار۔ معن نے کہا کہ یہ مقدار زیادہ ہے۔ اس نے کہا تو پھر پانچ سو دینار سہی۔ معن نے کہا کہ زیادہ ہے، اس نے کہا کہ تین سو دینار۔ معن نے کہا زیادہ ہے۔ اس نے کہا کہ دو سو دینار۔ معن نے کہا کہ زیادہ ہے۔ اس نے کہا کہ سو دینار سہی۔ معن نے کہا کہ زیادہ ہے۔ اس نے کہا کہ پچاس دینار۔ معن نے کہا زیادہ ہے۔ اس نے کہا تیس دینار معن نے کہا زیادہ ہے۔ بدو نے کہا کہ واللہ جو شخص مجھے جنگل میں ملا تھا بڑا منحوس تھا۔ تو کیا پھر میں تیس دینار سے کم نہ کروں؟ معن ہنس کر چپ ہو گیا اور بدو تاڑ گیا کہ یہ وہی ہے جو اسے جنگل میں ملا تھا اور کہنے لگا اے میرے آقا اگر تو، تیس دینار بھی نہ دے تو لے میرا گدھا دروازے پر بندھا ہوا ہے اور یہ معن بیٹھا ہوا ہے۔ اس پر معن ہنستے ہنستے لوٹ گیا اور اس نے اپنے وکیل کو بلا کر کہا کہ اسے ایک ہزار اور پانچ سو اور تین سو اور دو سو اور ایک سو

اور پچاس اور تیس دینار دے دے اور گدھے کو اپنی جگہ بندھا رہنے دے۔ بدو اس پر ہکا بکا ہو کر رہ گیا اور دو ہزار ایک سو اسی دینار لے لیے۔ خدا ان سب پر رحمت بھیجے!

URDU4U.COM

○ لبطیط شر کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ----- میں نے یہ بھی کہانی سنی ہے کہ لبطیط نامی ایک شر تھا۔ روم کے ملکوں میں سے ایک ملک کا دارالسلطنت وہاں ایک محل تھا جو ہمیشہ بند رہتا اور جب ایک بادشاہ مرتا اور دوسرا فرنگی بادشاہ حکمران ہوتا تو اس میں ایک قفل ڈال دیتا یہاں تک کہ چوبیس قفل ہو گئے۔ ہر بادشاہ کا ایک قفل۔ اس کے بعد ایک شخص تخت پر بیٹھا جو شاہی خاندان سے نہ تھا۔ اس نے چاہا کہ اس قفلوں کو کھول کر دیکھے کہ محل کے اندر کیا ہے۔ ملک کے بڑے لوگوں نے اس فعل سے اس کو منع کیا، ناراض ہوئے اور اسے برا بھلا کہا لیکن اس نے ایک نہ سنی کہا کہ میں ضرور اس محل کو کھولوں گا۔ انہوں نے اسے اپنی ساری دولت دینے کا وعدہ کیا بشرطیکہ وہ اسے نہ کھولے پھر بھی وہ اس خیال سے باز نہ آیا۔ اور شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو بہتر دین راتے

جب دو سو بہتر دین رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- امراء نے اس بادشاہ کو بے حد مال و دولت دینے کا وعدہ کیا بشرطیکہ وہ اس محل کو نہ کھولے لیکن وہ کھولنے سے باز نہ آیا اور اس نے سارے قفل تڑوا کر دروانہ کھول دیا۔ دیکھا کہ محل میں عربوں کے مجسمے ہیں جو اپنے گھوڑوں اور اونٹوں پر بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ پگڑیاں باندھے ہوئے ہیں۔ جن کے شملے لٹک رہے ہیں۔ تلواریں لگائے ہوئے اور لمبے لمبے بھالے ہاتھوں میں لیے ہوئے ہیں۔ وہاں اسے ایک لکھا ہوا کاغذ ملا اس نے پڑھا تو اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ جب یہ دروانہ کھلے گا تو اس ملک پر عربوں کی ایک قوم غالب آ جائے گی اور ان کی شکلیں ان سنگین تصویروں کی سی ہو گئی لہذا خبردار اسے کوئی نہ کھولے۔ یہ شر اندلس میں تھا۔ خدا کی شان اسی سال بنو امیہ کے بادشاہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں اس شہر کو طارق بن زیاد نے فتح کیا اور اس بادشاہ کو بری طرح مارا۔ شہر کو لوٹا، عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا اور اس کی ساری دولت اس کے ہاتھ لگی۔ بڑے بڑے ذخیرے ملے۔ جن میں ایک سو ستر سے زیادہ موتیوں اور یاقوت اور قیمتی پتھروں کے تاج تھے۔ اس محل میں ایک کمرہ اتنا بڑا تھا کہ اس میں سوار نیزے پھینک سکیں۔ اس میں سونے اور چاندی کے ایسے برتن تھے جن کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ وہاں نبی اللہ سلیمان بن داؤد علیہم السلام کا دسترخوان تھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ سبز زمرہ کا تھا۔ یہ دسترخوان اب تک روم کے شہر میں موجود ہے۔ اس کے برتن سونے کے ہیں اور رکابیاں زبرجد کی۔ اور اس میں ایک نسخہ زبور کا تھا جو یونانی زبان میں سونے کے پتر پر لکھا ہوا تھا جس میں ہیرے جڑے تھے۔ ایک اور کتاب بھی ملی جس میں جمادات اور نباتات کے فوائد درج تھے۔ شہروں اور بستیوں کے نام اور طلسم اور سونے چاندی کی کیمیا کا علم درج تھا۔ دوسری کتاب بھی ہاتھ میں آئی جو یاقوت

اور دوسرے پتھروں کے تراشنے کی صنعت کے متعلق تھی۔ زہر اور تریاق بنانے کے نسخے لکھے ہوئے تھے۔ زمین، سمندروں، شہروں اور معدنوں کا نقشہ تھا۔ اس محل میں ایک کمرہ اکیسر سے بھرا ہوا دیکھا جس کا ایک درہم ایک ہزار درہم چاندی کو خالص سونا بنا دے۔ ایک گول بہت بڑا اور عجیب و غریب آئینہ پایا جو مختلف دھاتوں کا بنا ہوا تھا اور نبی اللہ سلیمان علیہم السلام کے لیے بنایا گیا تھا۔ جب کوئی اسے دیکھتا تو اسے ساتوں اقلیمیں دکھائی دیتیں۔ اس محل میں ایک بیٹھک تھی جس میں ایسے زرد رنگ کے لعل تھے جن کی کیا تعریف ہو سکے۔ طارق نے ان سب کو جمع کر کے ولید بن عبدالملک کے پاس بھیج دیا اور سارے شہروں میں عرب پھیل گئے۔ وہ بہت بڑا ملک ہے اور یہ لبطیط کے خاتمے کی کہانی ہے۔

○ ہشام بن عبدالملک اور بدو لڑکے کی کہانی

ایک کہانی اور سن، ایک دن ہشام بن عبدالملک بن مروان شکار کھیلنے گیا ہوا تھا کہ اسے ایک ہرن دکھائی دیا۔ اس نے کتوں کو لے کر اس کا پیچھا کیا۔ ابھی وہ ہرن کا پیچھا کر ہی رہا تھا کہ اس کی نظر ایک بدو لڑکے پر پڑی جو بھیڑیں چرا رہا تھا۔ ہشام نے کہا کہ اے لڑکے اس ہرن کے پیچھے دوڑ کیونکہ وہ میری زد سے نکل بھاگا ہے۔ لڑکے نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگا کہ اے نیک لوگوں کی قدر نہ کرنے والے تو نے مجھے ذلت کی نظر سے دیکھا اور پھر حقارت سے باتیں کیں۔ تیری باتیں ظالموں کی سی ہیں اور تیرا فعل گدھے کا سا۔ ہشام نے کہا کہ تف ہو تجھ پر، کیا تو نے مجھے پہچانا نہیں؟ لڑکے نے جواب دیا کہ میں نے تجھے خوب پہچان لیا کہ تو بدتمیز ہے کیونکہ تو نے بے سلام کیے باتیں شروع کر دیں۔ ہشام بولا، حیف ہو تجھ پر! میں ہشام بن عبدالملک ہوں۔ بدو نے کہا کہ خدا تیرے گھر میں نہ حرکت دے اور نہ تیرے مزار پر رحمت بھیجے۔ تیری بک بک بہت زیادہ ہے اور خوش خصلتی بہت

کم۔ ابھی وہ اپنی بات پوری نہ کر پایا تھا کہ چاروں طرف سے لشکر آ پہنچا اور ہر ایک ان میں سے کہنے لگا کہ السلام علیک یا امیرالمومنین! ہشام نے کہا کہ ان باتوں کو چھوڑ کر پہلے اس لڑکے کو حراست میں لے لو۔ انہوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ لڑکے نے اس قدر حاجبوں اور وزیروں اور امیروں کو دیکھنے کے بعد بھی بالکل توجہ نہ کی اور نہ ان سے پوچھا کہ کون ہو بلکہ اپنی ٹھوڑی کو سینے سے لگا کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھتا رہا۔

یہاں تک کہ وہ ہشام کے آگے پیش کیا گیا۔ لڑکا سر زمین کی طرف جھکائے اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ نہ سلام کیا نہ کوئی بات کی۔ ایک ملازم بولا اے بدو کتے تو امیرالمومنین کو سلام کیوں نہیں کرتا؟ لڑکے نے اس کی طرف غصے سے دیکھ کر کہا اے گدھے کی جھول راستے کی درازی اور اوپر کی چڑھائی اور پسینے کی وجہ سے میں نے یہ بات نہ کی۔ اس پر ہشام کا غصہ اور زیادہ ہو گیا۔ جھنجھلا کر کہنے لگا اے لڑکے، تو اور تیری موت دونوں یہاں ساتھ ساتھ آئے ہیں۔ تیری امیدیں منقطع ہو چکی ہیں اور تیری زندگی کا آخری لمحہ آ گیا۔ لڑکے نے جواب دیا اے ہشام، خدا کی قسم اگر میری زندگی میں ابھی کچھ دن باقی ہیں اور اجل کے آنے میں دیر ہے تو تیری کوئی بات خواہ وہ تھوڑی ہو یا بہت، مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ حاجب نے کہا کہ اے ذلیل بدو کیا تو اتنا بلند پایہ ہو گیا کہ امیرالمومنین سے دو بدو ہو کر باتیں کرتا ہے؟ لڑکے نے فوراً جواب دیا کہ برباد ہو تو اور ہلاکت تیرا ساتھ کبھی نہ چھوڑے! کیا تو نے خدا کا یہ قول نہیں سنا کہ ”یوم تاتی کل نفس تجادل عن نفسها.....“ یہ سن کر ہشام کے غصے کی انتہا نہ رہی، وہ اٹھ کھڑا ہوا اور جلاد کو حکم دیا کہ اس لڑکے کا سر کاٹ کر لے آئے کیونکہ یہ ایسی باتیں کر رہا ہے جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتیں۔ جلاد لڑکے کو لے کر قتل کے بورے پر لے گیا اور تلوار کھینچ کر کہنے لگا امیر المومنین یہ تیرا حقیر بندہ ہے اور گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے کیا میں اس کی گردن اڑا دوں؟ مگر میں اس کے خون سے بری ہوں۔ ہشام نے کہا کہ ہاں۔ جلاد نے پھر

دوبارہ اجازت مانگی اور ہشام نے اجازت دے دی۔ پھر اس نے تیسری بار پوچھا۔ لڑکے کو یقین ہو گیا کہ اگر اس بار بھی اجازت دے دی تو جلد میری گردن اڑا دے گا۔ یکایک اس زور سے کھلکھلا کر ہنسا کہ اس کے دانت دکھائی دینے لگے۔ اس حرکت پر ہشام کو اور زیادہ طیش آ گیا وہ کہنے لگا اے لڑکے میرے خیال میں تیرا دماغ صحیح نہیں۔

تجھے معلوم نہیں کہ تو دنیا سے جا رہا ہے؟ پھر کیوں ہنس کر اپنا مذاق اڑوانا چاہتا ہے؟ اس نے کہا کہ امیرالمومنین اگر میری زندگی باقی ہے تو مجھے نہ تھوڑے سے نقصان پہنچ سکتا ہے اور نہ بہت سے۔ چند اشعار اس وقت میرے خیال میں آئے ہیں انہیں سن لے کیونکہ میں تو بہر حال قتل ہوں گا۔ ہشام نے کہا کہ اچھا سن۔ لڑکے نے یہ اشعار پڑھے:

”ایک بار جنگل کی ایک چڑیا قسمت کی ماری کسی باز کے پنچے میں پھنس گئی۔ جب باز اسے اپنے پنچے میں دبا کر اڑا تو چڑیا نے کہا کہ میں اتنی ذرا سی جان ہوں کہ اگر تو نے مجھے کھایا تو تیرا پیٹ تو بھرے گا نہیں۔ یہ سن کر باز غرور سے مسکرایا اور چڑیا کو چھوڑ دیا۔“

ہشام ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کی قسم اگر یہ پہلے ہی سے ایسی باتیں کرتا تو علاوہ خلافت کے جو مانگتا میں اسے دیتا۔ اے خادم اس کا منہ ہیرے جواہرات سے بھر دے اور اسے بہت کچھ عطا کر۔ خادم نے بدو کو بہت کچھ انعام دیا اور وہ اسے لے کر چلتا ہوا۔

○ ابراہیم بن مہدی کی کہانی

منجملہ نفیس کہانیوں کے ہاروان الرشید کے بھائی ابراہیم بن مہدی کی بھی ایک کہانی ہے۔ جب اس کا بھتیجا اس کے بھائی ہارون الرشید کا بیٹا مامون خلیفہ ہوا تو اس نے مامون

کی بیعت نہیں کی بلکہ وہاں پہنچ کر خود خلافت کا دعویٰ کیا اور ایک ہی سال گیارہ مہینے اور دس دن تک اپنی بات پر اڑا رہا اور اس کا بھتیجا مامون اس امید میں رہا کہ وہ اس کی اطاعت کر لے گا اور اس کے ساتھ شامل ہو جائے گا لیکن جس وقت اسے ناامیدی ہو گئی تو وہ سواروں اور پیادوں کے ساتھ آ ہی پہنچا اور اس کی تلاش کرنے لگا۔ ابراہیم کو یہ خبر ملی تو قتل کے ڈر سے بغداد میں جا چھپا۔ مامون نے اعلان کر دیا کہ جو کوئی اس کا پتا دے گا اسے ایک لاکھ دینار انعام ملے گا۔ ابراہیم کا بیان ہے کہ جب میں نے سنا کہ اتنی بڑی مقدار میرے سر کی بازی پر لگائی گئی ہے تو مجھے اپنی جان کا اور زیادہ ڈر ہوا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• دو سو تہترویں رات

دو سو تہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- ابراہیم کا بیان ہے کہ جب مجھے اس مقدار کا علم ہوا تو جان کے لالے پڑ گئے اور اپنے متعلق میں بے حد حیران و پریشان ہو گیا۔ اسی تردد میں ظہر کے وقت بھیس بدل کر اپنے مکان سے نکلا مگر میری سمجھ میں نہ آتا تھا کدھر جاؤں۔ آخر میں ایک اندھی گلی میں گھس گیا اور کہنے لگا کہ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ میں اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہا ہوں۔ اگر میں یہاں سے پلٹا تو لوگوں کو میرے اوپر شبہ ہو گا کیونکہ میں بھیس بدلے ہوئے ہوں۔ گلی کے دوسرے سرے پر میری نظر ایک حبشی غلام پر پڑی جو اپنے دروازے پر کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اس کے پاس جا کر پوچھا کہ تیرے ہاں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں میں ایک گھڑی دن گزار سکوں؟ اس نے کہا کہ ہاں اور دروانہ کھول دیا۔ میں اندر داخل ہوا۔ دیکھا کہ مکان نہایت صاف ستھرا ہے، فرش اور قالین لگے ہوئے ہیں اور چمڑے کے تکیے رکھے ہیں۔ مجھے اندر داخل کر کے اس نے دروانہ بند کر دیا اور خود باہر چلا گیا۔ مجھے خیال ہوا کہ اس نے میرے متعلق انعام کا ذکر سن لیا ہے اور میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ وہ ضرور میری خبر دینے گیا ہو گا۔ اب میری یہ حالت تھی جیسے کہ آگ پر ہانڈی ور میں بے حد متفکر تھا۔ یہی سوچ رہا تھا کہ اتنے میں وہ ایک حمال کو لیے ہوئے واپس آیا۔ جس کے سر پر روٹیاں، گوشت، نئی ہانٹیاں، کھانے پینے کا دوسرا سامان، ایک نیا گھڑا کورے کوزے اور باقی ضرورت کی چیزیں تھیں۔ حبشی نے وہ چیزیں حمال کے سر سے اتروا کر مجھ سے کہا کہ قربان جاؤں تیرے! میں حجام ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ میرے پیٹے کی وجہ سے تجھے مجھ سے گھن آئے گی۔ لہذا ان چیزوں کو لے۔ ان پر ابھی تک کسی کا ہاتھ نہیں لگا ہے، ان کو تو استعمال کر۔

ابراہیم نے کہا کہ مجھے سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے لیے ایک ہانڈی میں کھانا پکایا اور خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی ایسا کھانا کھایا تھا۔ جب میں کھاپی چکا تو اس نے کہا اے میرے آقا! خدا مجھے تیرے اوپر قربان کرے! تجھے شراب کا بھی شوق ہے؟ اس سے دل خوش ہوتا ہے اور غم غلط؟ میں نے حجام کی خاطر سے کہا کہ مجھے اس سے نفرت نہیں۔ یہ سن کر وہ بلور کے نئے پیالے لایا جن کو ابھی تک کسی نے چھوا نہ تھا اور ایک نفیس ٹھلیا اور کہنے لگا کہ جس طرح تجھے پسند ہو، خود چھان کر پی میں نے نہایت عمدگی سے چھانا۔ اس کے بعد وہ ایک نیا جام لایا، مٹی کے کورے برتنوں میں پھل اور پھول۔ اور مجھ سے کہنے لگا کہ اگر اجازت ہو تو میں بھی ایک طرف بیٹھ کر اکیلا شراب پیوں تاکہ مجھے اور تجھے دونوں کو سرور ہو۔ میں نے جواب دیا کہ ہاں پی۔ ہم دونوں پینے لگے اور شراب کا نشہ مجھ پر چڑھنے لگا۔ حجام اٹھ کر ایک کوٹھڑی میں گیا اور ایک ساز لا کر کہنے لگا کہ اے میرے آقا یہ تو میری مجال نہیں کہ میں تجھ سے گانے کے لیے کہوں لیکن تیری انتہائی مروت کی وجہ سے تجھ پر احترام کا حق واجب ہو گیا ہے۔ اگر تیری مرضی ہو کہ تو اپنے غلام کو عزت بخشے تو میری سر آنکھوں پر۔ مجھے یہ گمان بھی نہ تھا کہ وہ مجھے پہچانتا ہے۔ اس لیے میں نے کہا کہ تجھے کیونکر معلوم ہوا کہ میں اچھا گاتا ہوں؟ اس نے جواب دیا کہ سبحان اللہ! ہمارے آقا کی شہرت اس سے بھی زیادہ ہے۔ تو میرا آقا! ابراہیم بن مہدی ہے جو کل تک ہمارا خلیفہ تھا اور جس کے متعلق مامون نے یہ منادی کرائی ہے کہ جو کوئی تیرا پتہ بتائے گا، وہ ایک لاکھ دینار پائے گا مگر میری طرف سے تجھے اطمینان ہونا چاہیے۔

ابراہیم کا بیان ہے کہ جب اس نے یہ کہا تو اس کی عزت میرے دل میں بڑھ گئی، میں اس کی مروت کا قائل ہو گیا، اس کی خواہش پوری کرنے کے لیے ساز لیا اور اس کے تار ملا کر گانا بجانا شروع کر دیا۔ وہ بہت خوش ہوا، اسے نہایت لطف آیا۔ لوگوں کا بیان ہے کہ ابراہیم کے پڑوسی اگر اس کی زبان سے یہ الفاظ بھی سن لیتے کہ

اے غلام، خچر پر زین رکھ تو انہیں وجد آنے لگتا تھا۔ جب حجام کا دل خوش ہو گیا تو اس نے کہا کہ اے میرے آقا اجازت ہو تو جو کچھ میرے دل میں آیا ہے، میں بھی کہوں اگرچہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ میں نے کہا کہ ہاں ضرور کہہ۔ یہ تیرے اخلاق اور مروت کی دلیل ہے۔ اس پر وہ سارے لے کر گانے لگا۔ ابراہیم کہتا ہے کہ میں نے اس سے کہا کہ اے دوست تو نے مجھ پر بڑا احسان کیا اور میرا غم غلط کر دیا۔ ایسا ہی کوئی اور گیت گا اور وہ گانے لگا۔ ابراہیم کا بیان ہے کہ اس کے راگ سن کر مجھے حیرت ہو گئی اور میرے دل کو بڑا حظ حاصل ہوا۔ اس کے بعد میں سو گیا اور جب میری آنکھ کھلی تو عشا کا وقت ہو چکا تھا۔ میں نے منہ دھویا، میرے دل پر اس حجام کی نفاست اور اخلاق کا بڑا اثر تھا۔ میں نے اسے جگایا اور اپنے پاس سے ایک تھیلی نکال کر جس میں بہت سے دینار تھے، اس کی طرف پھینکی اور اس سے کہا کہ تجھے خدا کے سپرد کرتا ہوں، مجھ کو اب جانے دے میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو، اس تھیلی میں سے اپنی ضروریات پر خرچ کر۔ اگر میرا خوف کا زمانہ جاتا رہا تو میں تجھے اور زیادہ عطا کروں گا۔ ابراہیم کہتا ہے کہ اس نے وہ تھیلی واپس کر دی اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا گو ہمارے جیسے فقیروں کی تیرے آگے کوئی قدر و منزلت نہیں لیکن میری مروت یہ گوارا نہیں کرتی کہ قسمت نے جو تیرا قرب اور تیری مہمانی مجھ کو عطا کی ہے اس کی تجھ سے قیمت لوں۔ اگر تو نے اس بارے میں اور کوئی بات کی اور میری طرف پھر یہ تھیلی پھینکی تو میں خود کشی کر لوں گا۔ ابراہیم نے بیان کیا کہ میں نے وہ تھیلی اپنی آستین میں رکھ لی۔ اگرچہ وہ مجھے بہت گراں معلوم ہوتی تھی۔

اور شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو چوتھریں رات

دو سو چوتھریں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- ابراہیم بن مہدی کا بیان ہے کہ میں نے تھیلی لے کر اپنی آستین میں رکھ لی اگرچہ وہ مجھے بہت گراں معلوم ہوتی تھی اور وہاں سے چل دیا۔ میں دروازے پر پہنچا تھا کہ اس نے آواز دے کر کہا کہ اے میرے آقا یہ مکان تیرے لیے دوسری جگہوں سے زیادہ محفوظ ہے اور تیرے کھلانے پلانے میں مجھ پر کوئی بار نہیں۔ بہتر ہے کہ جب تک خدا تیری مصیبت دور کر دے یہیں ٹھہر۔ یہ سن کر میں پلٹ آیا اور بولا کہ محض اس شرط پر کہ تو اس تھیلی میں سے لے کر خرچ کرے۔ اس کی باتوں سے مجھے یہ گمان ہوا کہ وہ اس شرط پر راضی ہے اور میں ایک زمانے تک اس کے ہاں نہایت عیش و عشرت کے ساتھ رہا لیکن اس نے اس تھیلی میں سے کچھ خرچ نہ کیا۔ مجھ پر یہ گراں گزرا کہ اس کی روٹی کھاؤں اور اسے تکلیف ہو۔ اس لیے میں نے ایک دن عورتوں کا لباس پہنا۔ مثلاً جوتیاں اور نقاب اور اس کے گھر سے چل دیا۔ سڑک پر پہنچا تو مجھے بہت ڈر لگا اور جب میں پل پر سے گزر رہا تھا جس پر چھڑکاؤ کیا ہوا تھا تو ایک سپاہی کی نظر مجھ پر پڑی جو پہلے میرے پاس نوکر تھا۔ مجھے پہچانتے ہی اس نے چلا کر کہا کہ مامون اسی شخص کی تلاش میں ہے اور مجھے گھیر لیا لیکن چونکہ مجھے جان پیاری تھی میں نے اسے اور اس کے گھوڑے کو اس زور سے دھکیلا کہ دونوں یکچڑ میں گر پڑے اور ان سے عبرت حاصل کرنے والوں کو عبرت ہوئی۔ لوگ اس کی طرف دوڑے۔ اتنے میں میں بھاگ کر پل کے پار ہو گیا اور ایک گلی میں جا گھسا۔ وہاں دیکھا کہ ایک مکان کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور ایک عورت دہلیز پر کھڑی ہے۔ میں نے کہا کہ اے میری آقا میرے اوپر رحم کر اور میری جان بچا۔ میں موت کے ڈر سے یہاں آیا ہوں۔ وہ بولی میں مرحبا کہتی ہوں اور تیرا خیر مقدم کرتی ہوں، اندر آ جا۔ یہ کہہ

کر وہ مجھے بالا خانے پر لے گئی اور وہاں فرش بچھا کر میرے آگے کھانا پیش کیا اور کہنے لگی کہ اپنا ڈر دل سے نکال دے کیونکہ کسی کو کانوں کان تیری خبر نہ ہو گی۔

وہ یہ کہہ رہی تھی کہ کسی نے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا اور اس عورت نے جا کر کواڑ کھول دیئے۔ میں نے دیکھا کہ یہ وہی شخص ہے جسے میں نے پل پر دھکیلا تھا۔ اس کا سر بندھا ہوا ہے اور خون بہہ رہا تھا اور گھوڑا ندارد تھا۔ عورت نے کہا کہ اے فلاں شخص تجھ پر کیا مصیبت گزری ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے اس شخص کو پکڑ لیا تھا مگر وہ نکل بھاگا۔ اس کے بعد اس نے سارا ماجرا بیان کیا۔ عورت نے جلد ہوئے چیتھرے نکالے اور انہیں پٹی پر رکھ کر اس کا سر باندھ دیا۔ اس کے لیے فرش بچھا دیا اور وہ بیمار ہو کر لیٹ گیا۔ پھر وہ میرے پاس آ کر کہنے لگی کہ میرے خیال میں یہ تیرا ہی قصہ ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں۔ وہ بولی خیر پروا نہ کر اور وہ میری نئے سرے سے دل دہی کرنے لگی۔ تین دن میں اس کے ہاں ٹھہرا۔ بعد ازاں وہ مجھ سے کہنے لگی کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں یہ شخص تجھے دیکھ نہ لے اور تیری چغلی نہ کھا دے لہذا تو یہاں سے چل دے۔ میں نے کہا کہ مجھے رات تک مہلت دے۔ اس نے کہا کہ اس میں مضائقہ نہیں۔ جب رات ہوئی تو میں عورتوں کا لباس پہن کر اس کے گھر سے نکل کھڑا ہوا اور اپنی ایک پرانی کنیر کے پاس پہنچا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی رونے لگیں اور میری سلامتی پر خدا کا شکر ادا کرنے لگی۔ دو چار لمحے کے بعد وہ باہر گئی گویا وہ بازار جا کر مہمانی کی تیاری کرنا چاہتی ہے۔ میرا گمان اس کی طرف سے اچھا تھا مگر تھوڑی ہی دیر میں ابراہیم موصلی اس کے غلاموں اور لشکر نے مجھے آ لیا اور وہ خود آگے آگے تھی۔ میں نے غور سے دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ وہی کنیر ہے اور مکان کی مالکہ بھی ساتھ ہے۔ وہ ان کے آگے آگے برابر چلتی رہی یہاں تک کہ اس نے مجھے ان کے سپرد کر دیا اور میں نے موت کو اپنے سامنے کھڑا پایا۔ لوگ مجھے پکڑ کر اسی زنانہ لباس میں، مامون کے پاس لے گئے۔ مامون نے ایک عام دربار

منعقد کیا اور مجھے بلایا۔ جب میں داخل ہوا تو میں نے اسے خلیفہ کہہ کر سلام کیا۔ اس نے جواب دیا کہ نہ خدا تجھے سلامت رکھے اور نہ تیرے اوپر رحم کرے۔ میں نے کہا کہ اے امیرالمومنین جیسی تیری مرضی ہو۔ بدلہ لینے والا خواہ بدلہ لے خواہ معاف کر دے لیکن معاف کرنا پارسائی سے قریب تر ہے جس طرح خدا نے میرا گناہ اوروں کے گناہ سے بڑا بنایا ہے تیرے عفو کو بھی اوروں سے زیادہ بلند رتبہ دیا ہے۔ اگر تو سزا دے تو تیرا حق ہے اور اگر معاف کر دے تو یہ تیرا فضل ہے۔

ابراہیم کا بیان ہے کہ مامون نے اپنا سر اٹھایا اور پھر نیچا کر لیا۔ مجھے اس کے چہرے سے معافی کی جھلک نظر آئی۔ اس نے اپنے بیٹے عباس اور اپنے بھائی ابواسحق اور باقی حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ سب نے میرے قتل کا مشورہ دیا۔ اختلاف محض اس بات میں تھا کہ کس طرح قتل کیا جاؤں۔ مامون نے احمد بن خالد سے کہا کہ احمد تیری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تو نے اسے قتل کر دیا تو تیری طرح اور بھی بہت سے لوگ ہوں گے جنہوں نے ایسے شخص کو قتل کر دیا ہو گا اور اگر تو نے اسے معاف کر دیا تو اس جیسے شخص کو معاف کر دینے میں تیری طرح اور کوئی نہ ملے گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو پچھترویں رات

جب دو سو پچھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- امیرالمومنین مامون نے احمد بن خالد کی باتیں سن کر سر جھکا لیا۔ ابراہیم بن مہدی کا بیان ہے کہ اب میں نے نقاب اپنے سر سے اٹھا دی اور بڑے زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر کہنے لگا کہ خدا کی قسم امیرالمومنین نے مجھے معاف کر دیا۔ مامون بولا چچا ڈر کی کوئی بات نہیں۔ میں نے کہا کہ امیرالمومنین میرا گناہ معافی سے بڑا ہے اور تیرا غفو ہر شکر سے بالاتر۔ مامون نے کہا کہ میں وہی کہتا ہوں جو ہمارے آقا یوسف علی نبینا علیہ الصلوہ والسلام نے کہا تھا کہ لاشریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وهو الرحم الرحیمین۔ اے چچا! میں نے تجھے معاف کر دیا اور تیرا مال اور جاگیریں تجھے واپس دے دیں۔ اب کچھ پروا نہ کر۔ میں نے اسے بڑی بڑی دعائیں دیں اور مامون میرے ساتھ بڑی عزت و احترام سے پیش آیا اور مجھ سے کہا کہ چچا ابواصلح اور عباس نے تیرے قتل کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ میں نے کہا کہ اے امیرالمومنین انہوں نے تجھے رائے دی تھی لیکن تو نے وہ کیا جو تیری شان کے شایان ہے اور میرے خوف کو امید سے بدل دیا۔ مامون نے کہا کہ چچا تو نے اپنے با حیا عذر سے میرے غصے کو ٹھنڈا کر دیا اور میں نے بھی تجھے بغیر اس کے کہ سفارش کرنے والوں کا احسان اٹھائے معاف کر دیا۔

اس کے بعد مامون بڑی دیر تک سجدے میں پڑا رہا۔ پھر سر اٹھا کر کہا کہ چچا تجھے معلوم ہے کہ میں نے کیوں سجدہ کیا۔ میں نے جواب دیا کہ شاید تو نے اس وجہ سے سجدہ کیا کہ خدا نے تجھے تیرے دشمن پر فتح دی۔ مامون نے کہا کہ اس وجہ سے نہیں بلکہ میں نے اس بات پر خدا کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے میرے دل میں یہ ڈالا کہ میں تجھے معاف کر دوں اور تیری طرف سے دل کو صاف کر لوں۔ اب تو اپنا قصہ مجھ سے بیان کر۔ میں نے تشریح کے ساتھ وہ ساری باتیں کہیں جو حجام اور لشکری اور اس

کی بیوی اور اس کی کنیز کے ساتھ مجھے پیش آئی تھیں جس نے میرا راز فاش کیا تھا۔ اس پر اس نے پہلے کنیز کو طلب کیا جو انعام کے انتظار میں گھر بیٹھی ہوئی تھی۔ جب وہ مامون کے سامنے حاضر ہوئی تو اس نے سوال کیا کہ تو نے اپنے آقا کے ساتھ یہ حرکت کیوں کی؟ اس نے جواب دیا کہ دولت کے لالچ سے۔ مامون نے پوچھا تیرا کوئی بیٹا یا شوہر ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ مامون نے حکم دیا کہ اسے سو کوڑے لگائے جائیں۔ اور وہ دائم الحبس کی جائے۔ اس کے بعد اس نے لشکری اور اس کی بیوی اور حجام کو بلوایا۔ جب وہ تینوں حاضر ہوئے تو مامون نے لشکری سے پوچھا کہ تو نے یہ کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ مال میں طمع میں۔ مامون نے کہا کہ تو آج سے حجام کا پیشہ کیا کر اور اس کی بیوی کو عزت و احترام کے ساتھ محل میں بھیج دیا اور کہا کہ یہ عقل مند عورت ہے۔ مشکل کاموں میں اس سے مشورہ لیا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد اس نے حجام سے کہا کہ تو نے ایسی مروت کا اظہار کیا ہے کہ تیری بہت زیادہ عزت کی جائے اور حکم دیا کہ لشکری کا سارا گھر بار اس کے سپرد کر دیا جائے اور اسے خلعت دیا اور اس کے علاوہ پانچ ہزار دینار سالانہ مقرر کر دیئے۔

○ عبداللہ بن ابی قلابہ کی کہانی

کہتے ہیں کہ ایک بار عبداللہ بن ابی قلابہ کا اونٹ کھو گیا۔ وہ اس کی تلاش میں نکلا۔ یمن کے جنگلوں اور سبا کے ملک میں پھرتا پھراتا ایک عظیم الشان شہر کے پاس پہنچا جس کے گرد بڑا مضبوط قلعہ تھا اور قلعے کے چاروں طرف اونچے اونچے محل۔ جب وہ اس شہر کے قریب پہنچا تو اس نے خیال کیا کہ اس میں لوگ رہتے ہوں گے اور وہ ان سے اپنے اونٹ کے متعلق دریافت کرے گا۔ وہ اس شہر کی طرف روانہ ہو گیا لیکن جب وہ وہاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہ خالی ہے نہ وہاں آدم نہ آدم زاد۔

اس کا بیان ہے کہ میں اپنی اونٹنی پر سے اتر پڑا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

URDU4U.COM

○○○

• دو سو چھترویں رات

جب دو سو چھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ ایک نیک نہاد بادشاہ ----- عبداللہ بن ابی قلابہ کہتا ہے کہ میں اپنی اونٹنی پر سے اتر پڑا، اسے باندھ دیا اور دل کو مضبوط کر کے شہر کے اندر داخل ہوا۔ قلعے کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ اس کے دو دروازے ہیں جن سے بڑے اور اونچے دروازے دنیا میں کہیں نہیں پائے جاتے۔ دونوں دروازوں میں سفید، سرخ اور سبز ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ میں سخت متعجب ہوا اور مجھ پر ہیبت طاری ہو گئی۔ ڈرتے ڈرتے قلعے میں گیا۔ عقل دنگ تھی۔ وہ قلعہ کیا ایک لمبا چوڑا شہر تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے اونچے اونچے محل ہیں اور ہر محل کے آگے برآمدے۔ ساری عمارتیں سونے اور چاندی کی جن میں یا قوت، رنگ برنگ کے ہیرے۔ زربعد اور موتی جڑے ہوئے ہیں اور ان محلوں کے دروازوں کی جوٹیاں بھی ایسی خوبصورت ہیں جیسے کہ قلعے کی ڈیوڑھی کے کواڑ اور فرش پر بڑے بڑے موتی، مشک، عنبر اور زعفران کی گولیاں بکھی ہوئی ہیں۔ جب میں اس کے بیچوں بیچ جا پہنچا اور وہاں کوئی انسان نظر نہ آیا تو قریب تھا کہ میں چیخوں اور مارے ڈر کے مر جاؤں لیکن دل کو مضبوط رکھا اور پھرتے پھرتے محلوں پر چڑھ گیا۔ اونچے اونچے چیموں اور محلوں پر سے نیچے نظر ڈالی تو کیا دیکھا کہ نہریں بہہ رہی ہیں۔ سڑکوں پر میوے دار درخت، اونچی اونچی کھجوریں ہیں اور دیواروں میں ایک ایک سونے کی اور ایک ایک چاندی کی اینٹ لگی ہوئی ہے۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ ہو نہ ہو، یہی وہ جنت ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہے جو آخرت میں ملے گی۔ میں نے جس قدر سنگریزے اور جواہرات تھے اور جتنی مٹی جو مشک تھی اٹھا سکتا تھا اٹھا لی اور اپنے ساتھ وطن لے گیا۔ وطن پہنچ کر لوگوں سے یہ قصہ بیان کیا اور رفتہ رفتہ یہ خبر معاویہ بن ابی سفیان تک پہنچی جو اس وقت حجاز کا خلیفہ تھا۔ اس نے صنعائین میں اپنے عامل کو لکھا کہ وہ مجھے بلا کر صحیح صحیح حالات دریافت

کرے۔ عامل نے طلب کر کے سارا ماجرا پوچھا تو میں نے اس سے کل باتیں بیان کر دیں جو میں نے دیکھی تھیں۔ اس کے بعد اس نے مجھے معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور میں نے اس سے بھی جو کچھ دیکھا تھا کہہ دیا۔ معاویہ کو میری باتوں کا یقین نہ آیا لیکن جب میں نے وہ موتی اور عنبر اور مشک اور زعفران کی گولیاں دکھائیں جن میں ابھی تک کسی قدر خوشبو باقی تھی، موتیوں کا رنگ البتہ بدل گیا تھا وہ زرد پڑ گئے تھے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• دو سو سترویں رات

جب دو سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- عبداللہ بن ابی قلابہ کا بیان ہے کہ موتیوں کا رنگ بدل گیا تھا اور وہ زرد پڑ گئے تھے تو معاویہ رضی اللہ عنہ بن سفیان کو بڑا تعجب ہوا اور اس نے کعب الاحبار کو بلوایا۔ جب وہ آیا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے کعب الاحبار! میں نے تجھے اس لیے بلایا ہے کہ ایک بات کی تحقیق کروں۔ مجھے امید ہے کہ تو اسے جانتا ہو گا۔ کعب نے کہا کہ امیرالمومنین وہ کیا ہے؟ معاویہ نے کہا کہ کیا تجھے اس بات کا علم ہے کہ ایک ایسا شہر پایا جاتا ہے جو سونے اور چاندی سے بنا ہوا ہے جس کے ستون زبرجد اور یاقوت کے ہیں اور جس کے سنگریزے موتیوں اور مشک عنبر اور زعفران کی گولیوں کے؟ اس نے جواب دیا ہاں اے امیرالمومنین اور وہ یہ ہے ارم ذات العماد التي لم یخلق مثلها فی البلاد۔ اسے عاد اکبر کے بیٹے شداد نے بنایا تھا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کا کچھ حال بیان کر۔ کعب الاحبار نے کہا کہ عاد اکبر کے دو بیٹے تھے: شدید اور شداد۔ جب باپ کا انتقال ہو گیا تو شدید اور شداد حکمران ہوئے۔ دنیا کا کوئی بادشاہ نہ تھا جو ان کا مطیع نہ ہو۔ مگر شدید بن عاد کی زندگی نے وفا نہ کی اور شداد تنہا ساری دنیا کا حکمران ہو گیا۔ شداد کو پرانی کتابیں پڑھنے کا بڑا شوق تھا۔ جب اس نے آخرت اور جنت کا ذکر پڑھا اور یہ کہ جنت میں محل اور باہ دیاں اور درخت اور میوے وغیرہ ہوں گے تو اس کے دل میں آیا کہ اسی شکل کی جنت دنیا میں بنائی جائے۔ اس کے ماتحت ایک لاکھ بادشاہ تھے اور ہر بادشاہ کے ماتحت ایک لاکھ سپہ سالار اور ہر سپہ سالار کے ماتحت ایک لاکھ فوج۔ اس نے لوگوں کو بلا کر کہا کہ میں نے پرانی کتابوں کو پڑھوا کر اس جنت کی تعریف سنی ہے جو آخرت میں ہو گی مگر میں چاہتا ہوں کہ میں دنیا میں اس جیسی ایک جنت بناؤں۔ لہذا تم ایک ایسا میدان تلاش کروں جو ہر لحاظ

سے بہتر اور سرسبز و شاداب ہو اور وہاں میرے لیے سونے چاندی کا شہر بنواؤ۔ اس کے سنگ ریزے زبرجد، یاقوت اور موتی ہوں۔ اس شہر کی محرابوں کے نیچے زبرجد کے ستون ہوں اور شہر میں بے شمار محل، محلوں کے اوپر بالاخانے اور محلوں کے نیچے سڑکوں پر اور گلیوں میں مختلف پھلوں پھولوں کے درخت اور سونے چاندی کے نلوں میں پانی جاری ہو۔ سب کہنے لگے کہ ہم ایسی چیز کس طرح بنا سکتیں گے جس کی تو نے تعریف کی ہے اور اتنے زبرجد، یاقوت اور موتی کہاں سے لائیں گے!

اس نے جواب دیا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ دنیا کے سارے بادشاہ میرے فرمانبردار اور ماتحت ہیں اور دنیا میں کوئی ایسا نہیں جو میری مخالفت کرے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں ہمیں یہ معلوم ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• دو سو اٹھترویں رات

جب دو سو اٹھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- انہوں نے کہا کہ ہمیں یہ معلوم ہے۔ شداد نے کہا تو بس میرا حکم ہے، سمندروں کو چھانو، پہاڑوں کے کلیجے چیر ڈالو، سونا چاندی، زبرجد، یاقوت اور موتی نکالو۔ اور دنیا کی ساری چیزیں جمع کرو، کوئی کوشش نہ اٹھا رکھو۔ اس کے علاوہ اس قسم کی جتنی چیزیں لوگوں کے پاس ہوں۔ انہیں لے لو اور کسی کے پاس نہ چھوڑو اور میری فرمانبرداری سے قدم نہ ہٹاؤ۔ یہ کہہ کر اس نے تمام بادشاہوں کو خطوط لکھے اور فرمان جاری کر دیئے کہ اس قسم کی جتنی چیزیں ہیں، انہیں جمع کریں اور قیمتی پتھروں کی کانوں میں جا کر انہیں نکالیں خواہ سمندروں کی اتھاہ میں کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ بیس سال میں انہوں نے یہ سب چیزیں جمع کیں۔ اس وقت دنیا کے سارے بادشاہوں کی تعداد تین سو ساٹھ تھی۔ اس کے بعد شداد نے سارے ملکوں اور خطوں سے مہندس، حکماء، مزدور اور کاریگر بلوائے اور وہ سارے جنگل اور بیابانوں میں چاروں طرف گھومنے لگے یہاں تک کہ وہ ایک صحرا میں پہنچے جو بہت بڑا اور صاف ستھرا تھا اور جہاں نہ پہاڑیاں تھیں نہ ریگستان، چپے چپے پر سبزہ زار اور نہریں بہہ رہی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ بس یہی وہ مقام ہے جس کا بادشاہ نے حکم دیا اور جس کی تلاش میں ہم پھر رہے ہیں۔

اب وہ اتنا لمبا چوڑا شہر بنانے میں مشغول ہو گئے جتنا کہ دنیا کے حکمران بادشاہ شداد نے انہیں حکم دیا تھا۔ پانی کے تل لگائے گئے اور اس طرح کی نیو ڈالی جس کا اوپر ذکر آ چکا ہے۔ دنیا بھر کے بادشاہوں نے اس شہر کے لیے جواہرات اور پتھر اور بڑے اور چھوٹے موتی، عقیق، سونا چاندی اونٹوں پر لاد کر جنگلوں اور بیابانوں کے راستے بھی بھیجے اور کشتیوں میں لاد کر سمندر سے بھی۔ مہندسوں اور مزدوروں کے پاس یہ چیزیں اس مقدار اور اس خوبی سے پہنچیں جن کی نہ تعریف ہو سکتی ہے اور نہ شمار اور نہ کسی

کا خیال وہاں تک جا سکتا ہے۔ تین سو سال تک کاریگر اس کام میں مشغول رہے اور جب وہ اس سے فارغ ہو چکے تو انہوں نے بادشاہ کے پاس آ کر خبر دی کہ شہر تیار ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ اب جا کر وہاں ایک بڑا عالیشان قلعہ بناؤ اور قلعے کے چاروں طرف ایک ہزار محل جن میں ہر محل ایک ہزار ستونوں کے اوپر ہو تاکہ ہر محل میں ایک وزیر رہے۔ انہوں نے فوراً جا کر کام شروع کر دیا اور بیس سال میں تمام کیا۔ اس کے بعد وہ پھر شہاد کے پاس آئے اور کہا کہ اب تیرا مقصد پورا ہو گیا ہے۔ اب اس نے وزیروں کو حکم دیا جن کی تعداد ایک ہزار تھی اور اسی طرح اپنے خاص معتمد لوگوں سے بھی کہا کہ سفر کی تیاری کریں اور دنیا کے بادشاہ شہاد بن عاد کے ہمرکاب ہو کر ارم ذات العماد میں منتقل ہونے کے لیے آمادہ ہو جائیں اور جو اپنی بیویوں اور اپنے گھر والوں یعنی کنیزوں اور غلاموں کو ساتھ لے جانا چاہیں، انہیں اختیار ہے۔ اس تیاری میں اور بیس سال لگ گئے۔ بالآخر وہ دن آیا کہ شہاد سارے لشکر کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو اٹاسی ویں رات

جب دو سو اٹاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- نیا شہر بسانے اور اپنی مراد بر آنے سے بے حد خوش شداد لاؤ لشکر سمیت روانہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس کے اور ارم ذات العمامہ کے درمیان ایک پڑاؤ کی مسافت باقی رہ گئی۔ خدا نے اپنی قدرت سے آسمان سے اس کے اور اس کے کافر نافرمان ساتھیوں کے اوپر ایک کڑک بھیجی، جس کی آواز اتنی سخت تھی کہ وہ سب ہلاک ہو گئے۔ نہ شداد اور نہ اس کا کوئی ساتھی اس شہر تک پہنچ سکا حتیٰ کہ دیکھ بھی نہ سکا۔ پھر خدا نے ان راستوں کے آثار تک مٹا دیئے جو اس شہر کو جاتے تھے اور وہ شہر قیامت تک اسی حالت میں باقی رہے گا۔ کعب الاحبار کے بیان سے معاویہ کو بڑا تعجب ہوا اور وہ کہنے لگا کہ کسی بشر کی اس تک رسائی ہوئی ہے؟ کعب نے کہا کہ ہاں ایک صحابی جس کا حلیہ ہو ہو اسی شخص کا سا تھا جو یہاں بیٹھا ہوا ہے۔

شعبی کا بیان ہے کہ یمنی حمیز کے علماء روایت کرتے ہیں کہ جب اس کڑک سے شداد اور اس کے ساتھ ہلاک ہو گئے تو شداد اکبر کا بڑا بیٹا شداد اصغر تخت پر بیٹھا اور اپنے باپ کی جگہ سب اور حضر موت پر حکمرانی کرنے لگا۔ جب اسے یہ خبر ملی کہ اس کا باپ ارم پہنچنے سے پہلے راستے ہی میں مر گیا تو اس نے حکم دیا کہ اس کی لاش جنگل میں سے حضرت موت لائی جائے اور ایک غار کے اندر قبر کھودی جائے۔ جب لوگ قبر کھود چکے تو اس نے ایک سونے کے تخت پر لٹا کر اور ستر پوشاکیں پہنا کر جو سونے سے بنی ہوئی تھیں اور جس میں نفیس ہیرے ٹنکے ہوئے تھے قبر میں دفن کیا۔

تعلبی کا بیان ہے کہ اتفاق سے دو شخص اس غار میں داخل ہوئے اور انہوں نے دیکھا کہ اس کے صدر میں ایک زینہ ہے، وہ نیچے اترے اور انہوں نے ایک گڑھا دیکھا جو سو گز لمبا اور چالیس گز چوڑا اور سو گز گہرا تھا اس کے بیچ میں سونے کے تخت پر ایک

لبا تڑنگا شخص لیٹا ہوا تھا جس کی لمبائی چوڑائی تخت کے برابر تھی اور اس کے سرہانے سونے کی ایک تختی تھی جس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ انہوں نے وہ تختی لے لی اور اس جگہ سے جتنے سونے اور چاندی کے ٹکڑے وغیرہ لا سکتے تھے لے آئے۔

○ اسحق موصلی کی کہانی

اسحق موصلی سے روایت ہے کہ ایک رات میں مامون کے پاس سے اپنے گھر جا رہا تھا کہ پیشاب کی حاجت ہوئی، میں ایک گلی میں گیا اور کھڑا ہو کر پیشاب کرنے لگا کیونکہ اگر میں دیوار کے قریب بیٹھتا تو مجھے ڈر تھا کہ کسی چیز سے ایذا نہ پہنچے میں نے دیکھ ا کہ مکان کی دیوار میں کوئی چیز لٹکی ہوئی ہے۔ یہ جاننے کے لیے کہ وہ کیا چیز ہے میں نے اسے چھوا، مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک بڑا ٹوکرا ہے جس میں چار کنڈے ہیں جو محمل سے منڈھا ہوا ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس کا کوئی نہ کوئی سبب ہو گا۔ اس وقت نشہ مجھے زیادہ تھا۔ نہ جانے کیا دھن بندھی کہ میں اس میں بیٹھ گیا۔ اتنے میں مکان والوں نے مجھ کو مع ٹوکرے کے اوپر کھینچ لیا۔ وہ سمجھے کہ میں ہی وہ شخص ہوں جس کا انہیں انتظار تھا۔ ٹوکرا آہستہ آہستہ دیوار کی منڈیر پر پہنچا اور چار لڑکیوں نے مجھ سے کہا کہ اتر مرحبا خوش آمدی! ایک لڑکی شمع لے کر میرے آگے آگے چلنے لگی اور کمرے میں پہنچی۔ جہاں ایسا نفیس فرش بچھا ہوا تھا جس کی نظیر خلیفہ کے محل کے سوا میں نے کہیں نہ دیکھی تھی۔ میں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد دیوار کی ایک طرف کے پردے اٹھے اور کئی لڑکیاں ایک ساتھ داخل ہوئیں۔ ان کے ہاتھوں میں شمعیں تھیں اور قاقلی عود کی انگیٹھیاں اور ان کے درمیان ایک لڑکی جیسے چودھویں رات کو نکلتا ہوا چاند۔ میں اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ مرحبا! اے مہمان پھر وہ بولی کہ بیٹھ جا اور میرا حال پوچھا۔ میں نے کہا کہ ایک دوست کے گھر

سے لوٹ رہا تھا کہ راہ میں مجھے پیشاپ لگا اور میں اس کوچے میں داخل ہوا۔ یہاں میں نے ایک ٹوکرا لٹکا ہوا دیکھا۔ نیند کے نشے میں اندر بیٹھ گیا اور ٹوکرے نے مجھے لا کر اس گھر میں پہنچا دیا۔ یہ ہے میرا سارا قصہ۔ اس نے کہا کہ کچھ مضائقہ نہیں، مجھے امید ہے کہ اس کا نتیجہ اچھا نکلے گا۔ اس کے بعد اس نے پوچھا کہ تیرا پیشہ کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میں بغداد کے بازار میں تاجر ہوں۔ وہ کہنے لگی کہ تجھے کچھ اشعار یاد ہیں؟ میں نے کہا کہ ہاں تھوڑے بہت یاد تو ہیں۔

وہ بولی کہ اچھا سنا۔ میں نے کہا کہ اجنبی کو شرم معلوم ہوتی ہے لیکن تو شروع کر۔ اس نے جواب دیا کہ تو ٹھیک کہتا ہے، یہ کہہ کر اس نے پرانے اور نئے شاعروں کے عمدہ عمدہ شعر سنائے جو ان کا بہترین کلام تھا۔ میں سن رہا تھا اور میری سمجھ میں یہ نہ آتا تھا کہ میں اس کے حسن و جمال پر تعجب کروں یا اس کی شیریں بیانی پر۔ اس نے کہا کہ اگر مرضی ہو تو کچھ سنا دے اور میں نے پرانے شاعروں کا اتنا کلام سنایا کہ اس سے زیادہ ہو نہ سکتا تھا۔ اسے بہت پسند آیا اور وہ کہنے لگی کہ میں یہ نہ جانتی تھی کہ بازار والوں میں بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں۔ پھر اس نے کھانا منگوایا۔

دنیا زاد نے اپنی بہن سے کہا کہ تیری کہانی کیسی میٹھی اور عمدہ اور نفیس ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اگر بادشاہ نے مجھے زندہ رکھا تو میں کل تمہیں وہ چیزیں سناؤں گی جو اس سے بدرجہا بہتر ہیں۔

اور اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو اسی ویں رات

جب دو سو اسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- میں نے کہا تھا کہ اگر میں زندہ رہی اور بادشاہ نے مجھے قتل نہ کیا تو میں آج وہ بیان کروں گی جو کل کے بیان سے بدرجہا بہتر ہو گا۔ بادشاہ نے کہا کہ اپنی کہانی ختم کر۔

اس نے کہا کہ بہت خوب۔ اے نیک نہاد بادشاہ اسحق موصلی نے بیان کیا کہ لڑکی نے کھانا منگوایا اور جب کھانا آیا تو اس نے خود بھی کھایا اور میرے آگے بھی بڑھلایا۔ اس کمرے میں طرح طرح کے پھول اور ایسے ایسے عجیب میوے تھے جو بادشاہوں کے گھر کے سوا اور کہیں نہیں پائے جاتے۔ کھانے کے بعد اس نے شراب منگوائی۔ ایک پیالہ خود پیتی اور ایک مجھے پلاتی اور کہتی کہ یہ وقت باتیں کرنے اور کہانیاں سنانے کا ہے۔ میں نے سوچ سوچ کر کہنا شروع کیا کہ فلاں اور فلاں بات پیش آئی اور ایک شخص نے یہ کہا اور وہ کہا۔ یہاں تک کہ میں نے بہت سی اچھی اچھی کہانیاں سناں۔ اس پر وہ بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی کہ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ ایک تاجر کو ایسے قصے کہانیاں کہاں سے یاد ہو گئیں۔ یہ تو بادشاہوں کے آگے بیان کرنے کے قابل ہیں۔

میں نے کہا کہ میرا ایک پڑوسی تھا جو بادشاہوں کے ساتھ رہتا اور انہیں کہانیاں سنایا کرتا تھا۔ جب وہ بیکار ہوتا تو میں اس کے گھر جاتا وہ اکثر یہی کہانیاں کہتا جو تو نے ابھی سنی ہیں۔ وہ بولی کہ بات تو یہ ہے کہ تو نے یاد بھی خوب رکھیں غرض کہ اسی طرح باتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ وہ چپ ہوتی تو میں کچھ کہنے لگتا، میں چپ ہوتا تو وہ شروع کر دیتی یہاں تک کہ رات کا بڑا حصہ گزر گیا۔

عود کی خوشبوئیں مہک رہی تھیں۔ عجب لطف کی صحبت تھی اور میں اس مزے میں تھا کہ اگر مامون کو اس کا پتہ لگ جاتا تو وہ مارے اشتیاق کے اڑ کر وہاں پہنچ جاتا۔ اس

نے کہا کہ تو نہایت لطیف اور نازک شخص ہے اور آداب محفل سے بھی تجھے اچھی واقفیت ہے۔ اب ایک چیز کے سوا اور کوئی کمی نہیں۔ میں نے پوچھا کہ وہ کیا؟ اس نے کہا کہ کاش تو یہ اشعار کسی ساز پر گا کر سناتا۔ میں نے کہا کہ بہت دن ہوئے کہ مجھے اس کا شوق تھ اجی بھر گیا تو چھوڑ دیا لیکن اس وقت پھر کچھ جی پھر پھرانے لگا ہے۔ واقعی لطف کی تکمیل تو اس کے بغیر ہوتی نہیں۔ اس نے کہا کہ اس اشارے سے تیرا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ عود منگایا جائے۔ میں نے کہا کہ جیسی تیری مرضی۔ تو نے مجھ پر بڑی مہربانی کی ہے اور میں تیرا بے حد شکر گزار ہوں۔ پھر اس نے عود منگوا کر ایسی میٹھی آواز سے گایا کہ اگر وہ اس کے اخلاق اور بجانے کی خوبی اور کمال سے ملا دیا جائے تو اس کا جواب نہ تھا۔ اس کے بعد وہ کہنے لگی تو جانتا ہے کہ یہ راگ کس کا بنایا ہوا ہے اور اشعار کس کے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس نے کہا کہ اشعار فلاں شاعر کے ہیں اور راگ اسحق کا۔ میں بولا واللہ! کیا اسحق میں اتنی قابلیت ہے؟ اس نے جواب دیا کہ واہ واہ! اسحق تو اس میں کمال رکھتا ہے۔ میں نے کہا کہ پاکی ہے اللہ کے لیے جس نے اس شخص کو وہ چیز عطا کی جو کسی دوسرے کو نہیں دی۔ اس نے کہا مزہ تو جب آتا کہ یہ راگ تو اس کے منہ سے سنتا۔ انہیں باتوں میں سویرا ہو گیا اور ایک بڑھیا نے جو ماما معلوم ہوتی تھی آ کر کہا کہ وقت ہو چکا ہے۔ یہ سنتے ہی میں اٹھ کھڑا ہوا اور لڑکی نے مجھ سے کہا کہ ہماری باتیں پوشیدہ رکھو کیونکہ مجلس راز کی باتیں ہوتی ہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو اکیاسی ویں رات

جب دو سو اکیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- لڑکی نے کہا کہ ہماری باتیں پوشیدہ رکھو کیونکہ مجلسیں راز کی باتیں ہوتی ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ میری جان تجھ پر خدا اس بات میں مجھے نصیحت دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد میں اس سے رخصت ہوا اور اس نے ایک کنیز کو میرے ساتھ دروازے تک بھیجا۔ اس نے دروانہ کھولا اور میں نے نکل کر اپنے گھر کا راستہ لیا۔ گھر پہنچ کر فجر کی نماز پڑھی اور سو گیا۔ تھوڑی دیر میں میرے پاس مامون کا قاصد آیا اور میں وہاں گیا اور دن بھر اس کے ساتھ رہا۔ عشاء کا وقت ہوا تو میں کل کی باتیں سوچنے لگا کیونکہ وہ ایسی باتیں تھیں جن پر نادان کے سوا اور کوئی صبر نہ کر سکتا تھا۔ اس لیے میں اٹھ کر پھر ٹوکرے کے قریب آیا اور اس میں بیٹھ کر پھر اسی جگہ پہنچ گیا جہاں میں کل تھا۔

لڑکی بولی کہ تو بالکل ٹھیک وقت پر پھر آ گیا۔ میں نے کہا کہ مجھے تو یہ خیال ہے کہ میں نے بہت دیر لگائی اور ہم پھر گزشتہ رات کی طرح بات چیت کرتے رہے اور صبح تک ایک دوسرے کو قصے کہانیاں سنایا کیے۔ اس کے بعد میں نے گھر جا کر صبح کی نماز پڑھی اور سو رہا اور پھر مامون کا فرستادہ مجھے بلانے آیا تو میں وہاں گیا اور دن بھر اس کے ساتھ رہا۔ عشاء کے وقت امیر المومنین نے کہا کہ میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ جب تک میں ایک کام کے لیے جا کر لوٹ آؤں، تو یہیں ٹھہریو۔ خلیفہ چل دیا اور میری نظروں سے اٹھ گیا تو میرے خیالات بہکنے لگے۔ مجھے گزشتہ صحبتیں یاد آنے لگیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ خلیفہ جو چاہے میرے ساتھ کرے میں برداشت کر لوں گا۔ یہ کہہ کر میں اٹنے پاؤں پھرا، ٹوکرے کے پاس پہنچا اس میں بیٹھ کر مجلس میں پہنچ گیا۔ لڑکی کہنے لگی کہ تو، تو پرانا یار نکلا۔ میں نے کہا کہ درست

ہے۔ وہ بولی کہ تو نے ہمارے گھر کو اپنا گھر بنا لیا ہے۔ میں نے کہا میری جان تجھ پر تصدق! مہمانی تین دن کی ہوتی ہے اگر اس کے بعد آؤں تو میرا خون تجھ پر حلال ہے۔ وہ جلسہ بھی اسی طرح ختم ہوا اور جب جانے کا وقت آیا تو مجھے یقین تھا کہ مامون ضرور مجھ سے پوچھے گا اور جب تک تفصیل کے ساتھ نہ سن لے گا اسے چین نہ آئے گا۔ اب میں نے لڑکی سے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تجھے گانے سے بہت دلچسپی ہے۔ میرا ایک چچیرا بھائی ہے جو مجھ سے زیادہ خوبصورت، بلند مرتبہ، باسلقہ اور اسحق کا سب سے بڑا دوست ہے۔ وہ کہنے لگی کہ تو طفیلی اور فالتو ہے؟ میں نے کہا کہ اس کا فیصلہ تیرے ہاتھ میں ہے۔ اس نے کہا کہ تیرا چچیرا بھائی ایسا ہی ہے جیسا تو کہتا ہے تو ہمیں اس کے تعارف سے انکار نہیں۔ اس کے بعد روانگی کا وقت آ گیا اور میں اٹھ کر اپنے گھر چل دیا۔ ابھی میں گھر پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ مامون کے فرستادوں نے آ کر گھیر لیا اور مجھے زبردستی پکڑ کر لے گئے۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو بیاسی ویں رات

جب دو سو بیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- اسلحق
 موصلی کا بیان ہے کہ میں گھر تک پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ مامون کے فرستادوں نے
 مجھے آگھیرا اور زبردستی پکڑ کر اس کے پاس لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ وہ کرسی پر
 بیٹھا ہے اور مجھ سے ناراض ہے۔ اس نے کہا کہ اسلحق کیا تو میری نافرمانی کرتا ہے؟
 میں نے جواب دیا کہ امیرالمومنین خدا جانتا ہے کہ نہیں۔ اس نے کہا کہ تیرا کیا
 قصہ ہے؟ سچ سچ بتا۔ میں نے عرض کیا کہ بہت خوب لیکن تنہائی میں۔ اس نے حاضرین
 کو اشارہ کیا وہ ایک طرف ہو گئے۔ میں نے ماجرا بیان کیا اور کہا کہ میں نے اس
 سے وعدہ کیا ہے کہ تجھے بھی لاؤں گا۔ مامون بولا تو نے خوب کہا! اس دن بھر ہم
 مزے میں رہے مگر مامون کا جی اس لڑکی میں لگا رہا اور ابھی وقت بھی نہ آیا تھا کہ
 ہم چل دیئے اور میں اس سے کہتا جاتا تھا کہ خبردار اس کے آگے میرا نام لے کر
 نہ پکاریو بلکہ میرے ساتھ نوکروں کا سا برتاؤ کیجیو۔ اس پر ہم دونوں متفق ہو گئے اور
 چلتے چلتے ٹوکرے کی جگہ پہنچے۔ دیکھا کہ اب وہاں دو ٹوکرے ہیں۔ ایک میں 'میں اور
 دوسرے میں وہ بیٹھ گیا اور اس جگہ پہنچ گئے جہاں میں روز جایا کرتا تھا۔ لڑکی نے
 آگے بڑھ کر ہم دونوں کو سلام کیا۔ جب مامون کی نظر اس پر پڑی تو وہ اس کا حسن
 و جمال دیکھ کر ہکا بکا ہو گیا اور وہ اسے کہانیاں اور اشعار سنانے لگی۔ اس کے بعد
 اس نے نبیذ پیش کی۔ لڑکی اس کی طرف مائل تھی اور اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی
 تھی۔ وہ بھی لڑکی کی طرف مائل تھا اور اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔ پھر عود
 لے کر اس نے خاص ادا سے گایا اور مامون کی طرف اشارہ کر کے مجھے کہنے لگی
 کہ کیا یہ تیرا چچیرا بھائی بھی تاجر ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں۔ اس نے کہا کہ تم دونوں
 کی شکل ملتی جلتی ہے۔ میں نے کہا کہ درست ہے۔ ابھی مامون نے تین ہی رطل پئے

ہوں گے کہ مزے میں آ گیا اور پکار کر کہنے لگا کہ اے اسحق! میں نے جواب دیا کہ امیر المومنین حاضر ہوا۔ اس نے کہا تو، بھی اسی انداز سے گا۔ لڑکی کو جو معلوم ہوا کہ وہ خلیفہ ہے تو جا کر ایک کمرے میں چھپ گئی۔ جب میں گا چکا تو مامون نے مجھ سے کہا کہ پوچھ اس مکان کا مالک کون ہے؟ ایک بڑھیا نے نکل کر جواب دیا کہ یہ حسن بن سہل کا مکان ہے۔ مامون نے کہا کہ اسے بلا۔ بڑھیا تھوڑی دیر کے بعد حسن کو لے کر پہنچی۔ مامون نے کہا کہ تیری کوئی بیٹی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں اور اس کا نام خدیجہ ہے۔ مامون نے پوچھا کہ وہ شادی شدہ ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ مامون نے کہا کہ میں تجھ سے اس کے ساتھ نکاح کی درخواست کرتا ہوں۔

اس نے کہا کہ امیر المومنین وہ تیری لونڈی ہے اور تیرے حکم کی فرمانبردار۔ خلیفہ نے کہا کہ میں نے نقد تیس ہزار دینار پر اس سے شادی کر لی۔ کل صبح آ کر دام لے جایو اور جب مال مل جائے تو شام کو اسے ہمارے پاس پہنچا دیجیو۔ اس نے کہا کہ بسرو چشم۔ اس کے بعد ہم دونوں وہاں سے نکلے اور خلیفہ نے کہا کہ اے اسحق یہ بات کسی سے مت کہیو۔ چنانچہ مامون کے مرتے تک میں نے اسے پوشیدہ رکھا۔ جیسی زندگی ان چاروں تک میری گزری کسی اور کی نہ گزری ہو گی کیونکہ دن کے وقت مامون کی صحبت ہوتی اور رات کے وقت خدیجہ کی۔ واللہ نہ میں نے کوئی مرد مامون کی طرح دیکھا نہ کوئی عورت خدیجہ جیسی بلکہ سمجھ، عقل اور گفتگو میں خدیجہ کی لونڈیوں کے برابر بھی کسی کو نہ پایا۔ باقی خدا سب سے بہتر جاننے والا ہے۔

○ ایک اور کہانی

حج کے زمانے میں جب لوگ طواف کر رہے تھے اور بڑی بھیڑ تھی ایک شخص کعبے کا پردہ پکڑے یہ کہہ رہا تھا کہ یا اللہ میں تجھ سے دعا کرتا ہو کہ وہ اپنے شوہر سے

ناراض ہو جائے اور میں اپنی حسرت پوری کروں۔ جب حاجیوں نے یہ سنا تو پہلے اسے خوب مارا پھر پکڑ کر امیرالحاج کے پاس لے گئے اور امیرالحاج سے کہا کہ ہم نے اس شخص کو ان متبرک مقامات پر یہ کہتے سنا ہے۔ امیرالحاج نے اسے پھانسی کا حکم دے دیا۔ وہ کہنے لگا کہ اے امیر میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دیتا ہوں کہ پہلے میرا قصہ اور ماجرا سن لے اس کے بعد جو تیرا جی چاہے کیجیو۔ اس نے کہا کہ بیان کر۔ اس شخص نے کہا کہ اے امیر میں بھگڑی ہوں، کھتے پر نوکر ہوں خون اور گندگی ادھر سے ادھر لے جانا اور لانا میرا کام ہے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں اپنے گدھے کو لادے ہوئے لیے جا رہا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ بھاگ رہے ہیں۔ ان میں سے ایک نے مجھ سے کہا کہ اس گلی میں گھس جا رونہ لوگ تجھے قتل کر دیں گے۔ میں نے کہا کہ آخر معاملہ کیا ہے، بھاگ کیوں رہے ہو؟ ایک شخص بولا کہ کسی بڑے آدمی کی بیوی یہاں سے گزر رہی ہے۔ اس کے غلام وہ گیلوں کو مارتے اور سب کو بھگاتے ہیں۔ اس کی پروا نہیں کرتے کہ کون ہے؟ یہ سن کر میں بھی گدھا لے کر ایک گلی کے اندر چلا گیا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو تراسی ویں رات

جب دو سو تراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- اس شخص نے کہا کہ میں اپنا گدھالے کر ایک گلی میں چلا گیا اور انتظار کرنے لگا کہ یہ بلا ٹل جائے تو اپنا راستہ لوں۔ میں نے دیکھا کہ نوکروں کے ہاتھوں میں ڈنڈے ہیں اور تقریباً تیس عورتوں کے جھرمٹ میں ایک عورت ہے بید کی شلخ کی مانند۔ پیاسے نازک غزال کی طرح سبک خرام، نہایت حسین و جمیل۔ جب وہ اس موڑ کے پاس پہنچی جہاں میں تھا تو دائیں بائیں دیکھنے لگی اور ایک غلام کو بلایا۔ غلام حاضر ہوا اس کے کان میں چپکے چپکے کچھ کہا اور غلام نے آ کر مجھے پکڑ لیا۔ اور مجھے ایک رسی سے باندھ کر کھینچتے ہوئے روانہ ہوئے۔ لوگ ہمارے پیچھے بلند آواز سے کہنے لگے کہ اس کی خدا نے کب اجازت دی! یہ شخص ایک غریب بھنگڑی ہے، اسے رسی سے کیوں باندھتے ہو؟ اور انہوں نے غلاموں سے بھی کہا کہ اس پر رحم کرو، بیچارے کو چھوڑ دو۔ خدا تم پر رحم کرے گا۔ مگر وہاں کون سنتا تھا؟ میں نے اپنے دل میں کہا کہ غالباً نوکروں نے مجھے اس وجہ سے گرفتار کیا ہے کہ ان کی مالکہ کو کہیں بدبو پہنچ گئی اس کا جی متلانے لگا۔ یا وہ حاملہ ہے یا بیمار لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔ غرض کہ میں ان کے پیچھے پیچھے گھسٹا ایک بڑے مکان کے دروازے پر پہنچا وہ مجھے لے کر اس میں داخل ہو گئے اور ایک بڑے کمرے میں پہنچے جس کی میں تعریف نہیں کر سکتا۔ جس میں نہایت نفیس فرش بچھا ہوا تھا۔ سب عورتیں وہاں آئیں۔ غلام میری مشکیں کسے کھڑے تھے۔ میں دل میں کہہ رہا تھا کہ وہ یہاں مجھے ضرور سزا دیں گے۔ میں مر جاؤں گا اور کسی کو میری موت کی کانوں کان خبر نہ ہو گی لیکن سزا دینے کے بدلے وہ مجھے ایک نفیس حمام میں لے گئے جو اسی محل سرا کے اندر تھا۔ میں وہاں پہنچا ہی تھا کہ

تین کنیزیں اندر آئیں اور میرے ارد گرد بیٹھ گئیں اور مجھ سے کہنے لگیں کہ اپنے یہ گندے چیتھڑے اتار ڈال۔ میں نے اپنے پھٹے پرانے کپڑے اتار ڈالے۔ اب ان میں سے ایک کنیز میرے پاؤں ملنے لگی اور دوسری نے سر دھونا شروع کیا اور تیسری کے ہاتھ میرے بدن کی مالش کرنے لگے۔

نملانے دھلانے سے فارغ ہو کر انہوں نے میرے آگے پہننے کے کپڑوں کا ایک بچہ رکھ دیا اور بولیں انہیں پہن لے۔ میں نے کہا کہ خدا گواہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ یہ کپڑے کس طرح پہنے جاتے ہیں۔ اس پر انہوں نے مجھے وہ کپڑے پہنائے اور برابر میرا مذاق اڑاتی رہیں۔ اس کے بعد گلاب پاش لا کر مجھ پر گلاب چھڑکا اور میں ان کے ساتھ وہاں سے نکل کر ایک دوسرے کمرے میں پہنچا جہاں ایسے نقش و نگار اور فرش و فروش تھے کہ ان کی خوبی مجھ سے بیان نہیں ہو سکتی۔ دیکھا کہ ایک خیزران کا تخت بچھا ہوا ہے اور اس پر ایک عورت بیٹھی ہے۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو چوراسی ویں رات

جب دو سو چوراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- اس شخص نے کہا کہ میں کمرے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ خیزران کے تخت پر ایک عورت بیٹھی ہے۔ تخت کے پائے ہاتھی دانت کے ہیں اور اس عورت کے آگے بہت سے کنیریں کھڑی ہوئی ہیں۔ اس عورت نے مجھے دیکھا تو کھڑی ہو گئی اور مجھے اپنے پاس بلایا۔ میں قریب پہنچا تو اس نے کہا کہ بیٹھ اور میرے برابر بیٹھ۔ میں اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ اس نے کنیروں کو حکم دیا کہ کھانا لائیں اور وہ میرے لیے ایسا نفیس اور اتنی قسم کا کھانا لائیں جن کا نہ میں نے عمر بھر کبھی نام سنا تھا، نہ ان کی گنتی مجھے یاد ہے۔ میں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ جب کھانا بڑھایا گیا اور ہم ہاتھ دھو چکے تو اس نے میوے منگوائے۔ وہ بھی فوراً حاضر کیے گئے اور ہم دونوں نے نوش جان کیے۔ میووں سے بھی فراغت پائی تو اس نے ایک کنیر سے کہا کہ شراب نوشی کا سامان لا اور وہ جا کر مختلف رنگوں کی کوئی چیز لے آئی۔ طرح طرح کی خوشبوئیں انگیتھیوں میں جلائی گئیں اور ایک چاند سی کنیر ہمیں شراب پلانے اور گانے بجانے لگی۔ یہاں تک کہ میں اور مکان کی مالکہ جو بیٹھی ہوئی تھی دونوں مدہوش ہو گئے میں خیال کر رہا تھا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں کہ اس نے بعض کنیروں سے کہا کہ فلاں کمرے میں ہمارے لیے فرش بچھاؤ۔ وہ جا کر وہاں فرش بچھا آئیں۔ اب اس عورت نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اس کمرے میں لے گئی جہاں فرش بچھایا گیا تھا اور ہم دونوں ساتھ ساتھ صبح تک سوئے۔ جب میں اسے سینے سے لگاتا تو اس سے مشک اور عطر کی خوشبو آتی اور مجھے ایسا معلوم ہوتا کہ میں جنت میں ہوں یا خواب کی کیفیت طاری ہے۔ سویرا ہوا تو اس نے پوچھا کہ تیرا مکان کہاں ہے؟ میں نے جواب دیا کہ فلاں محلے میں۔ اس کے بعد اس نے مجھے رخصت کیا اور ایک رومال دیا جس پر سونے چاندی کا کام

تھا اور اس میں کچھ بندھا ہوا تھا اور کہنے لگی کہ یہ تیرے حمام جانے کا خرچ ہے۔
میں خوش ہو گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر اس میں پانچ نکلے بھی ہوں گے
تو وہ میرے آج کے ناشتے کے لیے کافی ہیں۔

اب میں اس کے پاس سے نکلا گیا جنت سے باہر آیا اور اپنی جھونپڑی میں پہنچ کر رومال
کھولا تو دیکھا کہ اس کے اندر پچاس مشقال سونا ہے۔ میں نے اسے زمین میں گاڑ دیا
اور دو فلوس کی روٹی اور سالن خرید کر ناشتہ کرنے دروازے پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا۔
اسی حالت میں عصر کا وقت آ گیا۔ اتنے میں ایک کنیز آئی اور کہنے لگی کہ میری مالکہ
تجھے بلاتی ہے۔ میں ڈیوڑھی کے دروازے تک اس کے ساتھ گیا اور وہ اندر جا کر
اجازت لائی۔ میں نے مکان میں داخل ہو کر اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ اس نے
مجھ سے کہا کہ بیٹھ اور کھانا اور شراب منگوائی۔ کھانا پینا منسی مذاق ہوتا رہا اور گزشتہ
رات کی طرح اس کے ساتھ سویا۔ جب سویرا ہوا تو اس نے مجھے ایک اور رومال دیا
جس میں پچاس مشقال سونا تھا۔ میں نے اسے بھی لے کر اپنی جھونپڑی میں دفن کر
دیا۔ سات دن تک یہی صورت رہی کہ میں روزانہ عصر کے وقت اس کے پاس جاتا
اور علی الصباح اس سے رخصت ہو کر اپنے گھر چلا آتا۔ آٹھویں دن رات کے وقت
سونے کی تیاری تھی کہ ایک کنیز دوڑتی ہوئی آئی اور مجھ سے کہنے لگی کہ اٹھ اور
اس بالا خانے پر چلا جا۔ بالاخانے پر پہنچا تو وہاں سے گلی دکھائی دیتی تھی۔ وہاں جا کر
بیٹھا ہی تھا کہ ایک شور و غل اٹھا اور گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں۔ بالاخانے
پر ایک کھڑکی تھی جہاں سے دروازہ دکھائی دیتا تھا۔ اس کھڑکی میں سے میں نے دیکھا
کہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ایک جوان سوار چلا آ رہا ہے۔ آگے آگے اس
کے غلام اور پیچھے لشکری ہیں۔ دروازے کے پاس پہنچ کر وہ گھوڑے سے اتر پڑا
اور مکان میں آ کر کمرے کے اندر گیا۔ دیکھا کہ وہ عورت تخت پر بیٹھی ہوئی ہے۔
پہلے اس نے اس سے کوئی بات نہ کی اور وہ برابر خوشامد کرتا رہا یہاں تک کہ اس
کو منا لیا اور اس رات وہ اس کے ساتھ سویا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• دو سو پچاسی ویں رات

دو سو پچاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب لڑکی کے شوہر نے اسے منا لیا تو وہ باقی رات اس کے ساتھ سویا۔ صبح کی اذانیں ہونے لگیں تو پھر لشکری اس کے پاس پہنچے اور وہ دروازے سے نکل کر سوار ہو گیا۔ اب وہ میرے پاس اوپر آئی اور مجھ سے کہنے لگی کہ تو نے اسے دیکھا؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں۔ اس نے کہا کہ وہ میرا شوہر ہے۔ بات یہ ہوئی تھی کہ ایک دن ہم دونوں اپنے مکان کے اندر باغ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ وہ میرے پاس سے اٹھ کر چل دیا اور دیر تک غائب رہا۔ جب اسے دیر ہو گئی تو میں نے اپنے دل میں کہا شاید وہ پاخانے گیا ہو گا۔ میں اٹھ کر پاخانے پہنچی لیکن اسے وہاں نہ پایا۔ اس کے بعد میں باورچی خانے گئی اور میری نظر ایک کنیر پر پڑی۔ میں نے اپنے شوہر کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے اشارے سے بتایا اور میں نے دیکھا کہ وہ باورچی خانے کی ایک لونڈی کو لیے پڑا ہے۔ اس پر میں نے قسم کھائی کہ میں بھی ضرور ایک ایسے شخص کے ساتھ زنا کروں گی جو سب سے زیادہ گندہ اور پلید ہو۔ جس روز غلام نے تجھے پکڑا ہے مجھے شہر میں ایسے شخص کو ڈھونڈتے چار دن ہو چکے تھے مگر مجھے تجھ سے زیادہ گندہ اور پلید نہ ملا تھا۔ اس لیے میں نے تجھے بلوا بھیجا اور تقدیر میں جو ہونا تھا ہوا۔ اب میں نے جو قسم کھائی تھی پوری کر لی ہے۔ اس کے بعد وہ کہنے لگی کہ جب میرا شوہر پھر لونڈی کے ساتھ لیٹے گا اور اس سے ہم بستر ہو گا تو میں بھی تجھے بلا کر پھر وہی کچھ کروں گی۔ جب میں نے اسے یہ کہتے سنا اور اس کی نظروں کے تیر میرے دل پر چلنے لگے تو میں اتنا رویا کہ میرے پوٹے زخمی ہو گئے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ چلا جا۔ مجھے چار سو مشقال سونا مل چکا تھا میں اسے خرچ کر رہا ہوں اور یہاں آیا ہوں تاکہ خدا

سے دعا کروں کہ اس کا شوہر ایک بار اور لونڈی کے پاس جائے اور میری پھر وہی پہلی سی حالت ہو۔ امیر الحاج نے اس شخص کا قصہ سنا تو اسے چھوڑ دیا اور حاضرین سے کہا کہ خدا کے لیے اس کے واسطے دعا کرو، اس لیے کہ وہ معذور ہے۔

○ خلیفہ ہارون الرشید اور دوسرے خلیفہ کی کہانی

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک رات خلیفہ ہارون الرشید کا جی بہت گھبرا رہا تھا۔ اس نے اپنے وزیر جعفر برمکی کو بلا کر کہا کہ آج رات مجھے سخت گھبراہٹ ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ بغداد کے گلی کوچوں کی سیر کروں اور لوگوں کی حالت دیکھوں لیکن شرط یہ ہے کہ ہم سب سوداگروں کا بھیس بدل لیں تاکہ ہمیں کوئی شخص پہچان نہ سکے۔ چنانچہ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ خلیفہ نے بھی شاہانہ پوشاک اتار کر سوداگروں کا لباس پہن لیا۔ یہ تین شخص تھے: خلیفہ، جعفر اور مسرور جلاد۔ وہ جگہ جگہ سیر کرتے پھرتے پھرتے دجلے پر پہنچے۔ وہاں انہوں نے ایک بوڑھے شخص کو ایک کشتی میں بیٹھا دیکھا۔ اس کے پاس جا کر اسے سلام کیا اور کہنے لگے کہ بڑے میاں تیرا بڑا احسان و کرم ہو گا اگر تو ہمیں اپنی کشتی میں بٹھا کر سیر کرا لائے۔ لے یہ دینار تیری اجرت ہے۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو چھیالیس ویں رات

دو سو چھیالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب انہوں نے بوڑھے سے کہا کہ ہم تیری کشتی میں بیٹھ کر سیر کرنا چاہتے ہیں اور اسے دینار دیا تو اس نے کہا کہ کس کی مجال ہے کہ جو اس وقت کشتی میں بیٹھ کر سیر کرے۔ خلیفہ ہارون الرشید ہر رات اپنے بحرے میں بیٹھ کر دجلے میں آتا ہے اور اس کے ساتھ ایک ڈھنڈورا پیٹنے والا ڈھنڈورا پیٹتا ہے کہ اے لوگو بڑے یا چھوٹے خاص ہو یا عام، بچے ہو یا جوان جو کوئی کشتی میں بیٹھ کر دجلے میں آئے گا، میں اس کی گردن اڑا دوں گا یا کشتی کے مستول پر الٹا لٹکا دوں گا۔ اس وقت اگر تم کشتی میں بیٹھے تو ضرور تمہاری اور اس کی مڈبھیڑ ہو جائے گی۔ اس کا بجرا آنے والا ہے۔ خلیفہ اور جعفر نے کہا بڑے میاں یہ دو دینار لے اور ہمیں ان محرابوں میں سے ایک کے اندر لے چل تا کہ ہم خلیفہ کے بحرے کو گزرتے ہوئے دیکھ سکیں۔ بوڑھا بولا کہ اچھا لاؤ دینار دو اور خدا پر بھروسہ کرو۔ دینار لے کر وہ تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ ایک بجرا بیچ دجلے میں سے آتا ہوا نظر آیا جس میں شمعیں اور مشعلیں جل رہی تھیں۔ بوڑھے نے کہا کہ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ خلیفہ ہر رات کشتی میں آتا ہے اور پھر کہنے لگا کہ اے پردہ پوش خدا پردہ دری نہ کیجیو اور انہیں لے کر ایک محراب میں گھس گیا اور ان پر ایک سیاہ چادر ڈال دی۔ وہ چادر کے نیچے سے دیکھنے لگے۔

انہوں نے دیکھا کہ بحرے کے آگے کے حصے میں ایک شخص ہے جس کے ہاتھ میں سرخ سونے کی ایک مشعل ہے جسے وہ قافلی عود سے روشن کرتا جاتا ہے۔ یہ شخص سرخ اطلس کی قبا پہنے ہوئے ہے اور اس کے ایک کندھے پر ایک زرد رنگ کی زردوزی چادر پڑی ہوئی ہے اور سر پر موصلی گپڑی۔ دوسرے کندھے پر ریشم کا ایک تھیلا ہے

جس میں قاتلی عود بھرا ہوا ہے۔ بجرے کے پچھلے حصے میں ایک ایسا ہی لباس پہنے اور ایسی ہی مشعل لیے ایک دوسرا شخص کھڑا دیکھا۔ بجرے کے اندر دو سو غلام دائیں بائیں کھڑے نظر آ رہے ہیں اور ان غلاموں کے حلقے میں سرخ سونے کی ایک کرسی رکھی ہوئی ہے اور اس پر چاند سا خوبصورت جوان بیٹھا ہوا ہے۔ سیاہ لباس پہنے جس پر زرد سونے کا کشیدہ کڑھا ہوا ہے۔ اس کے سامنے وزیر جعفر جیسا ایک شخص بیٹھا ہے اور اس کے پیچھے ایک دوسرا شخص کھڑا ہے جس کی شکل مسرور سے ملتی جلتی ہے اور اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہے۔ ان کے علاوہ بیس اور ندیم ہیں۔ جب خلیفہ نے یہ دیکھا تو کہا کہ اے جعفر! اس نے کہا کہ اے امیر المومنین حاضر ہوں۔

خلیفہ نے کہا کہ شاید میرے بیٹوں میں سے کوئی ہے۔ مامون یا امین۔ اب اس نے جوان کو غور سے دیکھا جو کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور دیکھا کہ اس کا حسن و جمال اور قد و قامت لاجواب ہے۔ غور سے دیکھنے کے بعد وہ وزیر کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ اے جعفر۔ اس نے جواب دیا کہ لبیک! اس نے کہا کہ اس شخص کی شکل جو بیٹھا ہوا ہے بالکل میری سی ہے اور جو شخص اس کے سامنے ہے وہ تیری طرح ہے اور جو نوکر اس کے پیچھے کھڑا ہے ہو بہو مسرور معلوم ہوتا ہے اور یہ ندیم ایسے ہیں جیسے خود میرے ندیم۔ میری عقل دنگ ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو ستاسی ویں رات

جو دو سو ستاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- خلیفہ یہ دیکھ کر دنگ ہو گیا اور کہنے لگا کہ اے جعفر واللہ میں اس بات سے سخت حیران ہوں۔ جعفر بولا واللہ اے امیرالمومنین میں کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ اتنے میں بجرا چلتے چلتے نظر سے غائب ہو گیا اور بوڑھا اپنی کشتی لے کر چل دیا اور کہنے لگا کہ شکر ہے خدا کا ہماری کس سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی اور ہم صحیح و سلامت نکل آئے۔ خلیفہ نے کہا کہ بڑے میاں کیا خلیفہ ہر رات دجلے میں آیا کرتا ہے؟ اس نے کہا ہاں میرے آقا اور اسی حالت میں ایک سال ہو چکا ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ بڑے میاں تیری بڑی مربانی ہوں گی اگر تو کل رات یہیں ہمارا انتظار کرے۔ ہم تجھے پانچ دینار دیں گے۔ ہم پردیسی ہیں۔ سیر کرنے آئے ہیں اور الخندق میں رہتے ہیں۔ بوڑھے نے کہا کہ سر آنکھوں سے۔ اس کے بعد خلیفہ اور جعفر اور مسرور بوڑھے کے پاس سے چل دیئے اور محل پہنچ کر سوداگروں کا لباس اتار ڈالا اور شاہی کپڑے پہن لیے اور اپنے اپنے مرتبے پر بیٹھ گئے۔ امراء، وزرا، حاجب اور عامل آئے۔ دیوار منعقد ہوا۔ جب دن ختم ہوا اور سب نے اٹھ کر اپنی اپنی راہ لی تو خلیفہ ہارون الرشید نے کہا کہ اے جعفر چل دوسرے خلیفہ کا تماشا دیکھیں۔ اس پر جعفر اور مسرور ہنس پڑے اور سوداگروں کا لباس پہن کر نہایت خوش خوش چور دروازے سے نکل کر روانہ ہو گئے۔ جب وہ دجلے پر پہنچے تو دیکھا کہ بوڑھا کشتی لیے ان کا انتظار کر رہا ہے۔ یہ تینوں کشتی میں اس کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ دوسرے خلیفہ کا بجرا ان کے سامنے آ گیا۔ جب انہوں نے غور سے دیکھا تو اس میں کل کے علاوہ دوسرے دو سو غلام تھے اور ڈھنڈورا پیٹنے والے ہی ڈھنڈورا پیٹ رہے تھے۔ خلیفہ نے کہا کہ اے جعفر یہ ایسی باتیں ہیں کہ اگر میں ان کو سن لیتا تو ہرگز یقین نہ کرتا لیکن اب میں انہیں

خود آنکھ سے دیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد خلیفہ ے کشتی بان سے کہا بڑھے یہ دس دینار لے اور ہماری کشتی کو ان کے پہلو بہ پہلو لے چل۔ وہ روشنی میں ہیں اور ہم اندھیرے میں۔ ہم ان کا تماشہ دیکھیں گے اور وہ ہمیں نہ دیکھ سکیں گے۔ بوڑھے نے وہ دس دینار لیے اور اپنی کشتی کو ان کے پہلو میں لگا دیا اور اس بجرے کے سائے میں کھینے لگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• دو سو اٹھاسی ویں رات

جب دو سو اٹھاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- خلیفہ ہارون الرشید نے بوڑھے سے کہا کہ یہ دس دینار لے اور ان کے پہلو بہ پہلو چل۔ اس نے کہا کہ بسرو چشم اور دینار لے کر انہیں لے چلا اور بجرے کے سائے میں باغوں تک جا پہنچا۔ وہ باغوں تک پہنچ گئے تو انہیں ایک بڑا کھرا نظر آیا۔ بجرا ٹھہر گیا۔ وہاں کئی غلام ایک خچر کو لیے کھڑے تھے جس پر زین کسا ہوا تھا۔ دوسرا خلیفہ نیچے اتر کر خچر پر سوار ہوا اور اپنے ندیموں کے ساتھ آگے بڑھا، منادی کرنے والے منادی کرنے لگے، نوکر چاکر اپنے دھندوں میں مشغول تھے۔ ہارون الرشید اور جعفر اور مسرور بھی خشکی پر اترے اور غلاموں کو چیرتے پھاڑتے ان کے آگے نکل گئے۔ اب مشعل برداروں کی نظر ان پر پڑی اور انہوں نے دیکھا کہ تین شخص ان کے ساتھ ہیں جو سوداگروں کا لباس پہنے ہوئے ہیں اور پردیسی ہیں۔ انہیں یہ برا معلوم ہوا اور انہوں نے ان کو اشارے سے بلا کر دوسرے خلیفہ کے سامنے حاضر کیا۔ جب اس نے انہیں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ تم اس جگہ کیسے آئے ہو اور اس وقت یہاں پہنچنے کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے آقا ہم پردیسی سوداگر ہیں اور آج ہی ہمارا یہاں آنا ہوا ہے۔ رات کو سیر کرنے نکلے تھے کہ ان لوگوں نے ہمیں پکڑ لیا۔ اور تیرے آگے لا کھڑا کیا۔ بس یہی ہے ہمارا قصہ۔

دوسرے خلیفہ نے کہا کہ ڈرو نہیں کیونکہ تم پردیسی ہو۔ اگر تم بغداد کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا۔ اس کے بعد اپنے وزیر کی طرف مخاطب ہو کر بولا کہ انہیں اپنے ساتھ رکھ وہ آج ہمارے مہمان ہیں۔ اس نے کہا کہ سر آنکھوں سے اے ہمارے آقا۔ اب وہ انہیں ساتھ لے کر روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ وہ ایک محل کے پاس پہنچا جو نہایت خوبصورت، عظیم الشان اور ایسا مضبوط تھا کہ کسی بادشاہ

کے پاس نہ ہو گا اور زمین سے لے کر بادلوں تک بلند اس کا دروانہ ساگوان کی لکڑی کا تھا اور اس میں چمک دار سونے کی پچی کاری تھی۔ اس محل میں داخل ہوتے ہی ایک ایوان دکھائی دیا جس میں ایک حوض تھا جس کے چاروں طرف پشتے بنے ہوئے تھے۔ ایوان میں فرش بچھے ہوئے، تکیے رکھے ہوئے اور پردے پڑے ہوئے تھے۔ فرش اس قدر صاف تھا کہ عقل دنگ ہو جائے اور زبان اس کی تعریف نہ کر سکے۔

سب لوگ وہاں داخل ہوئے اور دوسرا خلیفہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا جو سونے کی تھی اور جس میں ہیرے جڑے ہوئے تھے اور جس کے اوپر زرد ریشم کا سجادہ بچھا ہوا تھا۔ ندیم بیٹھ گئے اور جلاد دوسرے خلیفہ کے سامنے کھڑا ہو گیا پھر دسترخوان بچھایا۔ جب وہ کھا چکے تو برتن بڑھائے گئے۔ لوگوں نے ہاتھ دھوئے اور شراب نوشی کا سامان آیا، صراحیاں اور پیالے ایک قطار میں رکھے۔ دور چلنا شروع ہوا اور چلتے چلتے خلیفہ ہارون الرشید تک پہنچا لیکن اس نے پینے سے انکار کیا۔ دوسرے خلیفہ نے جعفر سے پوچھا کہ تیرا دوست کیوں نہیں پیتا۔ وہ بولا اے میرے آقا، اس نے مدت سے اس کا پینا ترک کر دیا ہے۔ دوسرے خلیفہ نے کہا کہ میرے پاس اس کے علاوہ اور بھی پینے کی چیز ہے جو تیرے دوست کے قابل ہے اور وہ سبب کا شربت ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اسے منگوایا جو فوراً حاضر کیا گیا۔ دوسرے خلیفہ نے ہارون الرشید کے پاس جا کر کہا کہ جب دور تیرے پاس آئے تو تو اس میں سے پیجیو۔ وہ پیٹے اور لطف اٹھاتے اور ایک دوسرے کو جام دیتے رہے یہاں تک کہ شراب نے انہیں رنگ لیا اور ان پر غالب آ گئی۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو نواسی ویں راتے

جب دو سو نواسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- دوسرا خلیفہ اور اس کے ساتھی برابر پیتے رہے یہاں تک کہ شراب نے انہیں رنگ لیا اور ان کی عقل زائل کر دی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے وزیر سے کہا کہ اے جعفر واللہ میرے پاس بھی ایسا سامان نہیں ہے۔ کاش کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ یہ جوان کون ہے اور اسی طرح چپکے چپکے باتیں کر رہے تھے کہ جوان ان کی طرف متوجہ ہوا اور دیکھا کہ وزیر اور خلیفہ کانا پھوسی کر رہے ہیں۔ کہنے لگا کہ کانا پھوسی کرنا بری بات ہے۔ وزیر نے کہا کہ کوئی بری بات نہیں ہو رہی ہے۔ میرا یہ ساتھی محض یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے اکثر ملکوں کی سیر کی ہے اور بڑے بڑے بادشاہوں کی صحبت میں رہا ہوں، لشکروں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہے، میں نے کہیں نہ ایسا عمدہ انتظام دیکھا اور نہ ایسی لطف کی رات گزاری لیکن بغداد والے کہتے ہیں کہ شراب بے گانے بجانے کے سر میں درد پیدا کر دیتی ہے۔ یہ سن کر دوسرا خلیفہ مسکرانے لگا اور خوش ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ڈنڈا تھا وہ اس نے ایک گھڑیال پر مارا فوراً ایک دروانہ کھلا اور اس میں سے ایک نوکر برآمد ہوا جس کے پاس ایک ہاتھی دانت کی کرسی تھی جس پر سونے کا کلام تھا اس کے پیچھے ایک لڑکی تھی جو حسن و جمال میں اپنا نظیر نہ رکھتی تھی۔ نوکر نے کرسی رکھ دی اور وہ لڑکی اس پر بیٹھ گئی جیسے کہ آسمان پر چمک دار سورج۔ اس کے ہاتھ میں ایک ساز تھا جسے ہندوستانی کاری گروں کی دستکاری کہنا چاہیے۔ اس نے وہ ساز اپنی گود میں رکھا اور اس پر اس طرح جھکی جیسے ماں بچے کے اوپر اور تمہید کے بعد چوبیس راگ سنائے اس خوبی کے ساتھ کہ لوگوں کی عقلیں دنگ ہو گئیں۔

راگوں کا سننا تھا کہ دوسرے خلیفہ نے ایک چیخ ماری اور اپنے لباس کو دامن تک پھاڑتا

چلا گیا۔ لوگوں نے اس پر پردہ گرا دیا اور دوسرا لباس لائے جو پہلے سے زیادہ خوبصورت تھا اور وہ اسے پہن کر پھر پہلے کی طرح آ کر بیٹھ گیا۔ اب جب دوبارہ دور اس کے پاس پہنچا تو اس نے پھر ڈنڈا گھڑیاں پر مارا اور فوراً دروانہ کھلا اور اس میں سے ایک نوکر سونے کی کرسی لیے نکلا۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک لڑکی جو پہلی سے بھی زیادہ حسین تھی، ہاتھ میں دوسرا ساز لیے ہوئے آئی جسے اگر حاسد دیکھ لیں تو ان کے دل میں آگ لگ جائے اور وہ گانے بجانے لگی۔ اس کا گانا سن کر جوان نے پھر ایک چیخ ماری اور دامن تک اپنے کپڑے چاک کر دیئے۔ پھر اس پر پردہ گرا دیا گیا اور لوگ دوسری پوشاک لائے اور وہ اسے پہن کر پھر پہلے کی طرح آ بیٹھا۔ مزے مزے کی باتیں کرنے لگا۔ جب پھر دور اس تک پہنچا تو پھر اس نے گھڑیاں بجایا اور ایک خادم نکلا جس کے پیچھے پیچھے لڑکی تھی جو پہلی دونوں لڑکیوں سے زیادہ حسین تھی۔ خادم اپنے ساتھ ایک کرسی لایا تھا جس پر وہ بیٹھ گئی اس کے ہاتھ میں ایک تیسری قسم کا ساز تھا۔ جس کے تار ملا کر وہ گانے لگی۔ جوان نے پھر چیخ ماری اور اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ لوگ پھر پردہ ڈال کر دوسرے کپڑے لائے اور وہ پھر اپنے ندیموں کے ساتھ آ بیٹھا اور دور چلنے لگا۔ جب پیالہ اس کے پاس پہنچا تو اس نے پھر گھڑیاں پر چوٹ ماری۔ دروانہ کھلا اور ایک غلام کرسی لے کر آیا اور ایک لڑکی پیچھے پیچھے آئی۔ غلام نے کرسی بچھا دی اور لڑکی نے بیٹھ کر ساز لیا اور گانا شروع کیا۔ دوسرے خلیفہ کا پھر وہی حال ہوا چیخ ماری اور اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو نوے ویں رات

جب دو سو نوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- دوسرے خلیفہ نے لڑکی کا گانا سن کر پھر زور سے چیخ ماری اور اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ لوگ چاہتے تھے کہ پردہ گرا دیں لیکن رسی رک گئی اور ہارون الرشید کی نظر اس پر جا پڑی اس نے دیکھا کہ اس کے بدن پر کوڑوں کی مار کے نشان ہیں۔ ہارون الرشید نے غور سے دیکھنے کے بعد کہا کہ جعفر واللہ یہ بڑا خوبصورت جوان ہے مگر بڑا شاطر چور معلوم ہوتا ہے۔ جعفر بولا، امیر المومنین یہ تجھے کیسے معلوم ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ کیا تو نے اس کے دونوں پہلوؤں پر کوڑوں کے نشان نہیں دیکھے؟ اتنے میں لوگ اس پر پردہ ڈال کر دوسرے کپڑے لے آئے تھے اور وہ انہیں پہن کر پہلے کی طرح اپنے ندیموں میں آ بیٹھا۔ اب اس کی توجہ خلیفہ اور جعفر کی طرف مبذول ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ وہ دونوں کانا پھوسی کر رہے ہیں وہ ان سے کہنے لگا کہ اے جوانو یہ کیا ماجرا ہے؟ جعفر نے کہا کہ اے ہمارے آقا خیریت ہے لیکن یہ بات تجھ سے پوشیدہ نہ رہنی چاہیے کہ یہ میرا ساتھی سوداگر ہے اور ہر ملک اور شہر میں گیا ہے اور بادشاہوں اور دوسرے بڑے لوگوں کی صحبت میں رہا ہے وہ کہتا ہے کہ جو کچھ آج ہمارے آقا خلیفہ نے کیا بڑی فضول خرچی ہے۔ میں نے کسی ملک میں کسی کو ایسا کرتے نہیں دیکھا کیونکہ اس نے ایسے لباس پھاڑ ڈالے جن کی قیمت ایک ایک ہزار دینار ہو گی۔ دوسرے خلیفہ نے کہا کہ یہ مال میرا مال ہے اور لباس میرا لباس ہے اور یہ ایک معمولی سا انعام ہے جو میں اپنے نوکروں چاکروں کو دیا کرتا ہوں۔ ہر لباس جسے میں نے پھاڑا ہے کسی نہ کسی حاضر باش ندیم کے لیے ہے۔ میرا یہ حکم ہے کہ ہر لباس کے ساتھ انہیں پانچ سو دینار نقد بھی دیئے جایا کریں۔ وزیر جعفر بولا کہ خوب اے ہمارے آقا اور یہ دو شعر پڑھے ”نیکوں نے اپنا گھر تیری ہتھیلیوں

میں بنایا ہے اور تو نے اپنا مال لوگوں پر حلال کر دیا ہے۔ اگر نیکیوں کے دروازے بند ہو جائیں تو ان کے قفلوں کی کنجیاں تیرے دونوں ہاتھ ہیں۔“

جوان نے یہ دونوں شعر جعفر سے سنے تو حکم دیا کہ اسے ایک پوشاک اور ایک ہزار دینار عطا کئے جائیں۔ اب پھر دور چلنے لگے اور انہیں شراب میں لطف آنے لگا۔ ہارون الرشید نے کہا کہ اے جعفر پوچھ تو سہی کہ اس کے بدن پر مار کے نشان کیسے ہیں؟ معلوم ہو کہ وہ کیا جواب دیتا ہے۔ جعفر نے عرض کیا کہ اے ہمارے آقا جلدی نہ کر۔ ذرا ٹھہر جا صبر کرنا بہتر ہے۔ خلیفہ بولا قسم ہے اپنے سر کی اور عباس کی قبر کی اگر تو نے نہ پوچھا تو میں تیری جان نکال لوں گا۔ اتنے میں جوان وزیر کی طرف مخاطب ہو کر بولا تجھے اور تیرے رفیق کو کیا ہو گیا؟ تم کتنا پھوسی کیے جاتے ہو؟ اپنی باتیں مجھے بھی سناؤ۔ وزیر نے کہا خیر ہے۔ جوان نے کہا کہ خدا کے واسطے کہو اور مجھ سے کوئی بات نہ چھپاؤ۔ وزیر کہنے لگا کہ اے میرے آقا اس نے تیرے دونوں پہلوؤں پر کوڑوں کے نشان دیکھے ہیں۔ اسے سخت تعجب ہے کہتا ہے کہ خلیفہ پر کیسے مار پڑ سکتی ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ اس کا سبب دریافت کرے جب جوان نے یہ سنا تو مسکرا کر بولا کہ سنو میرا ماجرا عجیب و غریب ہے۔ اگر وہ سویوں سے آنکھوں کے کونوں میں لکھا جائے تو عبرت حاصل کرنے والے اس سے عبرت حاصل کریں گے۔ سنو اے میرے آقاؤں میں امیر المومنین نہیں ہوں بلکہ میں نے اپنا یہ نام رکھ لیا ہے تاکہ شہر والوں سے جو میں چاہوں مل جائے۔ میرا نام تو محمد علی بن علی جوہری ہے۔ میرا باپ بڑے امیر لوگوں میں سے تھا۔ اس نے ترکے میں بے حد سونا، چاندی، موتی، مرجان، یاقوت، زبرجد اور دوسرے جواہرات، جاگیریں، حمام، پڑاۓ، باغ، دکانیں، بے شمار اینٹیں بنانے والے غلام اور کنیریں چھوڑی تھیں۔

ایک روز یہ اتفاق ہوا کہ میں اپنی دکان میں بیٹھا ہوا تھا اور نوکر چاکر میرے ارد گرد تھے کہ ایک لڑکی خچر پر سوار تین ماہ روکنیروں کو ساتھ لیے آئی۔ میرے قریب پہنچ کر وہ اتر پڑی۔ دکان پر میرے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ اور مجھ سے کہنے لگی کہ تیرا

ہی نام محمد علی جوہری ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں وہ تیرا مملوک اور غلام، میں ہی ہوں۔ وہ بولی کیا تیرے پاس کوئی جواہرات کا ہار ہے جو میرے قابل ہو؟ میں نے کہا کہ اے میری آقا جو کچھ میرے پاس ہے پیش کرنا ہوں، اگر ان میں سے کچھ تجھے پسند آیا تو یہ تیرے غلام کے لیے سعادت کا باعث ہے اور اگر پسند نہ آیا تو میری بد قسمتی کی علامت۔ میرے پاس جواہرات کے سو ہار تھے۔ میں نے سب اس کے آگے پیش کیے لیکن ان میں سے اسے کوئی پسند نہ آیا اور وہ کہنے لگی کہ میں ان سے بہتر چاہتی ہوں۔ میرے پاس ایک اور چھوٹا سا ہار تھا جسے میرے باپ نے ایک لاکھ دینار میں خریدا تھا اور جس کی نظیر کسی بڑے بادشاہ کے پاس بھی نہ ہو گی۔ میں نے اس سے کہا کہ اے میری آقا ایک گلوں اور جواہرات کا ہار اور میرے پاس ہے جس کی مثل نہ کسی بڑے کے پاس ہو گی نہ چھوٹے کے۔ اس نے کہا دکھا۔ جب اس نے اسے دیکھا تو کہنے لگی کہ بس ایسا ہی چاہتی تھی اور ایسے ہی ہار کی تمنا مجھے عمر بھر رہی۔ پھر اس نے پوچھا کہ اس کی قیمت؟ میں بولا کہ میرے باپ نے اسے ایک لاکھ دینار میں خریدا تھا۔ اس نے کہا کہ اور تیرا فائدہ پانچ ہزار دینار؟ میں نے عرض کیا کہ اے میری آقا ہار اور ہار کا مالک دونوں تیرے ہیں اور میں تیرا فرمانبردار ہوں۔ اس نے کہا کہ تجھے فائدہ ضرور لینا ہو گا اور اس کے علاوہ میں تیری ممنون رہوں گی۔ یہ کہہ کر وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور پھرتی سے خچر پر بیٹھ کر مجھ سے کہنے لگی اے میرے آقا بسم اللہ میرے ساتھ چل کر قیمت لے آ کیونکہ آج کا دن تیرے لیے مثل دودھ کے سفید ہے۔

میں نے اٹھ کر دوکان میں قفل لگایا اور فی امان اللہ کہہ کر اس کے ساتھ ہو لیا۔ جب میں اس کے گھر پہنچا تو دیکھا کہ امارات کے نشان نمودار ہیں۔ مکان کا دروازہ سونے، چاندی اور لاجورد کا ہے۔ لڑکی اتر کر گھر میں چلی گئی اور مجھ سے کہا کہ دروازے کے چبوترے پر بیٹھ۔ میں وہاں کچھ دیر بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بعد ایک کنیز باہر آئی اور مجھ سے بولی اندر چل یہاں تیرا دروازے پر بیٹھنا برا معلوم ہوتا ہے۔ میں مکان کے اندر

جا کر چوکی پر بیٹھ گیا۔ بیٹھا ہی تھا کہ ایک کنیز آئی اور کہنے لگی کہ اے میرے آقا میری مالکہ کہتی ہے کہ اندر ایوان کے دروازے پر آ اور قیمت لے لے۔ اب میں وہاں سے اٹھ کر اندر گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک سونے کی کرسی بچھی ہوئی ہے اور اس پر ریشم کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ پردہ اٹھا اور وہ لڑکی نظر آئی جس نے مجھ سے ہار خریدا تھا۔ اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا اور چاند کے دائرے کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ ہار اس کے گلے میں پڑا ہوا تھا۔ لڑکی کا حسن و جمال دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے۔ مجھے دیکھ کر وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ میری طرف دوڑی اور کہا کہ اے میری آنکھوں کے نور کیا تیری طرح ہر خوبصورت اپنی محبوبہ پر ترس نہیں کھاتا؟ میں نے کہا اے میری آقا حسن تو جان و دل سے تیرا ہے۔ تو نے یہ کیا کہا۔ وہ بولی اے جوہری میں تجھ پر مرتی ہوں اور مجھے اب تک یقین نہیں آتا کہ میں تجھے اپنے ساتھ یہاں لائی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ میری طرف جھکی اور میرا بوسہ لیا۔ میں نے بھی اس کا بوسہ لیا پھر اس نے مجھے اپنی طرف کھینچا اور اپنے سینے سے لپٹا لیا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو اکیانوے ویں رات

جب دو سو اکیانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- جوہری نے کہا کہ وہ میری طرف جھکی اور میرا بوسہ لیا، مجھے اپنی طرف کھینچا اور اپنے سینے سے لپٹا لیا اور میری حالت دیکھ کر وہ سمجھ گئی کہ میں اس کے وصال کا طالب ہوں۔ مجھ سے کہنے لگی اے میرے آقا کیا تو چاہتا ہے کہ مجھ سے حرام کاری کرے۔ واللہ نیست و نابود ہو وہ شخص جو اس قسم کے گناہ کا مرتکب ہو یا ایسی بری بات زبان پر لائے! میں کنواری ہوں اور باکرہ۔ کوئی مرد میرے پاس اب تک نہیں آیا ہے اور شہر میں ہر ایک مجھے جانتا ہے۔ تجھے معلوم ہے کہ میں کون ہوں؟ میں نے کہا کہ خدا کی قسم نہیں، اے میری آقا۔ اس نے کہا کہ میں وزیر زادی ہوں۔ میرا نام دینا بنت یحییٰ بن خالد برکی ہے اور میرا بھائی خلیفہ کا وزیر جعفر ہے۔ یہ سنا تو میں جھجک گیا اور اس سے کہا کہ اے میری آقا میری دراز دستی میں میرا کوئی گناہ نہیں۔ تو نے خود مجھے اپنے پاس بلا کر اپنے وصال کا خواہش مند کیا۔ اس نے کہا کہ گھبرا نہیں۔ تیرا مقصد پورا ہو کر رہے گا مگر خدا کی رضا مندی کے ساتھ کیونکہ میں خود مختار ہوں اور قاضی میرا نکاح کر دے گا۔ میرا ارادہ ہے کہ میں تیری بیوی اور تو، میرا شوہر ہو۔ یہ کہہ کر اس نے قاضی اور گواہوں کو بلوایا اور خوب تیاری کی۔ جب وہ آئے تو لڑکی نے کہا کہ محمد علی بن جوہری مجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ میں اس نے مجھے یہ ہار دیا ہے اور میں نے قبول کر لیا ہے۔ میں راضی ہوں۔ انہوں نے میرا نکاح نامہ اس کے ساتھ لکھ دیا اور میں اس کے ساتھ اندر چلا گیا۔ مئے نوشی کا سامان لایا گیا۔ جام چلنے لگے۔ ہر کام نہایت سلیقے سے ہو رہا تھا۔ نشہ چڑھنے لگا تو اس نے ایک مغنیہ کنیز کو گانے بجانے کا حکم دیا۔ اس کنیز نے ساز چھیڑ کر گانا شروع کر دیا اور ایسا عمدہ گایا بجایا کہ واہ وا۔ ایک کنیز کے بعد دوسری گاتی بجاتی رہی۔ دس

کنیزیں گا بجا چکیں تو وزیر زادی دینا نے خود ساز لے کر بجانا شروع کیا اور اس رنگ سے بجایا کہ سب دنگ ہو گئے۔ اس نے ساز رکھا تو میں نے اٹھا لیا اور طرح طرح کے راگ نکالے۔ میرے راگ سن کر وہ بہت خوش ہوئی اور اس کے بعد اس نے کنیزوں کو برخاست کیا اور ہم دونوں ایک خوبصورت کمرے میں گئے جہاں رنگ برنگ کے فرش بچھے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے کپڑے اتار ڈالے اور میں اس کے ساتھ ہم بستر ہوا۔ جس طرح کہ عاشق ہوا کرتے ہیں۔ میں نے بڑا لطف اٹھایا۔ اس سے زیادہ خوشی کی رات مجھے زندگی میں کبھی نصیب نہیں ہوئی۔

اور شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو بانوے ویں رات

دو سو بانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- محمد بن علی جوہری کا بیان ہے کہ میں نے وزیر زادی دینا بنت یحییٰ بن خالد برکی سے ہم بستری کی اور اس طرح میں پورے مہینے بھر تک اس کے ساتھ رہا۔ دکان، مکان اور خاندان کے پاس تک نہ پھٹکا۔ ایک روز اس نے مجھ سے کہا کہ اے میری آنکھوں کے نور، اے میرے آقا محمد میں آج حمام جانے کا ارادہ رکھتی ہوں۔ تو اس تخت پر بیٹھا رہیو اور جب تک میں لوٹ نہ آؤں یہاں سے نہ اٹھیو۔ اس نے مجھے قسم دی۔ میں نے تعمیل حکم کا وعدہ کیا پھر اس نے دوبارہ قسم دی کہ میں اپنی جگہ سے نہ ہٹوں اور اپنی کنیزوں کو لے کر حمام چلی گئی۔ اے میرے دوستو یقین کرو کہ وہ ابھی گلی کے دوسرے کنارے پر پہنچی ہو گی کہ دروانہ کھلا اور ایک بڑھیا اندر آئی اور کہنے لگی کہ اے میرے آقا محمد شنزادی زبیدہ تجھے یاد کرتی ہے۔ اس نے تیرے ادب و تمیز، ظرافت اور نغمہ سرائی کی تعریف سنی ہے۔ میں نے کہا کہ میں ہرگز یہاں سے نہ اٹھوں گا جب تک کہ وزیر زادی دینا نہ آجائے۔ بڑھیا بولی اے میرے آقا شنزادی زبیدہ کو ناراض نہ کر اور اسے اپنا دشمن نہ بنا۔ اس سے دو دو باتیں کر کے ابھی لوٹ آئیو۔ میں اٹھ کر اس کے ساتھ ہو لیا۔ بڑھیا میرے آگے آگے تھی حتیٰ کہ میں شنزادی زبیدہ کے پاس پہنچ گیا۔ جب وہاں پہنچا تو اس نے پوچھا کہ اے میری آنکھوں کے نور کیا تو ہی وزیر زادی دینا کا معشوق ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میں تیرا بندہ اور غلام ہوں۔ اس نے کہا کہ جس نے تیرے حسن و جمال اور ادب و کمال کی تعریف کی ہے جھوٹ نہیں بولا تو، ہر تعریف سے برتر ہے لیکن اپنا گانا بھی ذرا مجھے سنا دے۔ میں نے کہا برو چشم۔

اس نے مجھے ساز دیا اور میں گانے بجانے لگا۔ جب میں گا بجا چکا تو وہ بولی کہ خدا

تجھے اور تیری آواز کو صحیح سلامت رکھے تو ادب و آداب حسن اور گلے بجانے سب میں کمال رکھتا ہے۔ اب اپنے گھر جا اگر وزیر زادی دینا آگئی اور تجھے نہ پایا تو وہ تجھ سے ناراض ہو گی۔ میں نے اٹھ کر اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور بڑھیا کے ساتھ روانہ ہو گیا اور دروازے پر پہنچ گیا جہاں سے روانہ ہوا تھا۔ اندر تخت کے پاس جا کر میں نے دیکھا کہ وہ حمام سے آگئی ہے اور تخت پر سو رہی ہے۔ میں پائنتی بیٹھ کر اس کے پاؤں دبانے لگا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ پاؤں کھینچ لیے اور اس زور سے لات ماری کہ میں تخت پر سے گر پڑا اور مجھ سے کہنے لگی کہ اے خائن تو نے قسم توڑ دی اور دغا بازی کی۔ تو نے وعدہ کیا تھا کہ اپنی جگہ سے نہ اٹھے گا مگر اس کے خلاف کیا اور شہزادی زبیدہ کے پاس گیا۔ خدا کی قسم اگر مجھے بدنامی کا ڈر نہ ہوتا تو میں اس کا محل ڈھا کر اسے اس کے نیچے دفن کر دیتی۔ اس کے بعد اس نے اپنے غلام سے کہا کہ اے صواب اٹھ اور اس خائن دروغ گو کی گردن اڑا دے۔ اب یہ میرے کام کا نہیں۔ غلام آگے بڑھا۔ اپنے دامن میں سے ایک دھجی پھاڑ کر میری آنکھیں باندھ دیں اور چاہتا ہی تھا کہ میری گردن اڑا دے۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو ترانوںے دیں راتے

جب دو سو ترانوںے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- محمد جوہری نے بیان کیا کہ غلام بڑھا اور اپنے دامن سے ایک دھچی پھاڑ کر میری آنکھیں باندھ دیں اور چاہتا ہی تھا کہ میری گردن اڑا دے کہ بڑی چھوٹی سب کنیریں دوڑ پڑیں اور کہنے لگیں، اے ہماری آقا یہ پہلا شخص نہیں ہے جس نے جرم کیا ہے، اسے تیری عادت کی خبر نہ تھی اور اس نے کوئی ایسی بات بھی نہیں کی جس کی وجہ سے وہ قتل کا سزاوار ہو۔ وہ بولی بہر حال میں کم از کم اس کے اوپر کوئی نشان ضرور چھوڑوں گی اور حکم دیا کہ مجھے کوڑے لگائے جائیں اور انہوں نے میری پسلیوں کو ادھیڑ دیا۔ یہ جو تم نے دیکھا ہے اسی مار کے نشان ہیں۔ کوڑے پڑ چکے تو اس نے حکم دیا کہ وہ مجھے باہر نکال دیں اور وہ مجھے باہر لے جا کر محل سے دور پھینک آئے۔ میں مشکل سے آہستہ آہستہ چل کر اپنے مکان میں پہنچا اور جراح کر بلا کر اسے مار کے نشان دکھائے۔ اس نے مجھے تسلی دی اور میرا علاج کرنے لگا۔ جب مجھے آرام ہوا میرا درد اور مرض جاتا رہا اور میں نے صحت کا غسل کیا تو میں دکان گیا۔ سارا مال بیچ ڈالا اور اس کے دام جمع کر کے چار سو غلام خریدے جو کسی بادشاہ کے پاس نہ ہوں گے۔ ان میں سے ہر روز دو سو میرے ساتھ سوار ہوتے ہیں۔ میں نے پانچ ہزار دینار خرچ کر کے یہ بجرا بنوایا اپنا نام خلیفہ رکھا اور ہر خادم کو ایک ایک کلام سپرد کیا جیسا کہ خلیفہ کا دستور ہے ہر ایک کو اسی قسم کا لباس پہنایا اور یہ منادی کرا دی کہ جو کوئی دجلے میں سیر کرنے نکلے گا۔ اس کی فوراً گردن اڑا دوں گا۔ اس طرح مجھے پورا ایک سال گزر چکا ہے۔ لیکن اس کی کوئی خبر نہیں ملی۔ یہ کہہ کر وہ رونے لگا اس کے آنسو جاری ہو گئے۔ اس کی باتیں سن کر ہارون الرشید کو یقین ہوا کہ یہ محبت کے کرشمے ہیں اور نوجوان کی تمناؤں کی کوئی حد نہیں۔ وہ کہنے لگا پاک ہے وہ ذات جس

نے ہر بات کے لیے کوئی نہ کوئی سبب بنایا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے جوان سے رخصت چاہی اور اس نے اجازت دی۔ رشید نے اپنے دل میں ٹھان لی کہ وہ انصاف کرے گا۔ اور اس کے ساتھ بڑے انعام و اکرام سے پیش آئے گا۔ یہ تینوں وہاں سے اپنے محل میں آئے اور جب خلیفہ اپنے شاہانہ کپڑے پہن کر بیٹھا۔ اس کے سامنے مسرور جلاد کھڑا ہوا تو اس نے جعفر سے کہا کہ اے وزیر اس جوان کو بلاؤ۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• دو سو چورانوے ویں رات

جب دو سو چورانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- خلیفہ نے وزیر سے کہا کہ اس جوان کو بلوا جس کے ساتھ ہم نے رات گزاری۔ حکم کی دیر تھی۔ چوب دار دوڑے گئے اور جوان سے کہا کہ امیرالمومنین خلیفہ ہارون الرشید نے تجھے بلایا ہے، چل۔ جوان فوراً چل کھڑا ہوا مگر اس طلبی پر دل میں خوفزدہ تھا۔ خلیفہ کے پاس پہنچ کر اس نے زمین کو بوسہ دیا اور دعا دی کہ تیری عزت اور اقبال ہمیشہ قائم رہے۔ تیری امیدیں بر آئیں اور تو عیش و عشرت میں رہے اور برائی اور دشمنی تیرے پاس نہ پھٹکے۔ پھر اس نے نہایت سلیقے کے ساتھ السلام علیکم اے امیرالمومنین اور اے دین داروں کی پشت و پناہ کہا۔ خلیفہ نے مسکرا کر اس کے سلام کا جواب دیا اور بڑی مہربانی سے اس کی طرف متوجہ ہو کر اسے اپنے پاس بلایا اور اپنے سامنے بٹھا کر اس سے کہا کہ اے محمد علی میں چاہتا ہوں کہ تو کل رات والا واقعہ بیان کرے کیونکہ وہ نہایت عجیب و غریب ہے۔ جوان نے کہا کہ اے امیرالمومنین مجھے معاف کر اور امان کا رومال عطا کر تاکہ میرا ڈر جاتا رہے اور میرے دل کو اطمینان ہو جائے۔ خلیفہ نے کہا کہ میں نے تجھے امان دی، نہ خوف کھا اور نہ غم زدہ ہو۔ یہ سن کر جوان نے اپنا سارا ماجرا شروع سے لے کر آخر تک بیان کیا۔ خلیفہ کو معلوم ہو گیا کہ جوان عاشق ہے اور معشوق کی جدائی کے صدمے اٹھا رہا ہے اور اس سے کہا کہ تو کیا چاہتا ہے کہ میں اس لڑکی کو تجھ سے پھر ملاؤں؟ اس نے جواب دیا کہ یہ امیرالمومنین کی کمال مہربانی ہو گی۔ اب خلیفہ نے وزیر کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے جعفر اپنی بہن وزیر زادی دینا بنت وزیر یحییٰ بن خالد کو یہاں بلا۔ اس نے سر آنکھوں سے امیرالمومنین کہہ کر اسے فوراً حاضر کیا۔ جب وہ خلیفہ کے سامنے پہنچی تو خلیفہ نے اس سے پوچھا کہ تو جانتی ہے کہ یہ کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ امیرالمومنین

عورتیں مردوں کو کس طرح جان سکتی ہیں! خلیفہ نے مسکرا کر کہا کہ اے دینا تیرا محبوب جوہری کا بیٹا محمد علی ہے۔ ہمیں سارا حال معلوم ہو چکا ہے۔ ہم نے شروع سے آخر تک تمام ماجرا سن لیا ہے اور اس کے ظاہر و باطن کو سمجھ چکے ہیں۔ گو یہ راز کی باتیں تھیں مگر اب کھل گئی ہیں۔ دینا نے عرض کیا اے امیرالمومنین میں اپنی حرکت پر خدا سے مغفرت چاہتی ہوں اور تجھ سے معافی کی خواستگار ہوں۔ خلیفہ ہارون الرشید ہنس پڑا اور قاضی اور گواہوں کو بلا کر اس کے شوہر جوہری زادے محمد علی کے ساتھ اس کے نکاح کی تجدید کر دی۔ دونوں نہایت خوش وقتی کے ساتھ رہنے لگے اور دشمن ان پر جلا کیے۔

خلیفہ نے جوہری کو اپنا ندیم بنا لیا اور ان کے دن آرام و آسائش سے گزرنے لگے۔ یہاں تک کہ لذتوں کو کرکرا اور صحبتوں کو تترہتر کرنے والی موت آ گئی۔

○ ایرانی علی کی کہانی

سنا ہے کہ ایک رات خلیفہ ہارون الرشید کی طبیعت زیادہ گھبرائی تو اس نے اپنے وزیر کو بلا کر کہا کہ اے جعفر نہ نیند آتی ہے نہ کسی بات میں دل لگتا ہے۔ کوئی ایسا شغل مہیا کر کہ جی بہلے اور مزاج سکون پر آ جائے۔ جعفر نے عرض کیا، امیرالمومنین میرا ایک دوست ہے جس کو علی عجمی کہتے ہیں۔ اسے ایسی کہانیاں اور دل خوش کن قصے یاد ہیں کہ غم غلط اور طبیعت شاد ہو جاتی ہے۔ حکم ہو تو اسے حاضر کیا جائے۔ خلیفہ نے کہا کہ بلا۔ جعفر نے اس ایرانی کی تلاش میں آدمی دوڑا دیئے۔ جب وہ حاضر ہوا تو وزیر نے کہا کہ امیرالمومنین نے تجھے یاد کیا ہے چل اس کے پاس۔ اس نے کہا کہ بسرو چشم۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

• دو سو پچانوے ویں رات

جب دو سو پچانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک بہاد بادشاہ! ----- ایرانی نے کہا کہ برو چشم اور اس کے ساتھ خلیفہ کے پاس آیا۔ خلیفہ نے بیٹھنے کا حکم دیا۔ وہ بیٹھ گیا تو خلیفہ نے کہا کہ اے علی آج رات میرا جی بہت گھبراتا ہے اور میں نے سنا ہے کہ تجھے قہے کہانیاں یاد ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی ایسی چیز سنا جس سے غم غلط ہو۔ اس نے کہا کہ امیرالمومنین ایسی بات سناؤں جو میں نے آنکھ سے دیکھی ہے یا جو کان سے سنی ہے؟

اس نے کہا کہ وہ بات سنا جو تو نے خود دیکھی ہے۔ چنانچہ ایرانی نے اس طرح اپنا قصہ شروع کیا۔ اے امیرالمومنین ایک سال میں اپنے اس وطن یعنی بغداد سے چلا۔ میرے ساتھ ایک غلام تھا اور اس کے پاس ایک خوبصورت تھیلا۔ جب میں ایک دوسرے شہر میں پہنچا اور خرید و فروخت کرنے لگا تو ایک ظالم کرد میری طرف جھپٹا اور مجھ سے وہ تھیلا چھین کر کہنے لگا کہ یہ میرا تھیلا ہے اور جو کچھ اس کے اندر ہے میرا مال ہے۔ میں چلایا کہ مسلمانو مجھے اس ظالم کے ہاتھ سے بچاؤ۔ سب نے کہا کہ تم دونوں قاضی کے پاس جاؤ اور جو وہ فیصلہ کرے تو اسے مانو۔ مجھے قاضی کا فیصلہ منظور تھا۔ ہم دونوں اس کے پاس گئے۔ جب ہم قاضی کے سامنے حاضر ہوئے تو اس نے پوچھا کہ تم دونوں میں سے مدعی کون ہے؟ یہ سن کر کرد آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ خدا ہمارے آقا قاضی کا بول بالا رکھے! یہ میرا تھیلا ہے اور جو کچھ اس کے اندر ہے میرا مال ہے۔ یہ تھیلا کھو گیا تھا اور اب اس شخص کے پاس سے ملا ہے۔ قاضی نے پوچھا کہ کب کھو گیا تھا؟ کرد نے کہا کہ کل۔ اور اس کی وجہ سے مجھے رات بھر نیند نہیں آئی۔ قاضی نے کہا کہ اگر تو اس تھیلے کو پہچانتا ہے تو بتا کہ اس کے اندر کیا ہے؟ کرد نے کہا کہ میرے اس تھیلے میں سرمہ ہے، دو چاندی کی سلاخیاں ہیں اور رومال اور

میں نے اس میں دو سنہری پیالے بھی رکھے ہیں اور دو شمع دان۔ اس کے علاوہ اس میں دو خیمے ہیں اور دو رکابیاں، دو چمچے، ایک تکیہ، دو کبل، دو لوٹے، ایک سینی، دو تشت، ایک دیگچی، دو گھڑے، ایک دوئی، ایک سوجا، دو توشتے دان، ایک بلی، دو کتیاں، ایک پیالہ، دو تھیلے، ایک جبہ، دو پوستین، ایک گائے، دو بچھڑے، ایک بکرا، دو بکریاں، ایک بھیڑ، دو اس کے بچے، دو سبز شامیانے، ایک اونٹ، دو اونٹنیاں، ایک بھینس، دو سانڈ، ایک شیرنی اور شیر، ایک ریچھنی، دو لومڑیاں، ایک دیوان، دو تخت، ایک محل، دو کمرے، ایک بالا خانہ، دو نشست گاہیں، ایک باورچی خانہ جس کے دو دروازے ہیں اور ایک جماعت کردوں کی جو یہ گواہی دیں گے کہ یہ تھیلا میرا ہے۔

اب قاضی نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے فلاں شخص تو کیا کہتا ہے؟ اے

امیرالمومنین میں آگے بڑھا۔ کرد کی باتوں سے میں پریشان تو ہو ہی چکا تھا، میں نے کہا کہ خدا ہمارے آقا قاضی کی عزت قائم رکھے! میرے اس تھیلے میں محض ایک کھنڈر ہے اور دوسرا بغیر دروازے کا ایک گھر، ایک کتوں کی کوٹھڑی، لڑکوں کے لے ایک کتاب اور چند جوان، جو پانسوں سے کھیل رہے ہیں۔ علاوہ ان چیزوں کے اس میں خیمے،

طنابیں ہیں اور بصرہ بغداد، شداد بن عاد کا محل، لوہار کی بھٹی، صیاد کا جال، ڈنڈے، کھوٹیاں،

لڑکے اور لڑکیاں اور ایک ہزار کٹنے جو یہ گواہی دیں گے کہ یہ میرا تھیلا ہے۔ کرد

یہ سن کر رونے اور آہیں بھرنے لگا اور اس نے کہا کہ اے ہمارے آقا قاضی اس

میرے تھیلے کو سب لوگ جانتے ہیں اور اس میں جتنی چیزیں ہیں سب مشہور و معروف

ہیں۔ اس میرے تھیلے میں قلعے اور گڑھیاں ہیں اور سارسیں اور درندے اور بہت سے

مرد جو شطرنج اور پچپی کھیل رہے ہیں اور اس میرے تھیلے میں ایک گھوڑی ہے اور

دو بچھڑے، ایک اونٹ، دو اصل گھوڑے، دو لمبے نیزے ان کے علاوہ اس میں ایک

شیر اور دو خرگوش اور ایک شر اور گاؤں، ایک رنڈی اور دو شاطر کٹنے اور ایک زنجہ

اور دو جونکیں اور ایک اندھا، دو آنکھوں والے، ایک لنگڑا، دو اپاج، ایک پادری، دو پوپ،

ایک بطریق، دو راہب، ایک قاصی اور دو گواہ جو یہ گواہی دیں گے کہ یہ تھیلا میرا

ہے۔ پھر قاضی نے مجھ سے کہا کہ تو کیا کہنا چاہتا ہے؟ امیر المومنین میں غصے میں
بھر گیا اور قاضی کی طرف بڑھ کر اس سے کہا کہ خدا ہمارے آقا قاضی کا بول بالا
رکھے۔
URDU4U.COM

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

○○○

• دو سو چھیانوے ویں رات

جب دو سو چھیانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ! ایرانی کہنے لگا کہ میں غصے میں بھر گیا اور قاضی کی طرف بڑھ کر میں نے کہا کہ خدا ہمارے آقا قاضی کا بول بالا کرے! میرے اس تھیلے میں زہ بکتر اور تلواریں ہیں اور پورا اسلحہ خانہ اور ایک ہزار لڑنے والے مینڈھے اور اس کے اندر بھیڑوں کے لیے ایک چراگاہ ہے، ایک ہزار بھونکنے والے کتے، باغ اور تانستان، پھول اور جڑی بوٹیاں، انجیر اور سیب، تصویریں اور شکلیں، صراحیاں اور جام، حسین لڑکیاں اور ڈونیاں، جشن شور اور ہنگامہ اور بڑے بڑے ملک اور نجات کے دوست اور ساتھی اور ہمراہی اور رفیق اور قید خانے اور ہم پیالہ لوگ، طنبور اور بانسریاں اور جھنڈے اور جھنڈیاں، لڑکے اور لڑکیاں اور بچی ہوئی دلہنیں اور گلنے والی کنیریں، پانچ حبشہ، تین ہندی اور چار مدینے والیاں، بیس رومی اور پچاس ترکہیں، ستر ایرانی اور اسی کرد، نوے گرجی عورتیں، دجلہ فرات اور صیاد کا جال، لوہا اور چقماق اور ارم ذات العمامہ اور ایک ہزار دلال اور کٹنے میدان اور اصطبل، مسجدیں اور حمام، معمار اور بڑھی لکڑی اور کیلیں اور بانسری لیے ہوئے حبشی غلام، قافلہ سالار اور رکاب دار، شہر اور قریے اور ایک لاکھ دینار اور کوفہ اور الانبار اور کپڑوں سے بھرے ہوئے بیس صندوق، پچاس توشہ خانے اور غزہ، عسقلان اور دمیاط سے لے کر اصوان تک اور کسریٰ نوشیرواں کا محل اور سلیمان کی مملکت اور وادی نعمان سے لے کر خراسان تک، بلخ اور اصفہان اور ہند سے لے کر سوڈان تک اور خدا ہمارے آقا کی عمر دراز کرے! اس میں زہ بکتریں اور اس کے نیچے پہننے کے کپڑے اور ایک ہزار تیز استرے جو قاضی کی داڑھی مونڈ ڈالیں گے بشرطیکہ وہ مجھے سزا دینے سے نہ ڈرے اور یہ فیصلہ نہ کرے کہ تھیلا میرا ہے۔

قاضی نے میری اور کرد کی باتیں سنیں تو دنگ ہو گیا اور کہنے لگا کہ تم دونوں بڑے

منحوس اور بے دین معلوم ہوتے ہو۔ تم کو قاضیوں اور حاکموں سے مذاق کرتے شرم نہیں آتی اور لعنت ملامت سے نہیں ڈرتے۔ نہ کسی تعریف کرنے والے نے اس سے بڑھ کر تعریف کی اور نہ تمہاری جیسی باتیں کیں۔ واللہ جو کچھ تم نے بیان کیا وہ چین سے لے کر مغیلان تک اور ایران سے لے کر سوڈان تک اور وادی نعمان سے لے کر خراسان تک سما نہیں سکتا اور تمہارا دعویٰ سچ نہیں ہو سکتا۔ یہ تھیلا کیا ہے بے قرار سمندر یا حشر کا دن جبکہ نیک اور بد سب جمع ہوں گے۔ یہ کہہ کر قاضی نے حکم دیا کہ تھیلا کھولا جائے اور جب میں نے اسے کھولا تو اس میں ایک روٹی، ایک نیبو کچھ پیئر اور زیتون نکلا۔ میں نے تھیلا کرد کے آگے پھینک دیا اور چلتا بنا۔ خلیفہ نے علی عجمی کی زبانی یہ کہانی سنی تو وہ مارے ہنسی کے لوٹ لوٹ گیا اور اسے بہت انعام دیا۔

○ ہارون الرشید اور کنیز اور امام یوسف کی کہانی

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک رات جب جعفر برکی ہارون الرشید کے ساتھ شراب پی رہا تھا تو خلیفہ نے کہا کہ اے جعفر، مجھے خبر ملی ہے کہ تو نے فلاں کنیز خریدی ہے، میں مدت سے اس کا خواہش مند تھا کیونکہ وہ نہایت خوبصورت ہے اور میرے دل میں اس کی محبت کی آگ لگی ہوئی ہے، اسے میرے ہاتھ بیچ ڈال۔ وزیر نے جواب دیا کہ امیرالمومنین میں اسے بیچ نہیں سکتا۔ خلیفہ نے کہا کہ میری نذر کر دے۔ اس نے کہا کہ نذر بھی نہیں کروں گا۔ رشید نے کہا کہ اگر بیچتا بھی نہیں اور نذر بھی نہیں کرتا تو زبیدہ کو تین طلاقیں۔ جعفر بولا کہ اگر میں اسے تیرے ہاتھ بیچوں یا تیری نذر کروں تو میری بیوی کو تین طلاقیں۔ جب ان کا نشہ اتر اور انہیں معلوم ہوا کہ وہ کسی مخمے میں پھنس گئے ہیں اور اس کا علاج، دونوں میں سے کسی کی سمجھ میں نہ آیا تو رشید نے کہا کہ اس مسئلے کا حل ابو یوسف کے سوا کوئی نہیں کر سکتا اور انہیں بلوایا۔

یہ آدمی رات کا وقت تھا جب ایلچی ان کے پاس پہنچا تو وہ گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے دل میں کہنے لگے کہ ہو نہ ہو اسلام کے متعلق کوئی حادثہ پیش آیا ہے ورنہ میں اس وقت بلایا نہ جاتا۔ اب وہ جلدی سے نکل کر اپنے خچر پر سوار ہوئے اور غلام سے کہا کہ خچر کا ”تو بڑا“ اس کے سامنے رکھ دیجیو تاکہ وہ باقی دانہ بھی کھا لے۔ غلام نے کہا کہ سر آنکھوں پر۔

جب وہ رشید کے پاس پہنچے تو رشید اٹھ کھڑا ہو اور انہیں تخت پر اپنے پاس بٹھا لیا۔ ابو یوسف کے علاوہ وہ کسی اور کو اپنے تخت پر نہ بٹھاتا تھا۔ اس نے کہا کہ میں نے تجھے اس وقت نہایت اہم کام کے لیے طلب کیا ہے اور سارا قصہ بیان کر کے کہا کہ ہماری سمجھ میں اس کی تدبیر نہیں آتی۔ انہوں نے کہا کہ امیر المومنین اس سے زیادہ آسان اور کوئی بات نہیں۔ اے جعفر لڑکی کا نصف۔ امیر المومنین کے ہاتھ بیچ ڈال اور نصف نذر کر دے۔ اس طرح تم دونوں اپنی قسم سے بری ہو جاؤ گے۔ خلیفہ اس فیصلے پر بہت خوش ہوا۔ دونوں نے اس کے کہنے پر عمل کیا۔ رشید نے کہا کہ کنیز اسی وقت حاضر کی جائے۔

اور شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو ستانوے ویں رات

جب دو سو ستانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- خلیفہ ہارون الرشید نے کہا کہ کنیز اسی وقت حاضر کی جائے۔ وہ اس کے لیے بے تاب تھا۔ وہ آئی تو خلیفہ نے قاضی ابو یوسف سے کہا کہ میں اس سے اسی وقت ہم بستر ہونا چاہتا ہوں۔ عدت ختم ہونے تک میں صبر نہیں کر سکتا۔ اس کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟

ابو یوسف نے کہا کہ امیر المومنین کے ان غلاموں میں سے ایک حاضر کیا جائے جن پر ابھی تک آزاد کیے جانے کا حکم صادر نہیں ہوا۔ لوگ ایک ایسا غلام لے آئے اور ابو یوسف نے کہا کہ مجھے اجازت دے کہ میں اس کا نکاح کنیز سے کر دوں۔ اور وہ مباشرت سے پہلے اسے طلاق دے دے تو اس کے ساتھ تیری ہم بستری بغیر عدت کے حلال ہو جائے گی۔ اس بات پر رشید پہلے سے زیادہ متعجب ہوا۔ جب غلام آیا تو خلیفہ نے قاضی سے کہا کہ میں تجھے نکاح کی اجازت دیتا ہوں۔ قاضی نے نکاح پڑھایا اور غلام نے منظور کر لیا۔ اس کے بعد قاضی نے اس سے کہا کہ لڑکی کو طلاق دے اور سو دینار لے لے۔ غلام نے کہا کہ یہ تو میں نہیں کروں گا۔ قاضی مقدار بڑھاتا جاتا اور غلام انکار کرتا جاتا۔ یہاں تک کہ ایک ہزار دینار پیش کیے گئے۔ اب غلام نے قاضی سے کہا کہ طلاق میرے اختیار میں ہے یا تیرے یا امیر المومنین کے؟ قاضی نے کہا کہ محض تیرے اختیار میں۔

غلام نے کہا کہ واللہ میں ہرگز طلاق نہ دوں گا۔ اس پر امیر المومنین طیش میں آ گیا اور کہا کہ ابو یوسف اب کیا کیا جائے؟ قاضی ابو یوسف نے کہا کہ امیر المومنین گھبرانے کی بات نہیں معاملہ آسان ہے۔ اس غلام کو کنیز کی ملکیت میں دے دے۔ اس نے کہا کہ میں نے اس کی ملکیت میں دے دیا۔ قاضی نے لڑکی سے کہا کہ کہہ کہ میں نے قبول کیا، اس نے کہا کہ میں نے قبول کیا۔ قاضی نے کہا کہ میں نے دونوں

کے درمیان علیحدگی کا حکم لگا دیا کیونکہ غلام اس کی ملکیت ہے اور نکاح فسخ ہو گیا۔ خلیفہ سروقہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ آج کل کے زمانے میں قاضی ہو تو ایسا۔ اس کے بعد اس نے اشرافیوں کی سینیاں منگوا کر ابو یوسف کے سامنے الٹ دیں اور ان سے کہا کہ تیرے پاس کوئی چیز ہے جس میں تو یہ بھر لے۔ ”توبڑا“ یاد آ گیا اور اسے منگوا کر اشرافیاں اس میں بھر لیں اور انہیں لے کر گھر واپس گئے۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ علم کے سوا اور کوئی راستہ نہ دین کا آسان ہے نہ دنیا کا۔ محض دو یا تین مسئلوں پر مجھے اتنی بڑی دولت مل گئی۔ اے بادشاہ، اس حکایت کے لطف پر غور کر۔ اس لیے کہ اس میں کئی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ ایک تو وزیر کا خلیفہ پر ناز کرنا، دوسرا خلیفہ کی دانش مندی اور تیسرے اس سے بھی زیادہ قاضی کی عقلمندی۔ خدا ان سب کی روحوں پر رحمت بھیجے۔

○ خالد بن عبداللہ القشیری کی کہانی

خالد بن عبداللہ القشیری جن دنوں بصرے کا والی تھا۔ ایک دفعہ کچھ لوگ ایک جوان کو پکڑ کر اس کے پاس لائے جس کی صورت سے سلیقہ اور عقل مندی ٹپکتی تھی۔ آنکھ ناک سے درست، خوش وضع اور عطر میں بسا ہوا تھا۔ چہرے پر دبدبہ اور ایک قسم کی شان تھی۔ خالد نے ان لوگوں سے پوچھا کہ کیا قصہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ چور ہے اور ہم نے کل اسے اپنے گھر میں پکڑا ہے۔ خالد نے اس کی طرف نظر اٹھائی اور ظاہری حسن اور نفاست کو دیکھ کر تعجب ہوا۔ لوگوں سے کہا کہ اسے چھوڑ دو اور خود اس کے پاس جا کر اس کا ماجرا پوچھا۔ جوان بولا کہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں سچ ہے۔ واقعے کے خلاف نہیں۔ خالد نے کہا کہ تو نے یہ حرکت کیوں کی؟ اس صورت و شان پر یہ بد کرداری؟ وہ بولا اے امیر ان باتوں کو جانے دے جو خدا نے حکم دیا ہے، اس کی تعمیل کر۔ کیونکہ جیسی کرنی ویسی بھرنی، خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

خالد چپ ہو کر جوان کے متعلق سوچ میں پڑ گیا اور اسے اپنے قریب بلا کر کہا کہ تو نے گواہوں کے سامنے اقرار کر کے مجھے شبے میں ڈال دیا ہے اور پھر بھی میرے خیال میں تو چور نہیں۔ شاید علاوہ چوری کے تیرا اور کوئی قصہ ہے۔ اگر ہے تو بیان کر۔ اس نے کہا کہ اے امیر جس چیز کا میں نے اعتراف کیا ہے، اس کے سوا اور کوئی بات تیرے دل میں گزرنی نہیں چاہیے۔ میرا اور کوئی قصہ نہیں جو بیان کروں۔ واقعہ یہی ہے کہ میں ان لوگوں کے گھر میں گیا اور جو کچھ چرا سکتا تھا چرایا لیکن انہوں نے مجھے پکڑ کر وہ چیزیں چھین لیں اور مجھے تیرے پاس لے آئے۔ خالد نے اسے قید کا حکم دے دیا اور بھرے میں منادی کرا دی کہ جو شخص فلاں چور کی سزا اور اس کا ہاتھ کاٹے جانے کا تماشا دیکھنا چاہے تو کل فلاں جگہ آ جائے۔ جب جوان قید خانے گیا اور اس کے پاؤں میں بیڑیاں پڑ گئیں تو اس نے ایک آہ بھری اور اس کے آنسو جاری ہو گئے اور وہ یہ اشعار پڑھنے لگا: ”خالد مجھے دھمکی دیتا ہے کہ اگر میں اس سے ”اس“ کا قصہ نہ بیان کروں تو وہ میرا ہاتھ کاٹ ڈالے گا۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ”اس“ کی محبت کا بھانڈا پھوڑ دوں جو میرے دل کے اندر چھپی ہوئی ہے۔ مجھے یہ گوارا ہے کہ میرا ہاتھ کاٹ جائے لیکن ”اس“ کی بدنامی گوارا نہیں۔“

پھرے داروں نے اسے یہ گاتے سن کر خالد کو خبر کر دی۔ جب رات ہوئی تو خالد نے اسے بلوایا اور اس سے بات چیت کی۔ دیکھا کہ وہ عقل مند، باشعور اور فہمیدہ ہے۔ اس نے جوان کے لیے کھانا منگوایا، اسے کھلایا اور دیر تک ادھر ادھر کے قصوں کے بعد خالد نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ چوری کے سوا تیرا اور کوئی قصہ ہے۔ کل صبح جب لوگ جمع ہوں اور قاضی آ کر تجھ سے چوری کے بارے میں دریافت کرے تو تو انکار کر دیجیو اور وہ بات بیان کیجیو جس سے تجھے ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ دی جائے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ شبے کی حالت میں سزا دینے سے درگزر کرو۔ یہ کہہ کر خالد نے اسے قید خانے بھیج دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

• دو سو اٹھانوے ویں رات

دو سو اٹھانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- خالد نے اس جوان سے باتیں کر کے اسے پھر قید خانے بھیج دیا اور وہ رات بھر وہاں رہا۔ صبح ہوئی تو لوگ اس جوان کے ہاتھ کٹنے کا تماشا دیکھنے کے لیے آنے شروع ہوئے۔ بصرہ میں کوئی مرد اور عورت ایسا نہ تھا جو اس جوان کی سزا دیکھنے کے لیے نہ آیا ہو۔ خالد بھی سوار ہوا اور بصرے کے امرا کو ساتھ لے کر وہاں پہنچا، قاضیوں کو بلوایا اور جوان کو لانے کا حکم دیا۔ وہ بیڑیوں کے بوجھ سے گرتا پڑتا حاضر ہوا جس نے اسے دیکھا اور رو پڑا اور عورتیں تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ قاضی نے عورتوں کو خاموش رہنے کی ہدایت کی۔ اس کے بعد اس نے جوان سے کہا لوگوں کا دعویٰ ہے کہ تو نے ان کے گھر میں گھس کر ان کا مال چرایا ہے غالباً تو نے نصاب سے کم چرایا ہو گا۔ اس نے کہا کہ نہیں میں نے پورا نصاب چرایا ہے۔ قاضی نے پوچھا ایسا تو نہیں کہ ان کے کسی مال میں تیرا ساجھا تھا؟ اس نے جواب دیا نہیں بلکہ وہ سب انہیں کا مال تھا اور میرا اس میں کوئی حق نہ تھا۔

اس پر خالد کو غصہ آگیا اور اس کے پاس جا کر اس کے منہ پر کوڑا مارا۔ بہر حال قصاب کو بلوانا پڑا تا کہ وہ اس کا ہاتھ کاٹ ڈالے۔ جب قصاب آیا اور اس نے چھرا نکال کر جوان کا ہاتھ آگے کھینچا اور اس پر چھرا رکھا تو یکایک عورتوں کے بیچ میں سے ایک لڑکی پھٹے پرانے کپڑے پہنے نکلی اور ایک چیخ مار کر جوان کے اوپر گر پڑی۔ پھر اس نے اپنا چہرہ کھول دیا جو چاند کی طرح تھا۔ لوگ شور و غل مچانے لگے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاید اس وجہ سے فتنہ پیا ہو جائے۔ لڑکی نے زور سے چلا کر کہا کہ اے امیر میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ جب تک تو واقعے سے آگاہ نہ ہو اس کا ہاتھ نہ کاٹ۔

خالد نے علیحدہ جا کر اس لڑکی کو بلوایا اور اس سے ماجرا پوچھا۔ اس نے کہا کہ یہ جوان مجھ پر عاشق ہے اور میں اس پر۔ وہ مجھ سے ملنے آیا تھا۔ میرے گھر میں پہنچ کر اس نے گھر میں ایک ڈھیلا پھینکا تاکہ مجھے معلوم ہو جائے کہ وہ آیا ہے۔ میرا باپ اور میرے بھائی ڈھیلے کے آواز سن کر اس کی طرف دوڑے۔ انہیں آتے دیکھا تو اس نے گھر کا سامان جمع کر کے یہ ظاہر کیا کہ وہ چور ہے تاکہ اس کی معشوقہ کی بدنامی نہ ہو۔ جب انہوں نے اسے اس حالت میں دیکھا تو پکڑ لیا۔ وہ سمجھے کہ یہ چور ہے اور تیرے پاس لے آئے۔ اس نے چوری کا اقرار اور اس پر اصرار کیا تاکہ میری بدنامی نہ ہو۔ یہ اس کی انتہائی مروت اور شرافت تھی کہ اس نے چوری کا الزام لے کر اپنا ہاتھ کٹوانا قبول کیا۔

خالد نے کہا کہ وہ اس قابل ہے کہ اس کی مراد پوری ہو۔ اس کے بعد اس نے جوان کو بلایا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر حکم دیا کہ لڑکی کا باپ بلایا جائے اور اس سے کہا کہ بڑے میاں ہم اس بات پر تلے بیٹھے تھے کہ اس جوان کا ہاتھ کاٹا جائے لیکن خدا نے مجھے اس سے بچا لیا اور میں اسے اس وجہ سے دس ہزار درہم دیتا ہوں کہ اس نے اپنا ہاتھ دے کر یہ چاہا کہ تیری اور تیری بیٹی کی بدنامی نہ ہو اور تم دونوں فضیحت سے بچ جاؤ اور تیری بیٹی کو اس صلے میں دس ہزار درہم دیتا ہوں کہ اس نے مجھ سے سچ سچ واقعہ بیان کر دیا۔ اب تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے اس بات کی اجازت دے کہ میں تیری بیٹی کی شادی اس سے کر دوں۔ بوڑھے نے کہا کہ اے امیر تجھے اجازت ہے۔ خالد نے خدا کا شکر ادا کیا اور اس کی حمد و ثنا کی اور نہایت عمدگی سے اس کا نکاح پڑھا دیا۔

اور شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو ننانوے ویں رات

جب دو سو ننانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- خالد نے خدا کی حمد و ثنا کی اور نہایت عمدگی سے نکاح پڑھایا اور جوان سے کہا کہ میں نے فلاں لڑکی کے ساتھ جو یہاں موجود ہے تیری اجازت اور مرضی اور تیرے باپ کے اذن سے دس ہزار درہم پر تیرا نکاح پڑھا دیا ہے۔ جوان نے کہا کہ یہ نکاح مجھے منظور ہے۔ اس کے بعد خالد نے حکم دیا کہ یہ مال سینیوں میں رکھ کر جوان کے گھر بھیج دیا جائے اور لوگ خوش خوش وہاں سے روانہ ہو گئے۔ راوی کہتا ہے کہ اس سے زیادہ عجیب و غریب واقعہ میری نظر سے نہیں گزرا کیونکہ وہ رونے اور فتنہ و فساد سے شروع ہو کر خوشی اور خوش وقتی پر ختم ہوا۔

○ پھلیاں بیچنے والے کے ساتھ جعفر برکی کی سخاوت کی کہانی

لوگ ایک واقعہ کہانی کی طرح کہا کرتے ہیں کہ جب ہارون الرشید نے جعفر برکی کو سولی دی تو ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ جو کوئی اس پر نوحہ کرے گا یا روئے پیٹے گا اسے بھی سولی پر چڑھا دیا جائے گا اور سب نے اس کے حکم کے آگے سر جھکا دیا۔ ایک بدو تھا جو دور ریگستان میں رہتا تھا۔ ہر سال ایک قصیدہ لے کر جعفر برکی کے پاس آیا کرتا تھا اور جعفر اس کا صلہ ایک ہزار دینار دیتا۔ بدو سونے سے لدا پھندا اپنے اہل و عیال کے پاس واپس جاتا اور خوش ہوتا۔ اتفاق کی بات یہ بدو قصیدہ لے کر دستور کے موافق پہنچا دیکھا کہ جعفر سولی پر چڑھا ہوا ہے۔ سولی کے پاس پہنچ کر اس نے اپنی اونٹنی روکی، بلک بلک کر رویا، بے حد غمگین ہوا، قصیدہ پڑھا اور سو گیا۔ خواب میں اس نے جعفر برکی کو دیکھا کہ وہ کہہ رہا ہے کہ تو بڑی تکلیف اٹھا کر میرے

پاس آیا اور مجھے اس حالت میں پایا لیکن تو بھرے جا کر اس نام کے شخص کا پتہ پوچھ جو وہاں کے تاجروں میں سے ہے اور اس سے کہہ کہ جعفر برکمی نے تجھے سلام کے بعد یہ پیغام دیا ہے کہ پھلیوں کے سلسلے میں مجھے ایک ہزار دینار دے۔

جب بدو جاگا تو بھرے روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر اس تاجر کا پتہ دریافت کیا اور اس سے مل کر وہ پیغام پہنچایا جو جعفر نے اسے خواب میں دیا تھا۔ تاجر سنتے ہی رونے پینے لگا، اپنا برا حال کر لیا۔ ذرا ہوش درست ہوئے تو اس نے بدو کو عزت سے اپنے پاس بٹھایا اور اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ تین دن تک بدو اس کے پاس نہایت احترام سے رہا اور جب وہ لوٹنے لگا تو تاجر نے اسے ایک ہزار پانچ سو دینار دیئے اور اس سے کہا کہ ہزار تو وہ ہیں جن کا مجھے حکم ملا تھا اور پانچ سو میں نذر کرتا ہوں اور ہر سال تجھے ایک ہزار دینار ملیں گے۔ چلتے وقت اس نے تاجر سے کہا کہ خدا کے لیے پھلیوں کا قصہ تو بیان کر تا کہ میں اس حقیقت کو سمجھوں۔ اس نے جواب دیا کہ شروع میں میں بہت غریب تھا۔ بغداد کے گلی کوچوں میں گرم پھلیاں لے کر پھیری لگاتا، انہیں بیچتا اور اس سے روزی کماتا۔ ایک دن جب میں نکلا تو بہت سردی تھی اور مینہ برس رہا تھا۔ میرے بدن پر سردی سے بچنے کے لیے کوئی چیز نہ تھی۔ ٹھنڈ اور بارش سے میرا بدن کانپا جا رہا تھا اور میری ایسی بری حالت تھی کہ روٹنے کھڑے ہو رہے تھے۔

اس دن جعفر اپنے اس محل میں بیٹھا ہوا تھا جس کا چھجا سڑک پر نکلا ہوا ہے۔ اس کے دوست اور کنیزیں اس کے ساتھ تھیں۔ جب اس کی نظر مجھ پر پڑی تو اسے مجھ پر ترس آ گیا۔ اس نے ایک نوکر کو بھیج کر مجھے بلوایا۔ میں اس کے سامنے پہنچا تو کہا کہ اپنی پھلیاں میرے ساتھیوں کے ہاتھ بیچ ڈال۔ میں انہیں اپنے پیانے سے ناپتا جاتا اور جو انہیں لیتا وہ پیانے کو اشرفیوں سے بھرتا جاتا۔ یہاں تک کہ سب پھلیاں ختم ہو گئیں اور ٹوکرا خالی ہو گیا۔ میں نے ساری اشرفیاں جمع کر لیں جو مجھے ملی تھیں۔ اب جعفر نے کہا کہ کچھ اور پھلیاں باقی ہیں؟ میں نے کہا کہ معلوم نہیں ٹوکریں میں

ادھر ادھر تلاش کیا تو صرف ایک پھلی اور ملی۔ جعفر نے اسے لے کر دو حصوں میں پھاڑا ایک حصہ خود لے کر دوسرا حصہ اپنی کنیز کو دیا اور کہا کہ تو اس آدھی پھلی کو کتنے میں خریدتی ہے؟ وہ بولی کہ جتنی اشرفیاں ہیں ان کے دگنے میں۔ میں سخت حیران ہوا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ ناممکن ہے۔ میں اسی حیرت میں تھا کہ کنیز نے اپنی ایک لونڈی کو حکم دیا اور وہ دگنی اشرفیاں لے آئی۔ اب جعفر نے کہا کہ جو آدھی پھلی میرے پاس ہے اسے میں ساری اشرفیوں سے دگنے میں خریدتا ہوں۔ یہ کہہ کر جعفر نے مجھ سے کہا کہ لے یہ تیری پھلیوں کے دام ہیں اور اس نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ وہ تمام دام جمع کر کے میرے ٹوکڑے میں رکھ دے۔ میں اسے لے کر وہاں سے چل دیا اور بصرے آ کر اس مال سے تجارت شروع کر دی۔ خدا کا شکر اور احسان کہ اس نے مجھے امیر کر دیا۔ اگر میں تجھے ہر سال ایک ہزار دینار دے دیا کروں جو جعفر کے احسان کا ایک شمعہ ہے تو مجھے کوئی کمی محسوس نہ ہو گی۔ دیکھ جعفر کی بلند اخلاقی اور اس کی تعریف زندگی میں اور مرنے کے بعد۔ خدا کی رحمت ہو اس پر! اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ کابل ابو محمد کی کہانی

یہ کہانی بھی مشہور ہے کہ ایک روز جب ہارون الرشید خلافت کے تخت پر بیٹھا ہوا تھا ایک غلام آیا جس کے پاس سرخ سونے کا ایک تاج تھا۔ اس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ اس کے یاقوتوں اور جواہرات کی قیمت بیان میں نہیں آ سکتی۔ غلام نے خلیفہ کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور کہا کہ اے امیر المومنین شنزادی زبیدہ..... اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔ اس کی بہن نے کہا کہ تیری کہانی کیسی پیاری اور میٹھی ہے! اس نے جواب

دیا کہ اگر میں زندہ رہی اور بادشاہ نے مجھے قتل نہ کیا تو جو میں کل بیان کروں گی وہ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہو گی۔ بادشاہ نے اپنے دل میں کہا کہ واللہ جب تک باقی کہانی نہ سن لوں اسے قتل نہ کروں گا۔

○ ○ ○

• تین سو ویں رات

تین سو ویں رات ہوئی تو اس کی بہن نے کہا کہ بہن اپنی کہانی شروع کر۔ اس نے کہا کہ سر آنکھوں پر بشرطیکہ بادشاہ اجازت دے۔ بادشاہ بولا شر زاد کہہ۔ اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- غلام نے خلیفہ سے کہا کہ شہزادی زبیدہ تیرے آگے زمین کو بوسہ دے کر کہتی ہے تجھے معلوم ہے کہ میں نے یہ تاج بنوایا ہے اور اس کے لیے ایک بڑے ہیرے کی ضرورت ہے جو اس کے بیچ میں لگایا جائے۔ میں نے سارے ذخیرے ڈھنڈوا ڈالے اس مطلب کا بڑا ہیرا نہیں ملا۔ خلیفہ نے حاجیوں اور نوابوں سے کہا کہ زبیدہ کے مطلب کا ہیرا تلاش کرو۔ سب نے تلاش کیا لیکن زبیدہ جیسا ہیرا چاہتی تھی نہ ملا۔ خلیفہ بہت بے چین ہوا اور کہنے لگا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں خلیفہ ساری دنیا کے بادشاہوں کا حکمران اور ایک ہیرا مجھے نہ ملے۔ حیف ہو تم پر! جا کر تاجروں سے پوچھو۔ جب انہوں نے تاجروں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ایسا ہیرا ہمارے آقا خلیفہ کو بصرے میں ایک شخص کے پاس ملے گا جس کا نام کلل ابو محمد ہے۔ یہ سن کر خلیفہ نے اپنے وزیر جعفر کو حکم دیا کہ بصرے کے والی امیر محمد زبیدی کو خط لکھا کہ وہ کلل ابو محمد کے سفر کا انتظام کر کے اسے امیرالمومنین کے پاس بھیج دے۔

وزیر نے اس مضمون کا خط لکھ کر مسرور کے ہاتھ روانہ کیا۔ مسرور خط لے کر بصرے پہنچا اور امیر محمد زبیدی کے پاس گیا۔ محمد بہت خوش ہوا اور مسرور کو بہت عزت اور احترام سے رکھا۔ اس کے بعد مسرور نے اسے امیرالمومنین ہارون الرشید کا خط پڑھ کر سنایا۔ امیر نے مسرور کو اس کے ساتھیوں کے ساتھ کلل ابو محمد کے پاس بھیجا۔ وہ اس کے پاس گئے۔ دروازے پر دستک دی اور ایک غلام نے آ کر دروازہ کھولا۔ مسرور نے اس سے کہا کہ اپنے آقا سے کہہ کہ امیرالمومنین نے تجھے بلایا ہے۔ غلام نے اندر

جا کر یہ پیغام پہنچایا۔ ابو محمد نے باہر نکل کر مسرور اور امیر محمد زبیدی کے پیادوں کو دیکھا اور اس کے آگے زمین کو بوسہ دے کر کہا کہ امیر المومنین کا حکم سر آنکھوں پر لیکن اندر تو آؤ۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ ہمارے لیے زیادہ دیر تک ممکن نہیں کیونکہ یہ خلیفہ کا حکم ہے اور وہ تیری راہ دیکھ رہا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے اتنی تو مہلت دو کہ میں سفر کی تیاری کر لوں۔

الغرض بہت کہنے سننے کے بعد وہ اس کے ساتھ مکان کے اندر گئے اور دیکھا کہ دہلیز میں نیلی اطلس کے پردے پڑے ہوئے ہیں جن پر سرخ سونے کا کام ہے۔ کالہ ابو محمد نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ وہ مسرور کو حمام لے جائیں جو مکان کے اندر ہے۔ جب وہ ان کے ساتھ حمام گیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی دیواریں اور فرش عجوبہ روزگار ہیں۔ ان پر سونے اور چاندی کا کام ہے، پانی میں گلاب کا عرق ملا ہوا ہے۔ غلاموں نے مسرور اور اس کے ساتھیوں کو خوب نہلایا دھلایا۔ جب وہ حمام سے نکلے تو غلاموں نے انہیں اطلس کی پوشاکیں پہنائیں جن کا بانا سونے کا تھا۔ اب مسرور اور اس کے ساتھی اندر گئے اور انہوں نے دیکھا کہ کالہ ابو محمد اپنے ایوان میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے اوپر قیمتی ریشم کے پردے لٹک رہے ہیں اور جن میں موتی اور ہیروں کی جھالرنکی ہوئی ہے اور ایوان کے فرش پر ایسے تکیے لگے ہوئے ہیں جن پر خالص سونے کا کام ہے اور وہ ایک دیوان پر بیٹھا ہوا ہے۔ اور دیوان ایک تخت پر ہے اور جواہرات سے مرصع ہے۔ جب مسرور اس کے پاس پہنچا تو اس نے مرحبا کہا اور اس کی طرف بڑھ کر اسے اپنے پہلو میں بٹھایا اور دسترخوان منگوا دیا جسے دیکھ کر مسرور نے کہا کہ واللہ اس قسم کا دسترخوان میں نے امیر المومنین کے پاس بھی کبھی نہیں دیکھا۔

دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے چنے گئے جو سب چینی کے برتنوں میں تھے۔ جن پر سنہرا کام تھا۔ مسرور کا بیان ہے کہ ہم کھانے کی شام تک ہنسی مذاق کرتے رہے۔ اس کے بعد اس نے سب کو پانچ پانچ ہزار دینار دیئے اور دوسرے دن ہم سب کو سبز خلعت پہنائے جن پر سونے کے تاروں سے نیل بوٹے کڑھے ہوئے تھے اس نے

ہماری بڑی آؤ بھگت کی۔ سرور نے کہا کہ ہم خلیفہ کے ڈر سے اب زیادہ نہیں ٹھہر سکتے۔ کابل ابو محمد نے کہا کہ اے ہمارے آقا کل تک صبر کر تا کہ ہم تیار ہو کر تیرے ساتھ چلیں۔ اس لیے وہ اس دن بھی ٹھہر گئے اور رات وہیں گزاری۔ اس کے غلاموں نے کابل ابو محمد کے لیے ایک خچر پر سونے کی کاٹھی کسی جو طرح طرح کے موتی اور جواہرات سے مرصع تھی۔ سرور نے اپنے دل میں کہا کہ دیکھیں جب ابو محمد خلیفہ کے پاس اس ہیبت سے پہنچے گا تو وہ پوچھتا ہے یا نہیں کہ یہ دولت تیرے پاس کہاں سے آئی؟

الغرض سب لوگ محمد زبیدی سے رخصت ہو کر بھرے سے چل دیئے اور بغداد پہنچے۔ جب وہ خلیفہ کے پاس آئے اور اس کے سامنے کھڑے ہوئے تو خلیفہ نے ابو محمد کو بیٹھنے کا حکم دیا اور وہ بیٹھ گیا اور نہایت سلیقے اور تمیز سے گفتگو کی اور کہنے لگا کہ اے امیرالمومنین میں تیری خدمت میں ایک ہدیہ لایا ہوں اگر اجازت ہو تو پیش کروں؟ رشید نے کہا کیا مضائقہ ہے! اب اس نے ایک صندوق منگوا کر کھولا اور مختلف تحفے نکالے ان میں کئی سونے کے درخت تھے جن کے پتے زمرّد کے تھے۔ پھل لال اور زرد یا قوت اور سفید موتیوں کے۔ خلیفہ انہیں حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ ابو محمد نے دوسرا صندوق منگوا یا اور اس میں سے ایک خیمہ نکالا جو اطلس کا تھا اور جس کے اوپر موتیوں، یا قوت، زمرّد اور زبرجد اور طرح طرح کے دوسرے جواہرات کا تاج بنا ہوا تھا۔ خیمے کے کھمبے عود ہندی کے تھے اور اس کے حاشیوں میں سبز زمرّد ٹنکے ہوئے تھے اور اس پر تمام جانوروں، پرندوں، چرندوں اور درندوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں اور ان تصویروں پر ہیرے، یا قوت، زمرّد، زبرجد ملنجش اور قسم قسم کے قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے۔ رشید خوش ہو گیا۔ کابل ابو محمد نے کہا کہ اے امیرالمومنین یہ خیال نہ کریں کہ میں یہ چیزیں کسی ڈر سے یا لالچ سے تیرے پاس لایا ہوں بلکہ محض اس وجہ سے کہ میں ایک معمولی شخص ہوں اور یہ چیزیں امیرالمومنین کے سوا اور کسی کے قابل نہیں۔ اگر تو اجازت دے تو میں ایک آدھ کرتب بھی دکھا کر تجھے خوش کروں۔

رشید نے کہا دیکھیں تو کیا کرتب دکھاتا ہے۔ ابو محمد نے اپنے ہونٹوں کو حرکت دے کر محل کی فصیل کی طرف اشارہ کیا اور وہ اس کی طرف جھک کر آئی۔ پھر دوبارہ اشارہ کیا، وہ اپنی جگہ پر چلی گئی۔ اس کے بعد اس نے اپنی آنکھ سے اشارہ کیا اور کئی کوٹھڑیاں آموچہ ہوئیں جن کے دروازوں میں قفل پڑے ہوئے تھے اس نے ان کی طرف مخاطب ہو کر کچھ کہا اور جواب میں چڑیوں کی بولیاں سنائی دیں۔ رشید کو اور بھی زیادہ اچنبھا ہوا اور وہ کہنے لگا کہ تجھے یہ ساری باتیں کہاں سے آئیں تو تو کل ابو محمد کے نام سے مشہور ہے اور لوگوں کا بیان ہے کہ تیرا باپ حجام تھا اور ایک حمام میں نوکر تھا اور اس کے ترکے میں تجھے کچھ بھی نہیں ملا۔ اس نے کہا کہ اے امیر المومنین میرا قصہ سن۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• تین سو کے بعد پہلی رات

جب تین سو راتوں کے بعد پہلی رات آئی تو اس نے کہا کہ نیک نہاد بادشاہ -----

کابل ابو محمد نے خلیفہ سے کہا، امیرالمومنین میرا قصہ سن۔ وہ نہایت عجیب و غریب ہے۔ اگر وہ سویوں کی نوکوں سے آنکھوں کے کوٹوں میں لکھا جائے تو عبرت پکڑنے والے اس سے عبرت پکڑیں گے۔ رشید نے کہا کہ اچھا بیان کر۔ ابو محمد نے سنا شروع کیا کہ اے امیرالمومنین خدا تیری عزت اور دبدبہ قائم رکھے! سن۔ لوگوں کا کہنا کہ میں کابل ابو محمد کے نام سے مشہور ہوں اور میرے باپ نے مرتے وقت کچھ نہ چھوڑا، درست ہے کیونکہ جیسا تو نے کہا کہ میرا باپ حمام میں حجام تھا اور میں بچپن میں اتنا کابل اور ست تھا کہ دنیا میں کوئی دوسرا نہ ہو گا۔ میری سستی کی حالت یہ تھی کہ گرمیوں میں جب سوتا اور میرے اوپر دھوپ آ جاتی تو سستی کی وجہ سے مجھ سے اتنا نہ ہوتا کہ میں دھوپ سے اٹھ کر سائے میں چلا جاؤں۔

پندرہ برس کی عمر تک میری یہی حالت رہی۔ اس کے بعد میرے باپ کا انتقال ہو گیا، خدا اس پر رحمت کرے! اور میرے لیے اس نے کچھ نہ چھوڑا۔ میری ماں لوگوں کے پاس نوکری کرتی اور مجھے کھانے پینے کو دیتی اور میں پڑا دندنا تا۔ ایک دن یہ اتفاق ہوا کہ میری ماں چاندی کے پانچ درہم لے کر میرے پاس آئی اور مجھ سے کہنے لگی بیٹا! مجھے یہ خبر ملی ہے کہ شیخ ابو المظفر چین کے سفر کا ارادہ رکھتا ہے۔ شیخ فقیروں کو دوست رکھتا ہے اور اس کی ذات سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ میری ماں نے کہا کہ بیٹا! یہ پانچ درہم لے کر میرے ساتھ اس کے پاس چل تا کہ ہم اس سے درخواست کریں کہ ان درہموں سے تیرے لیے چین سے کوئی چیز خریدتا لائے شاید خدا کے فضل سے تجھے اس میں فائدہ ہو مگر مارے سستی کے میں نہ اٹھا اور اس نے خدا کی قسم کھائی کہ اگر تو نہ اٹھے گا تو میں تیرا کھانا پینا بند کر دوں گی اور تیرے پاس کبھی نہ

آؤں گی بلکہ تجھے بھوکا پیاسا مار ڈالوں گی۔

اے امیرالمومنین جب میں نے اس کی یہ باتیں سنیں تو مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ایسا کیے بغیر نہ رہے گی۔ وہ میری سستی اور کالہلی سے بیزار ہو گئی تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ مجھے اٹھا کر بٹھا دے۔ اس نے بٹھا دیا۔ میں رونے لگا کہ میرے جوتے لا وہ لے آئی۔ میں نے کہا کہ پہنا دے اور اس نے پہنا دیئے۔ میں نے کہا کہ مجھے پکڑ کر اٹھا، اس نے اٹھا کر کھڑا کیا۔ پھر میں نے کہا کہ مجھے سہارا دے تاکہ میں چلوں اور اس نے سہارا دیا اور میں اس طرح چلا کہ میرے پاؤں دامن میں پھنستے جاتے تھے۔ آخر خدا خدا کر کے ہم سمندر کے کنارے پہنچے اور شیخ کو سلام کیا اور کہا کہ چچا تو ہی ابوالمظفر ہے؟ اس نے کہا کہ بلیک۔ میں نے کہا کہ یہ درہم لے کہ میرے لیے چین سے کوئی چیز خریدتا لائیو ممکن ہے کہ خدا اس میں فائدہ دے۔ شیخ ابوالمظفر نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ تم اس جوان کو جانتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ یہ کلل ابو محمد کے نام سے مشہور ہے اور آج سے پہلے ہم نے کبھی اسے گھر سے نکلتے نہیں دیکھا۔ شیخ ابوالمظفر نے کہا کہ بیٹا لا درہم، خدا برکت دے! اس کے بعد اس نے بسم اللہ کہہ کر میرے ہاتھ سے درہم لے لیے۔ میں اپنی ماں کے ساتھ گھر چلا آیا اور شیخ ابوالمظفر روانہ ہو گیا۔ چلتے چلتے وہ اور اس کے ساتھی چین پہنچے۔ وہاں شیخ نے خرید و فروخت کی اور اپنی ضروریات پوری کر کے واپس لوٹے۔ تین دن سمندر کی راہ طے کرنے کے بعد شیخ نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ جہاز روکو۔ سوداگروں نے کہا کہ کیا ضرورت پیش آئی؟ اس نے جواب دیا کہ کلل ابو محمد نے جو کام میرے سپرد کیا تھا، وہ میں بھول گیا۔ اٹے چلو تاکہ ہم اس کے لیے کوئی چیز خرید لیں۔ جس سے اسے فائدہ ہو۔ انہوں نے کہا کہ خدا کے لیے واپس نہ چل، ہم بڑی مسافت طے کر چکے ہیں اور اس میں بڑی مصیبت اور مشقت اٹھا چکے ہیں۔ شیخ نے کہا کہ لوٹنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم سے پانچ درہم کا پانچ گنا دس گنا جتنا چاہے لے لے مگر ہمیں واپسی پر مجبور نہ کر۔ شیخ نے ان کی تجویز منظور کر

لی اور انہوں نے بہت سا مال جمع کر کے اس کے حوالے کیا۔

اب چلتے چلتے وہ ایک جزیرے کے پاس پہنچے جہاں بہت بڑی آبادی تھی۔ لنگر ڈال دیئے اور سوداگر اتر کر معدنیات، جواہرات، موتی اور دوسرے تجارت کا مال خریدنے لگے۔ وہاں ابوالمظفر نے دیکھا کہ ایک شخص اپنے آگے بہت سے بندر لیے بیٹھا ہے۔ ان میں سے ایک بندر کے بال بچے کھینچے ہیں۔ جب ان کے مالک کی توجہ کسی دوسری طرف ہوتی تو دوسرے بندر اس کو مارتے اور اسے مالک پر دھکیل دیتے۔ مالک اٹھ کر اسے مارتا باندھتا اور سزا دیتا۔ اس پر دوسرے بندر اس بندر پر اور زیادہ خفا ہوتے اور اس کو مارتے۔ شیخ ابوالمظفر کی نظر اس بندر پر پڑی تو اسے ترس آ گیا اور اس نے مالک سے کہا کہ اس بندر کو میرے ہاتھ بیچے گا؟ مالک نے کہا کہ ہاں بیچوں گا۔ شیخ نے کہا کہ میرے پاس ایک یتیم لڑکے کے پانچ درہم ہیں کیا انہیں لے کر تو بندر میرے ہاتھ بیچ ڈالے گا۔ اس نے کہا کہ ہاں بیچ ڈالوں گا، خدا تجھے اس میں برکت دے!

اب اس نے مالک کو درہم حوالے کیے اور بندر لے لیا۔ شیخ کے غلاموں نے بندر کو لے کر جہاز سے باندھ دیا، لنگر اٹھا دیئے گئے اور جہاز جزیرے کی طرف روانہ ہو گیا۔ ایک اور جزیرے پر اترے وہاں تاجروں نے غوطہ مارنے والوں کو چند درہم اجرت دی کہ وہ غوطہ مار کر معدنیات اور موتی وغیرہ نکالیں انہوں نے غوطہ مارا۔ جب بندر نے انہیں یہ کرتے دیکھا تو اس نے بھی رسی تڑوا کر چھلانگ ماری اور غوطہ خوروں کے ساتھ پانی میں چھلانگ ماری اور غوطہ خوروں کے ساتھ پانی میں غوطہ لگایا۔ ابوالمظفر نے کہا کہ لاحول ولا قوہ الا باللہ العلیٰ العظیم۔ جس مسکین کے لیے میں نے بندر لیا تھا اس کی بدبختی سے وہ بندر جاتا رہا اور سب کے سب ناامید ہو گئے لیکن جب غوطہ خور اوپر نکلے تو بندر بھی ان کے ساتھ نکل آیا۔ اس کے ہاتھوں میں نفیس جواہرات تھے اور اس نے وہ سب ابوالمظفر کے سامنے ڈال دیئے۔ شیخ کو اس پر بڑا اچنبھا ہوا اور اس نے کہا کہ اس بندر میں ضرور کوئی نہ کوئی بڑا بھید ہے۔ اس کے بعد وہ وہاں سے لنگر اٹھا کر روانہ ہو گئے اور ایک جزیرے کے پاس پہنچے جس کا نام جزیرہ زنوج تھا۔ وہاں

کے باشندے سیاہ قام تھے اور انسانوں کا گوشت کھایا کرتے تھے۔ جونہی ان مردم خور حبشیوں نے انہیں دیکھا تو وہ اپنی کشتیوں میں بیٹھ کر ان کی طرف دوڑے اور ان کے پاس پہنچ کر جہاز میں جتنے لوگ تھے سب کو پکڑ، مشکیں باندھ اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ان میں سے جو زیادہ موٹے تازے ہوں، ذبح کیا جائے جن کی قضا تھی۔ وہ حلال ہو گئے ان کا گوشت کھایا گیا۔ باقی تاجروں کو قید خانے میں بند کر دیا۔ جب رات ہو گئی تو بندر اٹھا اور ابوالمظفر کے پاس آیا اور اس کی بیڑیاں کھول دیں۔ جب دوسرے تاجروں نے دیکھا کہ ابوالمظفر آزاد ہو گیا ہے تو وہ کہنے لگے کہ اے ابوالمظفر قریب ہے کہ خدا تیرے ہاتھ سے ہمیں بھی رہائی دے۔ شیخ نے کہا کہ اسی بندر نے خدا کی مرضی سے مجھے آزاد کیا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• تین سو کے بعد دوسری رات

جب تین سو کے بعد دوسری رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ -----
ابوالمظفر نے کہا کہ اسی بندر نے خدا کی مرضی سے مجھے آزاد کیا ہے اور میں اس
کے بدلے اسے ایک ہزار دینار دیتا ہوں۔ تاجروں نے کہا کہ علیٰ ہذا القیاس ہم میں
سے بھی ہر ایک اسے ایک ہزار دے گا اگر وہ ہمیں بھی چھڑا دے۔ یہ سن کر بندر
اٹھا اور ایک ایک کر کے انہیں کھولنے لگا یہاں تک کہ سب کی بیڑیاں کھول دیں
اور سب وہاں سے روانہ ہو کر جہاز میں پہنچ گئے دیکھا کہ وہ بالکل صحیح سالم ہے اس
میں کسی چیز کی کمی نہیں ہوئی۔ انہوں نے جہاز کے لنگر اٹھا دیئے اور چل کھڑے
ہوئے۔ ابوالمظفر نے کہا کہا کہ اے تاجرو! جو تم نے بندر سے وعدہ کیا تھا، اسے

پورا کرو۔ وہ بولے ہم تیار ہیں اور ہر ایک نے اسے ایک ایک ہزار دینار دیئے اور ابوالمظفر
نے بھی اپنے مال میں سے ایک ہزار دینار نکال کر اس کے حوالے کیے۔ بندر کے لیے
بڑی دولت جمع ہو گئی۔ اب وہ وہاں سے چلتے چلتے بھرے پہنچے اور ان کے دوست ان
سے ملنے آئے۔ جب وہ جہاز سے اترے تو ابوالمظفر نے کہا کہ کلال ابو محمد کہاں
ہے۔ جب یہ خبر میری ماں کو ملی تو وہ میرے پاس آئی۔ میں سو رہا تھا وہ مجھے جھنجھوڑ
کر کہنے لگی کہ بیٹا شیخ ابوالمظفر لوٹ کر شہر میں آ گیا ہے۔ اٹھ اور اس کے پاس
جا کر اسے سلام کر اور پوچھ کہ وہ تیرے لیے کیا لایا ہے؟ ممکن ہے کہ خدا تیری
رزق کشائی کرے۔ میں نے کہا کہ مجھے اٹھا اور سارا دے تاکہ میں یہاں سے نکل
کر سمندر کے کنارے جاؤں۔ اب میں لکٹا ٹپکتا وہاں سے چلا اور شیخ ابوالمظفر کے
پاس پہنچا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو کہنے لگا کہ مرحبا! تیرے درہموں کی وجہ سے ہم
اور یہ تاجر خدا کے فضل سے صحیح و سلامت لوٹے ہیں۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ
لے یہ بندر اسے میں نے تیرے لیے خریدا ہے اور اسے لے کر گھر جا اور میرا انتظار

کر۔ میں بندر کو اپنے ساتھ لے کر گھر گیا اور اپنے دل میں کہا کہ واللہ یہ تو واقعی بڑی تجارت ہے! گھر پہنچ کر میں نے ماں سے کہا کہ جب کبھی میں سوتا ہوتا تو تو مجھ سے کہتی کہ اٹھ اور تجارت کر۔ دیکھ اس تجارت کو اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ لے۔

یہ کہہ کر میں بیٹھ گیا اور ابھی میں بیٹھا ہی ہوا تھا کہ ابوالمظفر کے غلام میرے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ کابل ابو محمد تو ہی ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں۔ اتنے میں ان کے پیچھے پیچھے ابوالمظفر بھی آگیا۔ میں نے اٹھ کر اس کے ہاتھ چومے۔ اس نے کہا کہ میرے گھر چل۔ میں نے کہا کہ بسرو چشم اور اس کے ساتھ روانہ ہو کر اس کے گھر پہنچا۔ اس نے اپنے غلاموں سے کہا کہ مال لاؤ۔ جب وہ لے آئے تو اس نے کہا کہ بیٹا پانچ درہم سے خدا نے تجھے اتنا فائدہ دیا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے مال کے صندوق ان کے سروں پر رکھوا دیئے اور ان کی کنجیاں میرے حوالے کر کے کہا کہ غلاموں کو لے کر اپنے گھر جا اور یہ سارا مال تیرا ہے۔ میں انہیں لے کر ماں کے پاس آیا۔ وہ خوش ہو گئی اور کہنے لگی کہ بیٹا خدا نے یہ سارا مال تجھے دیا ہے۔ اب کابل چھوڑ دے اور بازار جا کر خرید و فروخت کر۔ میں نے کابل چھوڑ کر بازار میں ایک دکان کھولی۔ بندر میرے ساتھ گدی پر بیٹھتا اور جب میں کھاتا تو وہ میرے ساتھ کھاتا اور جب پیتا تو وہ میرے ساتھ پیتا لیکن ہر روز صبح سے لے کر دوپہر تک وہ غائب رہتا۔ جب آتا تو ایک تھیلی لے کر آتا جس میں ایک ہزار دینار ہوتے۔ اور اسے میرے پاس رکھ کر بیٹھ جاتا۔ بہت دنوں تک یہی حالت رہی اور میرے پاس بے شمار دولت جمع ہو گئی۔

اے امیرالمومنین میں نے بہت سی زمینیں اور مکان خرید ڈالے، باغ لگائے، گورے اور کالے غلام اور کنیریں خریدیں۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ میں اور بندر دونوں بیٹھے تھے کہ یکایک وہ دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ معلوم نہیں کیا بات ہے۔ اتنے میں بندر نہایت شیریں لہجے میں کہنے لگا اے ابو محمد۔ یہ سن کر میرے رونگٹے

کھڑے ہو گئے۔ اس نے کہا کہ ڈر نہیں۔ میں اپنا حال تجھ سے بیان کرتا ہوں۔ میں خدا کی درگاہ سے راندہ ہوا جن ہوں۔ تیری زدہ حالت دیکھ کر میں تیرے پاس آیا تھا اور آج تیری یہ حالت ہے کہ تجھے اپنے مال کی بالکل قدر نہیں۔ تجھ سے میری ایک ضرورت ہے اور اس میں تیری بھلائی ہے۔ میں نے کہا کہ وہ کیا؟ اس نے کہا کہ میں تیری شادی ایک لڑکی سے کرانا چاہتا ہوں جو چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے۔ میں نے کہا کہ وہ کس طرح؟ وہ بولا کہ کل اپنا بہترین لباس پہنیو اور نچر پر سونے کا زین رکھ کر اس پر سوار ہو جیو اور گھسیاروں کی منڈی جا کر شریف کی دکان کا پتہ پوچھیو اور اس کے پاس بیٹھ کر کہیو کہ میں تیری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اگر وہ کہے کہ تیری گرہ میں نہ تو دام ہیں اور نہ تیرا کوئی حسب نسب ہے تو اسے ایک ہزار دینار دے دیجیو۔ اگر وہ کہے کہ اور دے تو اور دے دیجیو اور اسے مال کا لالچ دلاؤ۔ میں نے کہا کہ بسرو چشم، کل میں انشاء اللہ یہ کروں گا۔ ابو محمد کا بیان ہے کہ جب سویرا ہوا تو میں نے اپنے بہترین کپڑے پہنے اور نچر پر سونے کی زین رکھ کر سوار ہوا۔ اس کے بعد گھسیاروں کی منڈی میں پہنچ کر شریف کی دکان کا پتہ پوچھا اور دیکھا کہ وہ اپنی دکان پر بیٹھا ہوا ہے۔ میں سلام کر کے اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• تین سو کے بعد تیسری رات

جب تین سو کے بعد تیسری رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ -----
 ابو محمد کسلان کہتا ہے کہ میں نے اتر کر اسے سلام کیا اور اس کے پاس جا بیٹھا۔
 اس وقت میرے ساتھ دس گورے اور کالے غلام تھے۔ شریف نے کہا ایسا معلوم ہوتا
 ہے کہ مجھ سے تیری کوئی ضرورت ہے جسے میں پورا کروں۔ میں نے کہا کہ ہاں
 میں تیرے پاس ایک حاجت لے کر آیا ہوں۔ اس نے پوچھا کہ وہ کیا حاجت ہے؟
 میں نے کہا کہ میں تیری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا کہ تیرے پاس
 نہ تو دولت ہے نہ حسب نسب۔ میں نے ایک تھیلی نکال کر اس کے آگے رکھ دی
 جس میں ایک ہزار دینار سرخ تھے اور اس سے کہا کہ یہ ہے میرا حسب نسب۔ رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ بہترین حسب نسب مال ہے۔ یہ سن کر شریف
 نے اپنا سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر بولا اگر یہی ہے تو میں تجھ سے
 تین ہزار دینار اور چاہتا ہوں۔ میں نے کہا ابھی لے۔ یہ کہہ کر میں نے اپنے ایک
 غلام کو اپنے گھر بھیجا اور وہ جا کر اتنے دینار لے آیا جتنے اس نے مانگے تھے۔ جب
 اس نے دیکھا کہ یہ مال بھی اسے مل گیا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے غلاموں سے
 کہا کہ دکان میں قفل لگا دو۔ پھر وہ اپنے دوستوں کو لے کر گھر گیا اور میرا نکاح
 نامہ اپنی بیٹی کے ساتھ لکھوا دیا اور مجھ سے کہا کہ دس دن کے بعد میں اسے رخصت
 کر دوں گا۔ یہ سن کر میں خوش خوش گھر لوٹا اور بندر سے تنہائی میں سارا ماجرا بیان
 کیا۔ اس نے کہا کہ تو نے بہت خوب کیا۔

جب شریف کی مقرر کردہ میعاد قریب آئی تو بندر نے کہا کہ میری تجھ سے ایک حاجت
 ہے اگر تو اسے پورا کر دے تو تو جو مانگے گا میں دوں گا۔ میں نے کہا کہ وہ حاجت
 کیا ہے؟ اس نے کہا کہ جس کمرے میں تو شریف کی لڑکی سے ہم بستری کرے
 گا اس کے صدر کی طرف ایک کوٹھڑی ہے جس کی پیتل کی زنجیر ہے اور کنجیاں زنجیر

کے نیچے ہیں۔ انہیں لے کر دروانہ کھلیو اور اس کے اندر تجھے ایک لوہے کا صندوق ملے گا جس کے چاروں کونوں پر جادو کے چار جھنڈے ہوں گے اور بیچ میں ایک تشت مال سے بھرا ہوا۔ تشت کے پاس گیانہ سانپ اور اس کے اندر ایک سفید مرغ ہو گا، صندوق کے پاس ایک چھری ہو گی، چھری کو لے کر اس مرغ کو ذبح کر ڈالیو اور جھنڈوں کو کاٹ کر صندوق الٹ دیجیو۔ اس کے بعد دلہن کے پاس جا کر سو جائیو۔ بس یہ تجھ سے میری درخواست ہے۔ اس کے بعد میں شریف کے مکان گیا اور کمرے میں جا کر دیکھا کہ وہ کوٹھڑی موجود ہے جس کا ذکر بندر نے کیا تھا پھر میں دلہن کے پاس گیا تو اس کے حسن و جمال اور قد و قامت کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ زبان اس کی خوبصورتی بیان کرنے سے عاجز ہے اور بے حد خوش ہوا۔ جب آدھی رات ہوئی اور دلہن سو گئی تو میں اٹھا اور کنجیاں لے کر کوٹھڑی کھلی، چھری لے کر مرغ ذبح کیا اور جھنڈیوں کو پھینک کر صندوق الٹ دیا۔ اتنے میں لڑکی کی آنکھ کھل گئی اور اس نے دیکھا کہ کوٹھڑی کھلی ہوئی ہے اور مرغ ذبح کیا ہوا پڑا ہے۔ اس نے کہا کہ لاحول ولا قوہ الا باللہ العلیٰ العظیم۔ اب وہ مردود مجھے لے جائے گا۔ ابھی وہ یہ فقرہ تمام نہ کرنے پائی تھی کہ ایک مردود دیو نے گھر کو گھیر لیا اور لڑکی کو اٹھا کر لے گیا۔ ایک چیخ و پکار مچ گئی۔ شریف سر پٹتا آیا اور کہنے لگا اے ابو محمد یہ تو نے کیا کیا؟ کیا تجھے ہمارے ساتھ یہی سلوک کرنا تھا؟ اسی ڈر سے تو کہ کہیں یہ ملعون دیو میری بیٹی کو اٹھا کر نہ لے جائے، میں نے اس کوٹھڑی میں یہ جادو کر رکھا تھا کیونکہ وہ چھ برس سے اس کے پیچھے پڑا ہوا تھا مگر اس کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ اب تو میرے ہاں نہیں ٹھہر سکتا، چل دور ہو۔

شریف کے مکان سے روانہ ہو کر میں اپنے گھر آیا اور بندر کو ڈھونڈنے لگا مگر وہ نہ ملا اور اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ اب مجھے یقین ہوا کہ وہی وہ ملعون دیو تھا جو میری بیوی کو اڑا لے گیا اور مجھے دھوکا دے کر میرے ہاتھ سے مرغ ذبح کرایا اور جادو اتروایا۔

اپنی حرکت پر بہت پشیمان ہوا اور میں نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور منہ پر تھپڑ مارنے لگا۔ دنیا سے بیزار ہو گیا اور فوراً نکل کر جنگل کی راہ لی۔ چلتے چلتے شام ہو گئی اور مجھے کچھ معلوم نہ ہوا کہ کدھر جا رہا ہوں۔ اپنی دھن میں چلا جا رہا تھا کہ ایک زرد اور ایک سفید سانپ لڑتے ہوئے میرے قریب پہنچے میں نے زمین پر سے ایک پتھر اٹھا کر زرد سانپ کو مارا اور وہ مر گیا کیونکہ وہی سفید سانپ کو دق کر رہا تھا۔ اب سفید سانپ وہاں سے چل دیا اور تھوڑی دیر کے بعد دس اور سفید سانپوں کو لے کر آیا۔ انہوں نے مرہ سانپ کے پاس جا کر اس کی تکا بوٹی کر ڈالی۔ یہاں تک کہ سوائے سر کے اور کچھ باقی نہ رہا اور چلتے بنے۔ تھکن کی وجہ سے میں وہیں لیٹ گیا۔ میں لیٹا ہوا اپنی حالت پر غور کر رہا تھا کہ میں نے کسی کو کہتے سنا مگر اس کی شکل دکھائی نہ دی کہ ”تقدیر کو اپنا کام کرنے دے اور آرام سے سو کیونکہ اتنی دیر میں کہ انسان آنکھ بند کرے اور کھولے خدا کچھ کا کچھ کر دیتا ہے۔“

اے امیرالمومنین جب میں نے یہ سنا تو میری حالت دگرگوں ہو گئی اور مجھے بے حد پریشانی ہوئی اتنے میں پیچھے سے مجھے یہ آواز سنائی دی کہ ”اے مسلم تیرا رہنما قرآن ہے۔ خوش ہو کہ اب امان میں آ گیا ہے۔ شیطان کی دغا بازی سے نہ ڈر کیونکہ ہم لوگ ایمان والے ہیں۔“ میں نے کہا کہ خدا کے واسطے یہ تو بتا کہ تو ہے کون؟ یہ سن کر ہاتھ نے انسان کی صورت اختیار کر لیا اور مجھ سے کہا کہ ڈر نہیں تیرے احسان کی خبر ہم کو مل چکی ہے۔ ہم مسلمان جن ہیں۔ اگر تجھے کوئی حاجت ہو تو بیان کر تاکہ ہم اسے پورا کریں۔ میں نے کہا کہ میری حاجت بہت بڑی ہے مجھ پر ایسی مصیبت آئی ہے کہ کسی اور پر نہ گزری ہو گی۔ اس نے کہا کہ تو ابو محمد الکسلسان تو نہیں؟ میں نے کہا کہ ہاں۔ وہ بولا اے ابو محمد میں اس سفید سانپ کا بھائی ہوں جس کے دشمن کو تو نے قتل کیا ہے۔ ہم سگے بھائی ہیں اور سب کے سب تیری مہربانی کے شکر گزار ہیں۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ جو جن بندر کی صورت میں تھا اور جس نے تیرے ساتھ دغا بازی کی ہے وہ مردود جنوں میں سے ہے اور وہ یہ چھل فریب نہ

کرتا تو لڑکی ہرگز اس کے قابو میں نہ آتی۔ ایک زمانے سے وہ اس لڑکی پر عاشق تھا اور اسے لے جانا چاہتا تھا مگر وہ جادو اسے روکے ہوئے تھا۔ اگر جادو نہ ٹوٹتا تو وہ جن اس کے پاس پھٹک نہ سکتا۔ خیر پریشان نہ ہو ہم تجھے اس لڑکی تک پہنچا دیں گے اور اس ملعون کو قتل کر دیں گے جو احسان تو نے ہمارے ساتھ کیا ہے وہ ضائع نہیں ہو سکتا۔ یہ کہہ کر اس نے زور سے آواز دی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• تین سو چوتھی رات

جب تین سو چوتھی رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- جن نے یہ کہہ کر کہ تیرا احسان جو ہم پر ہے ضائع نہیں ہو سکتا، بہت زور سے ایک آواز دی۔ بہت سے جن آموچہ ہوئے اور اس نے ان سے بندر کے متعلق دریافت کیا۔ ایک جن نے جواب دیا کہ میں جانتا ہوں کہ وہ کہاں رہتا ہے؟ اس نے پوچھا کہ کہاں رہتا ہے؟ جن نے کہا کہ تانبے کے شہر میں جہاں کبھی سورج نہیں نکلتا۔ وہ بولا اے ابو محمد تمہارے غلاموں میں سے ایک غلام کو اپنے ساتھ لے جا وہ تجھے اپنی پیٹھ پر بٹھا کر لے جائے گا اور تجھے لڑکی کو واپس لے آنے کی تدبیر بتا دے مگر تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ جن کافر جنوں میں سے ہے اور جب تک تو اس پر سوار رہے خدا کا نام نہ لیجیو۔ ورنہ وہ تجھے چھوڑ کر بھاگ جائے گا اور تو گر کر ہلاک ہو جائے گا۔ میں نے کہا کہ اچھا۔ ان کے غلاموں میں سے ایک سامنے آیا اور جھک کر بولا کہ سوار ہو۔ میں سوار ہو گیا تو وہ مجھے لے کر ہوا میں اڑا یہاں تک کہ وہ دنیا سے غائب ہو گیا اور مجھے ستارے، مضبوط پہاڑوں کی طرح دکھائی دینے لگے اور آسمان پر فرشتوں کی تسبیح سنائی دینے لگی۔ ادھر یہ ہو رہا تھا اور ادھر وہ دیو مجھ سے بات چیت کر کے خدا کی یاد بھلا رہا تھا۔ اسی حالت میں ایک شخص دکھائی دیا اس کا لباس سبز تھا۔ بال بے اور چہرہ نورانی۔ اس کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا جس میں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ وہ شخص میرے پاس آ کر کہنے لگا اے ابو محمد کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ورنہ میں یہ نیزہ ابھی کھینچ کر مارتا ہوں۔ خدا کا ذکر نہ کرنے کی وجہ سے میں برداشتہ خاطر تو ہو ہی رہا تھا فوراً میں نے کہ دیا کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور اس شخص نے دیو پر نیزہ مارا اور وہ جل کر راکھ ہو گیا اور میں اس کی پیٹھ پر سے زمین کی طرف چلا اور زمین میں پہنچ کر متلاطم سمندر میں جا پڑا۔ وہاں میں نے ایک ناؤ دیکھی

جس میں پانچ ملاح بیٹھے ہوئے تھے۔ جب ان کی نظر مجھ پر پڑی تو انہوں نے مجھے اٹھا کر ناؤ میں بٹھا لیا اور مجھ سے ایک ایسی زبان میں باتیں کرنے لگے جس کو میں نہیں سمجھتا تھا۔ میں نے انہیں اشارے سے بتایا کہ میں تمہاری بولی نہیں سمجھتا۔ چلتے چلتے شام ہو گئی، انہوں نے جال ڈال کر ایک مچھلی پکڑی اور اسے تل کر مجھے کھلایا۔

اب وہ اپنے شہر میں پہنچے اور مجھے اپنے بادشاہ کے پاس لے جا کر اس کے سامنے کھڑا کر دیا۔ میں نے اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور اس نے مجھے خلعت عطا کیا۔ بادشاہ عربی جانتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں تجھے اپنا مددگار بناتا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ اس شہر کا کیا نام ہے؟ اس نے کہا کہ شہر کا نام ہناد ہے اور وہ چین میں ہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے مجھے اپنے وزیر کے سپرد کر کے کہا کہ اسے شہر کی سیر کرا لا۔ اس شہر کے باشندے پہلے کافر تھے۔ اس لئے خدا نے انہیں مسخ کر کے پتھر بنا دیا تھا۔ میں نے وہاں کی سیر کی اور اتنے درخت اور پھل دیکھے جتنے کہیں اور نہ دیکھے ہوں۔ ایک مہینے کے بعد ایک روز میں دیا کے کنارے بیٹھا ہوا تھا کہ ایک سوار آیا اور مجھ سے پوچھا کہ کیا تو کابل ابو محمد ہے؟ میں نے جواب دیا ہاں۔ وہ کہنے لگا کہ بے خوف رہ تیری بھلائی کی خبر مجھے ملی ہے۔ میں نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں سانپ کا بھائی ہوں اور اب تو اس جگہ کے قریب ہے جہاں لڑکی ہے اور جہاں تو جانا چاہتا ہے۔ اب اس نے اپنے کپڑے اتار کر مجھے پہنا دیئے اور مجھ سے بولا کہ ڈرنے کی ضرورت نہیں جو غلام تیری سواری میں مارا گیا ہے ہمارا ہی غلام تھا۔ یہ کہہ کر اس نے مجھے اپنے پیچھے گھوڑے پر سوار کر لیا اور جنگل کی راہ لی۔ ایک مقام پر پہنچ کر اس نے کہا کہ اتر کر ان دونوں پہاڑوں کے درمیان چلا جا۔ جب تجھے پیتل کا شہر دکھائی دے تو اس سے دور ٹھہرا رہیو۔ جب تک میں نہ آؤں اس کے اندر نہ جائیو۔ میں آ کر بتاؤں گا کہ تجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں نے بہت خوب کہا اور اتر کر روانہ ہوا۔ شہر کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ اس کی شہر پناہ پیتل کی ہے اور میں اس کے گرد چکر لگانے لگا کہ کہیں اس کا دروانہ نظر آئے لیکن کہیں

نظر نہ آیا۔ میں ابھی چکر لگا ہی رہا تھا کہ سانپ کا بھائی آ پہنچا اور اس نے مجھے ایک جادو کی تلوار دی تا کہ مجھے کوئی دیکھ نہ سکے۔ اس کے بعد وہ وہاں سے چل دیا مگر ابھی اسے گئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ایک شور سنائی دیا اور بہت سے لوگ دکھائی دیئے جن کی آنکھیں سینوں میں تھیں۔ جب ان کی نظر مجھ پر پڑی تو کہنے لگے کہ تو کون ہے اور تجھے اس جگہ کون لایا ہے؟ میں نے ان سے سارا ماجرا بیان کیا۔ وہ کہنے لگے کہ جس لڑکی کا تو نے ذکر کیا ہے وہ ہے تو دیو کے ساتھ اسی شہر میں مگر ہمیں یہ نہیں معلوم کہ اس نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے اور ہم لوگ سانپ کے بھائی ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے کہا کہ اس چشمے کے پاس جا کر دیکھ کہ پانی کہاں سے اندر جاتا ہے وہیں سے تو بھی اندر چلا جا اور پانی تجھے شہر کے اندر پہنچا دے گا۔ میں نے ایسا ہی کیا اور جب میں پانی کے ساتھ بدرو میں داخل ہو کر اوپر نکلا تو میں شہر کے بیچ میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک لڑکی سونے کے تخت پر بیٹھی ہوئی ہے اور اس کے چاروں طرف دیباچ کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ پردوں کے چاروں طرف ایک باغ ہے جس کے درخت سونے کے ہیں اور پھل یا قوت، زیر جد، موتی اور مرجان اور قیمتی قیمتی جواہرات کے۔ لڑکی نے دیکھتے ہی مجھے پہچان لیا۔ پہلے خود سلام کیا اور کہا کہ اے میرے آقا تجھے یہاں کون لایا؟ میں نے اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ وہ بولی اس ملعون کو مجھ سے اتنی محبت ہے کہ اس نے مجھے بتا دیا کہ ہے کس چیز سے اسے نقصان پہنچ سکتا ہے اور کس چیز سے فائدہ۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ اس شہر میں ایک ظلم ہے۔ میں چاہوں تو اس کے ذریعے سے سینکڑوں کو ہلاک کر سکتا ہوں اور جب میں دیوؤں کو حکم دوں تو وہ میری اطاعت کریں گے اور یہ ظلم چند کھمبوں کے اندر ہے۔ میں نے پوچھا کہ وہ کھمبے کہاں ہیں؟ اس نے کہا کہ فلاں جگہ۔ میں نے کہا کہ اور وہ ظلم کیا ہے؟ وہ بولی کہ ایک گدھ کی مورت ہے اور اس پر کچھ لکھا ہوا

ہے جو سمجھ میں نہیں آتا۔ اس گدھ کو لے کر اپنے آگے رکھو اور ایک انگارا لے کر اس پر تھوڑا سا مشک ڈالو۔ جب اس میں سے دھواں نکلنے لگے گا تو دیو آ کر جمع ہو جائیں گے اگر تو نے ایسا کیا تو سارے کے سارے دیو آجائیں گے اور ایک بھی غیر حائیر نہ رہے گا اور وہ سب تیری فرمانبرداری کریں گے جو تو حکم دے گا اسے بجا لائیں گے۔ اب جا اور ایسا ہی کر خدا برکت دے! میں نے کھبوں کے پاس جا کر اس کے کہنے کے مطابق عمل کیا۔ دیو آ پہنچے اور میرے سامنے کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ اے آقا ہم سب حاضر ہیں جو تو کہے گا ہم عمل کریں گے۔ میں نے کہا کہ اس مردود دیو کو باندھ کر لے آؤ جو اس لڑکی کو اس کے گھر سے چرا لایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بسرو چشم۔

اور وہ اس ملعون کے پاس گئے اور اسے بیڑیوں میں جکڑا اور مشکیں کس کر لا حاضر کیا اور کہنے لگے کہ لے ہم تیرا حکم بجا لائے۔ میں نے کہا کہ اب تم چلے جاؤ۔ پھر میں نے لڑکی کے پاس جا کر اس سے سارا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ اے میری بیوی کیا تو میرے ساتھ چلے گی؟ اس نے کہا ہاں۔ اب میں اس بدرو میں سے نکلا جس سے کہ داخل ہوا تھا اور چلتے چلتے ان لوگوں کے پاس پہنچا جنہوں نے مجھے راستہ بتایا تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• تین سو پانچویں رات

تین سو پانچویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- وہ کہنے لگا کہ ہم چلتے چلتے ان لوگوں کے پاس پہنچے جنہوں نے ہمیں لڑکی تک پہنچنے کا راستہ بتایا تھا اور میں نے ان سے کہا کہ مجھے اس راستے پر لگا دو جہاں سے میں اپنے وطن واپس پہنچ جاؤں۔ انہوں نے مجھے راستے پر لگا دیا اور میرے ساتھ سمندر کے کنارے تک گئے اور مجھے ایک کشتی میں بٹھا دیا۔ ہوا موافق تھی، کشتی نے ہمیں لا کر بھرے پہنچا دیا۔ جب لڑکی اپنے باپ کے گھر پہنچی تو اس کے خاندان والے اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ میں نے پھر گدھ کو مشک کی دھونی دی اور ہر طرف سے دیو آپہنچے۔ انہوں نے کہا کہ لبیک، کیا حکم ہے تا کہ ہم بجا لائیں۔ میں نے کہا کہ پیتل کے شہر میں جو کچھ مال و دولت اور معدنیات اور ہیرے جواہرات ہیں، انہیں بھرے میں میرے گھر لے آؤ۔ انہوں نے اس کی تعمیل کی۔ اس کے بعد میں نے حکم دیا کہ اس بندر کو لاؤ اور وہ اسے نہایت ذلت اور حقارت سے لائے۔ میں نے اس سے کہا کہ اے ملعون تو نے مجھ سے دغا بازی کی؟ اور انہیں حکم دیا کہ اسے پتیل کی بوتل میں بند کر دو۔ انہوں نے اسے ایک پیتل کی نگ بوتل میں داخل کر کے اس کا منہ سیسے سے بند کر دیا اور میں اور میری بیوی خوش خوش زندگی بسر کرنے لگے۔ اے امیر المومنین اس وقت میرے پاس اس قدر قیمتی ذخیرے ہیں جن کا حد و حساب نہیں اگر تجھے مال و دولت یا کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو میں جنات کو حکم دوں گا کہ وہ فوراً تیرے پاس لا کر حاضر کریں۔ یہ سب خدا کی مہربانی ہے۔ امیر المومنین کو اس پر سخت اچنبھا ہوا اور اس کے ہدیے کے عوض اس نے اسے شاہانہ عطیات اور اس کے لائق انعامات دیئے۔

○ یحییٰ بن خالد برکی اور منصور کی کہانی

کہتے ہیں کہ ہارون الرشید نے ایک سردار کو بلوایا جس کا نام صالح تھا۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ ابھی تک وہ بر مکیوں سے ناراض نہیں ہوا تھا۔ جب وہ خلیفہ کے سامنے حاضر ہوا تو ہارون الرشید نے کہا کہ اے صالح تو منصور کے پاس جا کر کہہ کہ میرے تجھ پر دس لاکھ درہم نکلتے ہیں۔ میرا حکم ہے کہ فوراً یہ رقم میرے پاس پہنچا دے اور اے صالح تجھے میں یہ حکم دیتا ہوں کہ اگر اس وقت سے لے کر مغرب تک تجھے یہ رقم نہ مل جائے تو اس کا سر جسم سے جدا کر دیجیو اور اسے میرے پاس لے آؤ۔

صالح نے منصور کے پاس جا کر امیر المومنین کا پیغام پہنچا دیا۔ منصور نے کہا کہ اب میری جان گئی واللہ اگر میں اپنی ساری جاگیر اور دوسرا مال منگے سے منگا بھی بیچوں تو اس کی قیمت ایک لاکھ سے زیادہ نہ آئے گی مگر اے صالح باقی نو لاکھ درہم میں کہاں سے لاؤں گا! صالح نے کہا کہ جلد سے جلد کوئی تدبیر سوچ جس سے تیرا چھٹکارا ہو جائے ورنہ تو مارا جائے گا کیونکہ خلیفہ نے جو میعاد مقرر کی ہے اس سے ایک لمحہ بھی میں دیر نہیں کر سکتا اور نہ امیر المومنین کے حکم کی نافرمانی کر سکتا ہوں۔ اس لئے وقت ختم ہونے سے پہلے اپنی جان چھڑانے کی تدبیر نکال۔ منصور بولا اے صالح، میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے میرے گھر لے چل تا کہ میں اپنے بال بچوں اور خاندان والوں کو خدا حافظ کہہ لوں اور اپنے رشتہ داروں کو وصیت کر دوں۔

صالح کا بیان ہے کہ میں اس کے ساتھ اس کے گھر گیا اور اس نے اپنے خاندان والوں کو خدا حافظ کہنا شروع کیا اور گھر میں رونا پیٹنا مچ گیا اور خدا کی دہائی دینے لگے۔ صالح نے اس سے کہا کہ میرا خیال ہے کہ بر مکیوں کے ہاتھ سے خدا تجھے خوشی دے سکتا ہے تو میرے ساتھ یحییٰ بن خالد کے گھر چل چنانچہ وہ یحییٰ کے پاس گیا اور اپنی حالت سنائی۔

یچی بہت غمگین ہوا اور اس نے اپنا سر جھکا لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر اپنے خزانچی کو بلایا اور پوچھا کہ ہمارے خزانے میں کتنے درہم ہیں؟ اس نے کہا کہ تقریباً پانچ ہزار۔ یچی نے حکم دیا کہ انہیں لا۔ اس کے بعد اس نے اپنے بیٹے فضل کے پاس ایک قاصد کو یہ خط دے کر بھیجا کہ ایک ایسی عالی شان جاگیر بننے کو میرے پاس آئی ہے جو کبھی بنجر نہ ہو گی کچھ درہم میرے پاس بھیج دے۔ اس نے دس لاکھ درہم بھیج دیئے۔ پھر اس نے اپنے دوسرے بیٹے جعفر کے پاس ایک اور شخص کو خط دے بھیجا جس کا مضمون یہ تھا کہ مجھے ایک ضروری کام پیش آ گیا ہے اور مجھے کچھ درہموں کی ضرورت ہے۔ جعفر نے بھی فوراً دس لاکھ درہم اس کے پاس بھیج دیئے۔

اسی طرح یچی برمکیوں کے پاس مختلف لوگوں کو بھیجتا رہا یہاں تک کہ اس نے منصور کے لئے بہت دولت جمع کر لی۔ صالح اور منصور کو اس کی بالکل خبر نہ تھی۔ منصور نے یچی سے کہا کہ اے میرے مولیٰ میں نے تیرا دامن پکڑا ہے اور میرے خیال میں تیرے سوا اور کسی سے اتنی رقم نہیں مل سکتی کیونکہ تو سخاوت کا عادی ہے لہذا میرا باقی قرضہ اتار دے اور مجھے اپنا زر خرید بندہ بنا لے۔ یچی سر نیچا کر کے رونے لگا اور اپنے غلام سے بولا کہ امیر المومنین نے ہماری کنیز دنانیر کو ایک بار ایک بیش بہا ہیرا دیا تھا۔ اس کے پاس جا کر کہہ کہ وہ اس ہیرے کو میرے پاس بھیج دے۔ غلام جا کر اس ہیرے کو لے آیا۔ یچی نے کہا کہ اے صالح میں نے یہ ہیرا امیر المومنین کے لئے تاجروں سے دو لاکھ دینار میں خریدا تھا۔ اس نے میری کنیز دنانیر کو بخش دیا جو عود بجانے والی ہے۔ اگر وہ اس ہیرے کو تیرے پاس دیکھے گا اور اسے پہچان لے گا تو ہماری خاطر تیری جان بخشی کر دے گا کیونکہ ہمارے ساتھ وہ احسان کرتا ہے اور اے منصور تیرے قرضے کے دام پورے ہو گئے ہیں۔

صالح کا بیان ہے کہ میں نقدی اور اس ہیرے کو لے کر منصور کے ساتھ رشید کے پاس روانہ ہو گیا۔ ابھی ہم راہ ہی میں تھے کہ میں نے اسے یہ شعر پڑھتے سنا۔ ”میں

محبت کی وجہ سے ان کے پاس نہیں گیا بلکہ اس وجہ سے کہ مجھے ڈر تھا کہ کہیں مجھ پر تیر نہ پڑیں۔" مجھے اس کی بد طینتی، رذالت، شرارت اور خباثت پر تعجب ہوا اور میں نے پھر کر اس سے کہا کہ دنیا میں ہر مکملوں سے زیادہ شریف اور تجھ سے زیادہ رذیل موجود نہیں۔ انہوں نے تجھے موت سے چھڑایا، ہلاکت سے بچایا اور تجھے نجات دے کر تجھ پر احسان کیا۔ اس کے بدلے تو نے نہ ان کا شکریہ ادا کیا نہ ان کی تعریف کی اور نہ کوئی شریفانہ برتاؤ کیا بلکہ اس کے احسان کے بدلے یہ شعر پڑھا۔ رشید کے پاس پہنچ کر میں نے اس سے یہ قصہ بیان کیا اور ساری سرگزشت سنائی۔ اور شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• تین سو چھٹی رات

جب تین سو چھٹی رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- صالح بیان کا ہے کہ میں نے یہ قصہ رشید سے بیان کیا اور اسے ساری سرگزشت سنائی۔ رشید کو یحییٰ کی سخاوت اور منصور کی رذالت اور یحییٰ نے پن پر سخت تعجب ہوا۔ اس نے حکم دیا کہ ہیرا یحییٰ بن خالد کو واپس کر دیا جائے اور کہا کہ جو چیزیں ہم نے اسے عطا کی ہیں، ان کا واپس ہلینا ہمارے لئے جائز نہیں۔ صالح نے یحییٰ بن خالد کے پاس جا کر منصور کا قصہ اور اس کی رذالت بیان کی۔ یحییٰ نے کہا اے صالح جب انسان نادار اور دل آزرہ اور متفکر ہو تو اگر اس سے کوئی حرکت سرزد ہو جائے تو اسے اس کی سزا نہیں دی جاسکتی کیونکہ وہ اس کے دل سے نہیں نکلتی اور وہ منصور کی طرف سے صالح سے معذرت کرنے لگا۔ صالح رو پڑا اور کہنے لگا کہ دنیا تیرا جیسا اور شخص پیدا نہ کرے گی۔ افسوس ہے کہ ایسا شخص جس کی سخاوت تیری سخاوت کی طرح ہو اور خلق تیرا سا، وہ ایک دن زمین کے اندر چھپ جائے گا۔

○ یحییٰ بن خالد اور جعلیٰ خط کی کہانی

بیان کیا جاتا ہے کہ یحییٰ بن خالد بن مالک خزاجی آپس میں پوشیدہ دشمنی رکھتے تھے مگر اسے ظاہر نہ ہونے دیتے تھے۔ دونوں میں دشمنی کی وجہ یہ تھی کہ امیر المومنین ہارون الرشید کو عبداللہ بن مالک سے بڑی محبت تھی حتیٰ کہ یحییٰ بن خالد اور اس کے بیٹے کہا کرتے تھے کہ عبداللہ نے امیر المومنین پر جادو کر دیا ہے۔ یہ دشمنی دونوں کے دلوں میں ایک زمانے تک رہی۔ اتفاق ایسا ہوتا ہے کہ رشید نے عبداللہ بن مالک کو

ارمینہ کا والی بنا کر وہاں روانہ کر دیا۔ جب اسے والی ہوئے ایک مدت گزر گئی تو اس کے پاس ایک عراقی گیا۔ وہ بڑا فاضل و ادیب، ذکی اور فہیم تھا لیکن غریب ہو چکا تھا۔ اس کی دولت ختم ہو چکی تھی اور اس کے حالات ابتر تھے۔ یحییٰ بن خالد کی طرف سے عبداللہ بن مالک کے نام ایک جعلی خط لکھ کر اس کے پاس ارمینہ بھیجا اور اس کے دروازے پر پہنچ کر وہ خط اس کے ایک حاجب کے حوالے کر دیا۔ حاجب نے خط لے کر عبداللہ بن مالک خزاعی کو دے دیا۔ اس نے خط کھول کر پڑھا غور کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ خط جعلی ہے۔

پھر اس شخص کو اندر بلوایا۔ جب وہ اس کے سامنے حاضر ہوا تو نے اسے دعا دی اور اس کے مجلس والوں کی تعریف کی۔ عبداللہ بن مالک نے کہا کہ تجھ پر ایسی کیا مصیبت پڑی جو تو اتنی مشقت اٹھا کر ایک جعلی خط لایا ہے؟ مگر اطمینان رکھ ہم تیری محبت کو رائیگاں نہ کریں گے۔ اس شخص نے کہا کہ خدا ہمارے والی کی عمر میں برکت دے! اگر میرا آنا تجھ پر گراں گزرا ہے تو اپنے انکار کے لئے کوئی سبب نہ ڈھونڈ کیونکہ خدا کی زمین بہت وسیع ہے اور رزق دینے والا زندہ ہے اور جو خط میں یحییٰ بن خالد کے پاس سے تیرے نام لایا ہوں اصلی ہے جعلی نہیں۔ عبداللہ نے کہا میں اپنے نمائندے کو جو بغداد میں ہے ایک خط لکھتا ہوں اور اسے حکم دیتا ہوں کہ جو خط تو لایا ہے اس کی تحقیق کرے اگر وہ خط اصلی ہے اور جعلی نہیں تو میں تجھے اپنے کسی صوبے کا حاکم بنا دوں گا یا اگر تیری مرضی ہو گی تو تجھے دو لاکھ درہم، گھوڑے اور اخیل اونٹ اور خلعت عطا کروں گا اور اگر خط جعلی نکلا تو حکم دوں گا تجھے دو سو ڈنڈے مارے جائیں اور تیری داڑھی مونڈ ڈالی جائے۔ اس کے بعد عبداللہ نے حکم دیا کہ جب تک اس بات کی تحقیق نہ ہو لے اسے ایک کمرے میں بند رکھا جائے اور اس کے لئے ضرورت کی چیزیں مہیا کی جائیں۔ اس کے بعد اس نے اپنے نمائندے کے نام بغداد اس مضمون کا خط لکھا کہ میرے پاس ایک شخص ایک خط لے کر آیا ہے اور کہتا

ہے کہ وہ یحییٰ بن خالد کی طرف سے ہے مگر مجھے اس میں شک ہے۔ تجھے چاہیے کہ فوراً خود جا کر اس خط کے بارے میں تحقیق کرا اور مجھے جلد جواب دے تا کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ وہ شخص سچا ہے یا جھوٹا۔ یہ خط بغداد میں نمائندے کے پاس پہنچا تو وہ سوار ہو کر گیا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو ساتویں رات

تین سو ساتویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب بغداد میں عبداللہ بن مالک خزاعی کے وکیل کو یہ خط ملا تو وہ فوراً سوار ہو کر یحییٰ بن خالد کے مکان پر پہنچا۔ دیکھا کہ وہ اپنے ندیموں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے سلام کر کے وہ خط اسے دے دیا۔ خط پڑھ کر یحییٰ بن خالد نے نمائندے سے کہا کہ کل آ کر مجھ سے جواب لے جائیو۔ جب نمائندہ چلا گیا تو یحییٰ نے اپنے ندیموں کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا کہ کیا سزا ہے اس شخص کی جو میری طرف سے ایک جعلی خط لے جا کر میرے دشمن کے ہاتھ میں دے۔ ہر ندیم اپنی اپنی ہانکنے اور طرح طرح کی سزا تجویز کرنے لگا۔ یحییٰ نے کہا تم سب غلطی پر ہو اور تمہاری تجویزیں کم ہمتی اور چھپھورے پن پر دلالت کرتی ہیں تمہیں معلوم ہے کہ عبداللہ کو امیر المومنین کا قرب حاصل ہے اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے ناراض اور آپس میں دشمن ہیں۔

اب خدا نے اس شخص کو میرے اور اس شخص کے درمیان صلح کا سبب بنایا ہے۔ اس کی اس بارے میں مدد کی ہے اور اسے اس بات پر مامور کیا ہے کہ وہ ہمارے دلوں سے نفرت کی آگ بجھا دے جو بیس سال سے شعلہ زن ہے اور اس کے ذریعے سے ہماری اصلاح کر دے۔ اس لئے میرا فرض ہے کہ اس شخص کے گمان کو یقین کے درجے تک پہنچا دوں اور اس کی حالت سدھارنے کی کوشش کروں اور عبداللہ بن مالک خزاعی کو ایک خط لکھوں جس کا مضمون یہ ہو کہ اس شخص کی اور زیادہ تعظیم اور تکریم کر اور اسے عزت و احترام سے رکھو۔ ندیموں نے یہ سنا تو وہ اس کے حق میں بھلائی کی دعا مانگنے لگے اور انہیں اس کی بلند حوصلگی اور بامروتی پر تعجب ہوا۔ اس کے بعد یحییٰ نے کانڈ اور دوات منگوا کر اپنے ہاتھ سے عبداللہ بن مالک کو یہ خط

لکھا بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ تیرا خط پہنچا۔ خدا تیری عمر میں برکت دے! میں نے اسے پڑھا تیری خیریت معلوم کر کے مجھے خوشی ہوئی اور تیرے استقلال اور سعادت مندی سے میں مسرور ہوا۔ تیرا خیال ہے کہ اس شریف آدمی نے میری طرف سے ایک جعلی خط لکھا ہے کہ وہ میری طرف سے اس پیغام کے لئے جانے کا مجاز نہ تھا۔ یہ درست نہیں۔ اس خط کو میں نے ہی لکھا ہے اور وہ جعلی نہیں ہے۔ مجھے تیرے اکرام و احسان اور خوش خلقی سے امید ہے کہ تو اس شریف اور بزرگ شخص کی امیدیں اور آرزوئیں پوری کر دے گا اور اس کا احترام کر کے اس کی مطلب برآری کرے گا اور اس کے ساتھ احسان و اکرام کر کے اسے اپنے خاص لوگوں میں شامل کرے گا۔ یہ تیری خوش سلوکی میرے ساتھ ہو گی اور میں اس کا شکر گزار ہوں گا۔“ اس کے بعد اس نے خط پر پتہ لکھا اور مہر لگا کر نمائندے کو دے دیا اور نمائندے نے اسے عبداللہ کے پاس بھیج دیا۔

جب عبداللہ نے یہ خط پڑھا تو اس کا مضمون دیکھ کر وہ خوش ہو گیا اور اس شخص کو بلا کر کہا کہ دونوں باتوں میں سے جو میں نے کہی تھی تجھے کون سی زیادہ پسند ہے تا کہ میں اس کو حاضر کروں؟ اس نے جواب دیا کہ اور چیزوں میں مقابلے میں مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ تو مجھے انعام دے۔ اس پر عبداللہ نے حکم دیا کہ اسے دو لاکھ درہم اور دس عربی گھوڑے جن میں سے پانچ پر ریشمی جھولیں ہوں اور پانچ کی زینیں جلوسانہ اور مرصع ہوں اور بیس صندوق کپڑوں کے اور دس اسپ سوار گورے اور غلام اور ان سب چیزوں کی رعایت سے قیمتی جواہرات دے دیئے جائیں۔ بعد ازاں اس نے اسے خلعت پہنایا اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا اور اسے بڑی شان و شوکت سے روانہ کر دیا۔ بغداد پہنچ کر قبل اس کے کہ وہ اپنے گھر جائے، پہلے یحییٰ بن خالد کے دروازے پر پہنچا اور اس سے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ حاجب نے اندر جا کر یحییٰ سے کہا کہ اے میرے مولیٰ دروازے پر ایک شخص ہے جو بڑی شان و شوکت سے آیا ہے خوبصورت ہے اور خوش حال معلوم ہوتا ہے اس کے ساتھ بہت سے غلام ہیں۔

وہ تجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ یحییٰ نے اسے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ جب وہ اندر آیا تو اس نے یحییٰ کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ اس نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ اے آقا میں ایک شخص ہوں جو زمانے کے ظلم سے مرچکا تھا لیکن تو نے مجھے مصیبتوں کی قبر سے نکال کر دوبارہ زندہ کر دیا اور مقاصد کی جنت میں پہنچا دیا۔ میں وہی ہوں شخص ہوں جو تیری طرف سے عبداللہ بن خزاعی کے نام جعلی خط لے گیا تھا۔ یحییٰ نے پوچھا کہ اس نے تیرے ساتھ کیا برتاؤ کیا اور تجھے کیا دیا؟ اس نے کہا کہ عبداللہ نے تیری بخشش اور خوش خلقی اور نعمتوں اور عام سخاوت اور بلند ہمتی اور وسیع مہربانی میں سے اتنا کچھ دیا کہ میں امیر ہو گیا۔ میں اس کی ساری بخششیں اور ہدیے لے کر آیا ہوں اور سب تیرے دروازے پر تیرے حکم کے منتظر ہیں۔

یحییٰ نے کہا جو نیکی تو نے میرے ساتھ کی ہے وہ اس سے بہتر ہے جو میں نے تیرے ساتھ کی۔ تیرا مجھ پر بڑا احسان اور کرم ہے تو نے اس دشمنی کو جو میرے اور اس بڑے شخص کے درمیان تھی دوستی اور محبت میں بدل دیا۔ جتنا مال عبداللہ بن مالک نے تجھے دیا ہے، اتنا میں بھی دوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے حکم دیا کہ میری طرف سے اتنا مال اور گھوڑے اور صندوق دیئے جائیں جتنے اسے عبداللہ سے ملے ہیں۔ الغرض ان دو سخی آدمیوں کی بدولت وہ پھر پہلے کی طرح خوش حال اور امیر ہو گیا۔

○ مامون اور پردیسی فقیہ کی کہانی

لوگ کہتے ہیں کہ عباسی خلفاء سے مامون کے برابر کوئی خلیفہ مختلف علوم میں دسترس نہ رکھتا تھا۔ اس نے ہفتے میں دو دن مقرر کئے تھے اور جب کہ وہ بیٹھ کر علماء سے مناظرہ کرتا۔ ان مجلسوں میں مناظرہ کرنے والے فقہاء اور متکلمین اس کے حضور میں درجہ بدرجہ بیٹھتے۔ ایک دن وہ ان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ مجلس میں ایک پردیسی پہنچا جس کے

کپڑے سفید مگر پھٹے پرانے تھے۔ وہ آ کر فقہا کی پشت پر تمام لوگوں کے پیچھے ایک پوشیدہ جگہ پر بیٹھ گیا۔ اب مشکل مسئلوں پر بحث مباحثہ شروع ہوا۔ ان کا دستور تھا کہ ہر مسئلے کو ایک ایک کے سامنے باری باری پیش کرتے اور جو کوئی اس میں زیادہ لطافت پیدا کرتا یا عجیب و غریب نکتہ نکالنا چاہتا، بیان کرتا۔ چنانچہ ایک مسئلہ چلتے چلتے اس پر ویسی کے پاس پہنچا اور اس نے اس کا جواب تمام فقہا سے بہتر دیا۔ خلفیہ کو اس کا جواب بہت پسند آیا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• تین سو آٹھویں رات

تین سو آٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- خلیفہ مامون الرشید کو اس کی گفتگو بہت پسند آئی اور حکم دیا کہ اسے اس جگہ سے اٹھا کر بلند تر جگہ پر بٹھایا جائے۔ جب اس شخص کے پاس دوسرا مسئلہ پہنچا تو اس کا جواب اس نے پہلے سے بھی اچھا دیا اور مامون کے حکم سے اسے زیادہ بلند رتبے پر بٹھایا گیا۔ پھر تیسرا مسئلہ اس تک پہنچا تو اس نے اس کا جواب پہلے دو جوابوں سے بھی بہتر دیا۔ مامون نے حکم دیا کہ اسے میرے قریب بٹھایا جائے۔

مناظرہ ختم ہوا تو پانی لایا گیا اور لوگوں نے ہاتھ دھوئے۔ کھانا آیا اور سب نے کھایا۔ اس کے بعد فقہا اٹھ کر چل دیئے مگر مامون نے اس شخص کو ان کے ساتھ جانے سے روک لیا۔ اسے اپنے قریب بٹھا کر بڑی مہربانی سے پیش آیا اور احسان و اکرام کا وعدہ کیا۔ اب شراب کی مجلس گرم ہوئی، حسین حسین ساقی حاضر ہوئے، دور چلنے لگا۔ جب دور اس شخص کے پاس پہنچا تو وہ بے ساختہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اگر امیر المومنین اجازت دے تو میں ایک بات کہوں۔ مامون بولا کہ جو کہنا چاہتا ہے کہہ۔ اس نے کہا کہ تیری بلند خیالی پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ (خدا اس کی بلندی قائم رکھے) کہ میں آج اس اعلیٰ مجلس میں سب سے زیادہ جاہل اور ذلیل ہو کر آیا تھا، امیر المومنین نے میری ذرا سی سمجھ اور عقل کی بنا پر مجھے اپنا قرب عطا کیا۔ بلند تر رتبہ دیا اور اس درجے پر پہنچا دیا جہاں میری ہمت کی بھی رسائی نہ ہو سکتی تھی۔ اب تو چاہتا ہے کہ مجھ میں اور اس کم مایہ عقل میں جس کی وجہ سے میری ذلت عزت سے بدل گئی ہے اور قلت کثرت سے پھر جدائی ہو جائے۔ خدا نہ کرے کہ امیر المومنین کو اس تھوڑی سی عقل اور قدر اور فضل پر حسد آئے کیونکہ جب یہ غلام شراب پئے گا تو

اس کی عقل جاتی رہے گی اور جہالت عود کر آئے گی۔ شعور و سلیقہ سلب ہو جائے گا اور میں اس حقیر درجے پر پہنچ جاؤں گا جس پر کہ پہلے تھا اور لوگوں کی نظروں سے گر جاؤں گا۔ مجھے تیری دانشمندی سے امید ہے کہ تو اپنے فضل و کرم اور بزرگی اور خوش اخلاقی کی بنا پر مجھ سے یہ جو ہر زائل نہ کرے گا۔ اس کی یہ باتیں سن کر خلیفہ مامون نے اس کی تعریف کی اور شکریہ ادا کیا اور اس کے مرتبے پر برقرار رکھا بلکہ اور زیادہ احترام کیا اور اسے ایک لاکھ درہم، سواری کے لئے ایک عمدہ گھوڑا اور عمدہ لباس عطا کئے۔ ساری مجلسوں میں وہ اس کی بڑائی بیان کرتا اور فقیہوں سے بڑھ کر اسے اپنا قرب عطا کرتا یہاں تک کہ اس کا مرتبہ ان سب سے بلند اور اونچا ہو گیا اور خدا بہتر جاننے والا ہے۔

○ علی شہار اور زمرد کی کہانی

سنئے ہیں کہ پرانے زمانے میں خراسان میں ایک تاجر تھا جس کا نام مجد الدین تھا۔ اس کے پاس بہت مال و دولت، حبشی اور گورے غلام اور نوکر چاکر تھے مگر ساٹھ برس کی عمر تک اس کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ جب اس کی امیدیں منقطع ہونے لگیں تو خدا نے اپنی رحمت کی۔ ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اس نے علی رکھا۔ بڑا ہو کر یہ لڑکا چودھویں رات کے چاند جیسا خوبصورت نکلا لیکن ادھر تو بیٹا جوان ہوا اور کمال کے درجے تک پہنچا۔ ادھر باپ موت کے مرض میں گرفتار ہو گیا اور اس نے بیٹے کو بلا کر کہا کہ بیٹا اب میرے مرنے کا وقت آ گیا ہے میں چاہتا ہوں کہ تجھے ایک وصیت کروں۔ اس نے پوچھا، ابا جان وہ کیا وصیت ہے؟ باپ نے جواب دیا کہ میں تجھے یہ وصیت کرتا ہوں کہ کسی شخص سے زیادہ خلط ملط نہ رکھیو۔ جس چیز سے نقصان اور ضرر پہنچتا ہو اس سے بچ کر رہو اور برے دوست سے پرہیز کیجیو۔ اس کی مثال لوہار کی سی ہے کہ اگر اس کی آگ تجھے نہ بھی جلائے تو اس کا دھواں کم از کم

ضرور نقصان پہنچائے گا۔

بیٹے نے کہا کہ ابا جان میں تیرے حکم کی اطاعت کروں گا۔ بتا اور کیا کروں؟ اس نے جواب دیا کہ جب تک تجھ سے ہو سکے بھلائی کیجیو اور لوگوں کے ساتھ ہمیشہ اچھا برتاؤ رکھیو، نیکی کرنے کے موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیجیو کیونکہ موقع ہمیشہ نہیں ملتا۔ اس نے کہا کہ میں یہ بھی منظور کرتا ہوں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو نویں رات

جب تین سو نویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- لڑکے نے اپنے باپ سے کہا کہ تیرا کہنا سر آنکھوں پر اور فرمائیے؟ اس نے کہا کہ بیٹا خدا کو یاد رکھو، وہ بھی تجھے یاد رکھے اور اپنے مال کی حفاظت کیجیو اور فضول خرچی سے بچو کیونکہ جو شخص فضول خرچی کرتا ہے وہ رذیل سے رذیل کا محتاج بنتا ہے۔ سن! آدمی کی عزت اس کے مال سے ہے۔ لڑکے نے کہا۔ اور؟ باپ نے کہا کہ اپنے سے بڑے آدمی کا مشورہ لیجیو، جس کام کا ارادہ ہو اس میں جلدی نہ کیجیو۔ اپنے سے چھوٹے پر رحم کھائیو تا کہ تجھ سے بڑا تجھ پر رحم کھائے۔ کسی پر ظلم مت کیجیو ورنہ خدا تیرے اوپر کوئی ظلم کرنے والا مسلط کر دے گا اور شراب پینے سے بچو وہ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ اس کے پینے سے عقل ضائع ہو جاتی ہے اور پینے والا حقیر ہو جاتا ہے۔ یہ ہے میری وصیت تیرے لئے۔ اس کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو۔ خدا میرے بعد تیرا نگہبان ہے۔ اتنا کہہ کر وہ بے ہوش ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد پھر ہوش میں آیا تو اس نے استفسار کی، تشدد کا کلمہ پڑھا اور دنیا کو چھوڑ دیا، خدا اس پر رحمت کرے! اس کا بیٹا گریہ و زاری کرنے اور آہیں بھرنے لگا۔ اس کے بعد اس نے دستور کے موافق تجہیز و تکفین کی اور سب چھوٹے بڑے اس کے جنازے کے ساتھ روانہ ہوئے۔ قاری تابوت کے ارد گرد قرآن پڑھنے لگے اور جو کچھ میت کے لئے ضروری تھا، سب کیا گیا۔ پھر جنازے کی نماز پڑھ کر اسے دفن کر دیا گیا۔ اس کا بیٹا علی شاربہ غمگین تھا۔ اس نے وہ سب تعزیت کی رسمیں ادا کیں جو بڑے لوگوں میں ہوتی ہیں اور اپنے باپ کے سوگ میں غم زدہ رہنے لگا۔ تھوڑے دنوں کے بعد اس کی ماں کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس نے ماں کی تجہیز و تکفین اور تعزیت بھی اسی طریقے سے کی جیسی کہ باپ کی تھی۔

ماں باپ کے سوگ سے فرصت پا کر اپنی دکان پر بیٹھ کر خرید و فروخت کرنے لگا اور اپنے باپ کی وصیت کے موافق وہ کسی خلط مطلق نہ کرتا۔ ایک سال تک اس کی یہ حالت رہی۔ اس کے بعد بد چلن عورتوں کے لڑکے فریب سے اس کے پاس پہنچے اور دوست بن گئے۔ یہاں تک کہ ان کے ساتھ اسے بھی بد چلنی کی طرف میلان ہو گیا۔ اس نے سیدھا راستہ چھوڑ دیا اور پیالے بھر بھر کر شراب پینے اور حسینوں کے پاس صبح شام جانے لگا۔ وہ اپنے دل میں کہتا کہ جو مال میرے باپ نے میرے لئے جمع کیا ہے اگر میں اسے خرچ نہ کروں گا تو کس کے لئے چھوڑوں گا۔ چنانچہ علی شار نے اب فضول خرچی اور عیاشی پر کمر باندھ لی۔ دن رات دولت پانی کی طرح بہاتا۔ آخر باپ کی ساری کمائی ختم ہو گئی۔ جب اس کی یہ نوبت پہنچی اور اس کا دل افلاس سے پریشان ہونے لگا تو اس نے دکان اور دوسری جائیداد وغیرہ بیچنی شروع کر دی۔ اس کے بعد اس نے اپنے بدن کے کپڑے تک بیچ ڈالے اور ایک لباس کے سوا اس کے پاس کچھ باقی نہ رہا۔ جب اس کا نشہ ہرن ہوا تو اسے ہوش آیا تو وہ پچھتانے لگا۔ ایک دن جب صبح سے عصر تک اس نے کچھ کھایا پیا نہ تھا، وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ آؤ ان لوگوں کے پاس چلیں جن پر میں اپنا مال صرف کرتا رہا ہوں، شاید ان میں سے کوئی مجھے آج کھانا کھلا دے۔ اس خیال میں ایک ایک کے پاس گیا لیکن جس کا دروانہ کھٹکھٹاتا وہ چھپ جاتا اور کہلوا دیتا کہ گھر میں نہیں ہے۔ یہاں تک کہ بھوک نے اسے بے تاب کر دیا۔ اب وہ سوداگروں کے بازار میں سے ہو کر گزرا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• تین سو دسویں رات

جب تین سو دسویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- بھوک کے مارے بے تاب ہو کر وہ سوداگروں کے بازار کی طرف گیا، دیکھا وہاں لوگ حلقہ باندھے کھڑے ہیں۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ نہ معلوم یہ لوگ کیوں جمع ہیں! ذرا دیکھنا تو چاہیے واللہ بغیر اس کی سیر دیکھے میں یہاں سے ہر گز نہ ٹلوں گا اور وہ حلقے کی طرف بڑھا۔ دیکھتا کیا ہے کہ ایک میانہ قد لڑکی کھڑی ہوئی ہے۔ قد و قامت موزوں، رخسار گلاب کے پھول اور سینہ ابھرا ہوا۔ حسن و جمال اور آب و تاب میں ساری دنیا سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ اس لڑکی کا نام زمرد تھا۔ علی شاکر کی نظر اس پر پڑی تو وہ اس کا حسن و جمال دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ جب تک میں یہ نہ دیکھ لوں کہ اس کے کتنے دام لگتے ہیں اور اسے کون خریدتا ہے، آگے نہ بڑھوں گا چنانچہ وہ تاجروں کے برابر جا کھڑا ہوا۔ لوگ سمجھے کہ یہ بھی خریداروں میں سے ہے۔ وہ سب اسے جانتے تھے، انہیں معلوم تھا کہ وہ ماں اور باپ دونوں کا ترکہ پا کر امیر ہو گیا ہے۔ اب دلال نے کنیز کے پاس کھڑے ہو کر کہنا شروع کیا کہ اے تاجرو! اے مال دارو تم میں کون اس لڑکی پر پہلی بولی بولنا چاہتا ہے جو چاندوں کی چاند، بے بہا موتی اور پردہ بنانے والوں کی زمرد اور ڈھونڈنے والوں کا مقصد اور آرزو والوں کی مسرت ہے شروع کرو۔ شروع کرنے میں کوئی عیب نہیں اور نہ شروع کرنے والے پر کوئی برائی آسکتی ہے۔ ایک تاجر نے کہا کہ میں پانچ سو دینار لگاتا ہوں۔ دوسرا بولا پانچ سو دس۔ ایک بوڑھے نے جس کا نام رشید الدین تھا جس کی آنکھیں نجی تھیں اور جو بد صورت تھا چھ سو لگائے۔ دوسرے نے کہا اور دس۔ بوڑھا بولا پورے ایک ہزار دینار۔ یہ سن کر دوسرے تاجروں نے بولیاں بند کر دیں اور چپ ہو گئے اور دلال نے لڑکی کے مالک سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا کہ میں نے قسم کھائی ہوئی ہے کہ

میں اسے اس شخص کے ہاتھ بیچوں گا جسے وہ خود پسند کرے گی۔ اس کے بارے میں خود اس لڑکی سے پوچھ۔ دلال نے لڑکی کے پاس آ کر کہا اے چاندوں کی چاند یہ تاجر تجھے خریدنا چاہتا ہے۔ لڑکی نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا اور ویسا ہی پایا جیسا کہ اوپر آچکا ہے۔ دلال سے کہنے لگی کہ میں ایسے بوڑھے کے ہاتھ نہیں بکنا چاہتی جو بڑھاپے سے کھوسٹ ہو گیا ہو۔ دلال نے اس کی باتیں سن کر کہا کہ تو حق بجانب ہے اور تیری قیمت دس ہزار دینار سے کم نہیں۔ اب دلال نے اس کے مالک سے کہا کہ وہ اس بوڑھے کو منظور نہیں کرتی۔ مالک نے کہا کہ کسی دوسرے خریدار کے متعلق اس سے مشورہ کر۔ اب ایک اور شخص نے آگے بڑھ کر کہا میں بھی وہی دام لگاتا ہوں جو اس بوڑھے نے لگائے تھے۔ اس پر وہ راضی نہیں ہوئی۔ کنیز نے دیکھا کہ اس کی داڑھی میں خضاب لگا ہوا ہے۔ کہنے لگی کہ یہ بھی عجیب عیب اور برائی کی بات ہے کہ بڑھاپے کا منہ کالا کر دیا گیا ہے اور اسے اس پر اور بھی زیادہ تعجب ہوا۔ دلال نے یہ سن کر کہا کہ واللہ تو سچ کہتی ہے۔ تاجر نے دلال سے پوچھا، وہ کیا کہتی ہے؟ دلال نے لڑکی کی باتیں دہرا دیں۔ تاجر نے مان لیا کہ وہ اس کے متعلق سچ کہتی ہے اور اس کے خریدنے سے وہ دست کش ہو گیا۔ اب ایک اور تاجر نے آگے بڑھ کر دلال سے کہا کہ اسی قیمت پر جو میں نے سنی ہے اس سے میرے تعلق دریافت کر۔ دلال نے لڑکی سے پوچھا۔ لڑکی نے دیکھا کہ وہ کانا ہے۔ بولی یہ تو کانا ہے۔ دلال نے کہا کہ آیا تو اس سامنے والے تاجر کے ہاتھ بکنا چاہتی ہے۔ لڑکی نے دیکھا کہ وہ ٹھگنا ہے اور اس کی داڑھی ناف تک لٹکی ہوئی ہے۔ دلال نے کہا کہ اے میری آقا تو خود دیکھ کہ حاضرین میں سے تجھے کون پسند ہے اور مجھے بتاتا کہ میں تجھے اس کے ہاتھ بیچ ڈالوں۔ یہ سن کر لڑکی نے تاجروں کے حلقے پر نظر ڈالی اور ایک ایک کو جانچنے لگی یہاں تک کہ اس کی نظر علی شار پر پڑی۔

اور شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

• تین سو گیارہویں رات

تین سو گیارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب لڑکی کی نظر علی شار پر پڑی تو اسے دیکھتے ہی لڑکی کے دل میں ہزاروں آرزوئیں امنڈنے لگیں اور اس کا دل اس پر آگیا کیونکہ اس کا حسن نرالا تھا۔ وہ نسیم سے زیادہ لطف اور نازک تھا وہ کہنے لگی کہ اے دلال میں اس نوجوان کے سوا کسی کے ہاتھ بکنا نہیں چاہتی۔ اس کا چہرہ خوبصورت اور قد دل کش ہے۔ بجز اس کے میرا مالک اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس کے رخسار چکنے چکنے اور لعاب کوثر کا پانی ہے، اس کے تھوک سے بیمار شفا پاتے ہیں۔ اس کی خوب روئی کے آگے شاعر اور نثر دونوں حیران ہیں، اس کے بال گھونگر والے، گال گلاب کی مانند اور نظر جادوگر ہے۔ دلال نے لڑکی کو علی شار کی تعریف کرتے سنا تو وہ اس کی فصاحت پر حیران ہو گیا۔ لڑکی کے مالک نے کہا کہ تو نے محض اس کا ظاہری حسن دیکھا ہے جس کے آگے سورج شرماتا ہے اور اس کی صرف دوچار باتیں سنی ہیں۔ اس پر تجھے اتنا اچنبھا ہے تجھے معلوم نہیں کہ اسے قرآن کی ساتوں قراتیں آتی ہیں اور حدیثوں کے صحیح روایات سے بیان کر سکتی ہے، ہفت قلم ہے۔ بڑے بڑے عالموں سے اس نے علوم حاصل کئے ہیں اور اس کے ہاتھ سونے چاندی سے زیادہ قیمتی ہیں، وہ ریشمی پردے بنا کر بیچتی ہے۔ اس کا بنایا ہوا ایک ایک پردہ پچاس پچاس دینار کو بکتا ہے اور آٹھ دن میں ایک پردہ تیار ہو جاتا ہے۔ دلال نے کہا کہ کیا خوش اقبال ہو گا وہ شخص جس کے گھر میں یہ ہو گی اور جس کے بھیدوں کا ذخیرہ بن کر وہ رہے گی!

اس کے بعد لڑکی کے مالک نے کہا اے دلال وہ جس کے ہاتھ بکنا چاہے بیچ ڈال۔ دلال اجازت پا کر علی شار کے پاس گیا اور اس کے ہاتھ چوم کر کہنے لگا کہ اے میرے آقا اس لڑکی کو خرید لے کیونکہ اس نے تجھ ہی کو پسند کیا ہے۔ دلال نے لڑکی کی

تعریفیں بیان کیں اور بتایا کہ اسے کیا کیا فن آتے ہیں اور کہنے لگا کہ اگر تو اسے خرید لے تو یہ تیری بڑی خوش قسمتی ہے۔ یہ اس ذات کا عطیہ ہے جو دینے میں کنجوسی نہیں کرتی۔ یہ سن کر علی شار نے تھوڑی دیر کے لئے اپنا سر جھکا لیا اور اپنے اوپر دل ہی دل میں ہنسنے اور کہنے لگا کہ اس وقت تو میرے پاس کھانے تک کے دام نہیں ہیں لیکن تاجروں کے سامنے اپنی ناداری کا اظہار بھی مناسب نہیں۔ لڑکی نے اسے سر جھکاتے دیکھا تو دلال سے بولی میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اس کے پاس لے چل تا کہ میں اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کروں اور اسے اس بات پر راضی کروں کہ وہ مجھے لے لے۔ اس لئے کہ میں اس کے سوا اور کسی کے ہاتھ بکنا نہیں چاہتی۔

دلال نے اسے لے جا کر علی شار کے آگے کر دیا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا تیری کیا رائے ہے؟ لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ لڑکی نے کہا کہ اے میرے آقا اور دلی محبوب، تو مجھے کیوں نہیں خریدتا؟ تو جتنے میں چاہے مجھے خرید لے۔ میری وجہ سے تیری بہتری ہو گی۔ علی نے اپنا سر اٹھایا اور کہنے لگا کہ کہیں خریداری زبردستی ہو سکتی ہے! ایک ہزار دینار میں تو مہنگی ہے وہ کہنے لگی اے میرے آقا اچھا تو مجھے نو سو میں خرید لے۔ اس نے کہا نہیں۔ لڑکی نے کہا، آٹھ سو میں۔ وہ انکار کرتا جاتا اور لڑکی برابر دام کم کرتی چلی جاتی۔ یہاں تک کہ اس نے کہا کہ سو دینار میں تو خریدے گا۔

اس نے جواب دیا کہ میرے پاس سو دینار بھی پورے نہیں۔ اس پر وہ ہنس پڑی اور کہنے لگی کہ تیرے پاس سو سے کتنے کم ہیں؟ اس نے کہا کہ میرے پاس کم زیادہ کا کوئی سوال ہی نہیں۔ واللہ میرے پاس ایک درہم ہے نہ ایک دینار۔ بہتر ہے کہ تو کسی اور گاہک کو تلاش کر۔ جب لڑکی کو معلوم ہوا کہ اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے تو اس نے کہا کہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک کونے میں لے چل۔ اس نے اس کی تعمیل کی اور لڑکی نے اپنی جیب سے ایک تھیلی نکالی جس میں ایک ہزار دینار تھے اور کہنے لگی کہ اس میں سے نو سو تول کر میری قیمت دے۔ باقی سو دینار اپنے پاس

رہنے دے تا کہ وہ تیرے کام آئیں۔ علی نے اس کے کہنے پر عمل کیا اور اسے نو سو دینار میں خرید کر اس کی قیمت دے دی اور لڑکی کو لے کر گھر چل دیا۔ لڑکی اس کے گھر پہنچی تو دیکھا کہ گھر بالکل صفا چٹ ہے۔ نہ اس میں فرش ہے نہ برتن۔ لڑکی نے اسے اور ایک ہزار دینار دے کر کہا ہمارے لئے کھانے پینے کی چیزیں مہیا کر۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• تین سو بارہویں رات

تین سو بارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- لڑکی نے کہا کہ ہمارے لئے تین دینار کی کھانے پینے کی چیزیں لا۔ وہ لے آیا تو پھر اس نے کہا ایک پردے کا ریشمی کپڑا مجھے لا دے اور سنہری رپہلی کلابتوں اور سات رنگ کا ریشم۔ یہ چیزیں آگئیں تو لڑکی نے گھر میں فرش بچھایا۔ شمع جلائی اور دونوں بیٹھ کر کھانے پینے لگے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی آرزو پوری کی، پردے کے پیچھے ایک دوسرے سے لپٹ کر سو گئے۔ صبح تک لپٹے پڑے رہے۔ دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت بیٹھ گئی۔ اب لڑکی نے اپنا کام شروع کیا۔ پردہ لیا اور رنگ برنگ کے ریشمی دھاگوں سے اسے کاڑھا، کلابتوں سے زردوزی کا کام کیا اور اس کے کناروں پر پرندوں کی شکلیں کاڑھیں اور اس کے ارد گرد چرندوں اور درندوں کی۔ کوئی ایسا جانور نہ ہو گا جس کی شکل اس نے نہ بنائی۔ آٹھ دن بعد اس نے فارغ ہو کر اسے کاٹا چھانٹا، اس پر استری کی اور اپنے آقا کو دے کر کہا کہ اسے بازار جا کر کسی تاجر کے ہاتھ پچاس دینار میں بیچ ڈال۔ مگر خبر دار کسی چلتے پھرتے کے ہاتھ نہ دیجیو ورنہ اس کی وجہ سے مجھ میں اور تجھ میں جدائی ہو جائے گی کیونکہ ہمارے بہت سے دشمن ہیں جو ہماری تاک میں لگے ہوئے ہیں۔ اس نے پردے کو بازار لے جا کر جیسا کہ لڑکی نے کہا تھا ایک تاجر کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ دام کھرے کر کے علی پہلے کی طرح پھر کپڑا، ریشم، کلابتوں اور کھانے پینے کی ضروری چیزیں خرید کر لڑکی کے پاس گیا اور باقی دام بھی اس کے حوالے کئے۔

اسی طرح ہر آٹھویں دن اپنے شوہر کو ایک پردہ دیتی اور وہ اسے پچاس دینار میں بیچ آتا۔ پورے ایک سال تک ان کا یہی دستور رہا۔ اب ایک روز وہ پردہ لے کر بازار گیا اور اسے دلال کے سپرد کیا تو ایک عیسائی نے آگے بڑھ کر اسے ساٹھ دینار میں خریدنا چاہا

لیکن علی نے انکار کر دیا۔ عیسائی نے اس کی قیمت بڑھاتے بڑھاتے سو دینار تک پہنچا دی اور دلال کو بھی دس دینار رشوت میں دینے کئے۔ دلال علی شار کے پاس آ کر اسے پھسلانے لگا کہ وہ ان داموں پر عیسائی کے ہاتھ بیچ ڈالے اور کہا کہ اے میرے آقا اس عیسائی سے ڈر نہیں۔ اس سے تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ دوسرے تاجر بھی دلال کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔ آخر اس نے ڈرتے ڈرتے پردہ عیسائی کے ہاتھ بیچ دیا اور دام لے کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا مگر اس نے دیکھا کہ عیسائی پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہے۔ علی نے اس سے پوچھا کہ اے عیسائی، تو میرے پیچھے کیوں لگا ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا اے میرے آقا گلی کے اس سرے پر مجھے ایک ضرورت ہے خدا تجھے کسی ضرورت میں مبتلا نہ کرے۔ جب علی شار اپنے گھر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ عیسائی بھی اس کے ساتھ ہے اور اس سے کہنے لگا اے ملعون جہاں کہیں میں جاتا ہوں تجھے کیوں اپنے ساتھ پاتا ہوں؟ اس نے کہا اے میرے آقا میں پیاسا ہوں، ایک چلو پانی مجھے پلا دے۔ خدا تجھے اس کا اجر دے گا۔ علی شار نے کہا کہ یہ شخص ذمی ہے اور ایک چلو پانی کے لئے میرے یہاں آیا ہے۔ خدا کی قسم میں اسے ناامید نہیں کر سکتا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• تین سو تیرہویں رات

جب تین سو تیرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- علی شار نے اپنے دل میں کہا کہ یہ شخص ذی ہے اور میرے پاس آ کر ایک گھونٹ پانی کی غرض سے آیا ہے، خدا کی قسم میں اسے نامراد نہیں لوٹا سکتا۔ وہ گھر کے اندر گیا اور پانی کا کونہ اٹھایا ہی تھا کہ اس کی کنیز زمر نے دیکھ لیا اور کہنے لگی اے میرے پیارے کیا تو پرہنج آیا؟ اس نے کہا ہاں۔ لڑکی نے پوچھا کسی تاجر یا کسی چلتے پھرتے کے ہاتھ۔ کیونکہ میرا دل کہہ رہا ہے کہ ہم جدا ہونے والے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے تاجر ہی کے ہاتھ بیچا ہے۔ لڑکی بولی کہ مجھ سے سارا واقعہ بیان کر تا کہ میں اس کا تذراک کر سکوں اور یہ پانی کا کونہ تو کیوں لے جا رہا ہے؟ اس نے کہا کہ دلال کو پانی پلانے۔ لڑکی نے کہا لا حول ولا قوہ الا باللہ العلیٰ العظیم... جب وہ کونہ لے کر باہر آیا تو دیکھا کہ عیسائی دہلیز کے اندر آچکا ہے۔ اس سے کہنے لگا کہ اے کتے تیری یہ جرات؟ کہ تو کس طرح بغیر میری اجازت کے میرے گھر کے اندر آیا؟ اس نے کہا کہ اے میرے آقا یہاں سے نکلنے تک میں ایک قدم آگے نہ بڑھوں گا اور تیرے فضل و احسان، کرم اور خوش سلوکی کا شکر گزار رہوں گا۔ اس کے بعد وہ پانی کا کونہ لے کر انتظار کرنے لگا عیسائی اٹھے۔ لیکن وہ نہ اٹھا۔ علی شار نے کہا کہ اب تو اٹھ کر کیوں چلتا نہیں بنتا؟ اس نے جواب دیا کہ اے میرے مولیٰ ان لوگوں کی طرح نہ طن جو نیکی کر کے احسان جتاتے ہیں۔ اے میرے مولیٰ، پانی تو میں پی چکا ہوں۔ اب تو مجھے کھانا بھی کھلا دے خواہ تیرے گھر میں روٹی کا ٹکڑا ہو یا بسکٹ اور پیاز ہی کیوں نہ ہو۔ علی شار نے کہا کہ اب زیادہ بک بک نہ کر، اپنا رستہ لے۔ میرے ہاں اس وقت کچھ نہیں ہے۔ عیسائی نے کہ اگر گھر میں کچھ نہیں ہے تو یہ لے سو دینار اور بازار سے کوئی چیز خرید کر لا خواہ ایک روٹی کیوں

نہ ہوتا کہ میرے تیرے درمیان روٹی اور نمک کا واسطہ ہو جائے۔ علی شار نے اپنے دل میں کہا کہ یہ عیسائی بھی عجیب پاگل معلوم ہوتا ہے۔ سو دینار دے کر چاہتا ہے کہ دو درہم کی میں کوئی چیز لے آؤں اور عیسائی پر ہنسنے لگا۔ عیسائی بولا۔ اے میرے آقا محض کوئی ایسی چیز چاہتا ہوں جس سے بھوک جاتی رہے۔ خواہ سوکھی روٹی اور اک پیاز ہی مل جائے کیونکہ بہترین کھانا وہ ہے جو بھوک کے وقت کام دے نہ کہ امیرانہ خوراک۔ علی شار نے کہا کہ بیٹھا رہ اور انتظار کر میں کمرے میں قفل لگا کر بازار سے تیرے لئے کوئی چیز لے آؤں۔ علی نے کمرہ بند کیا اس میں قفل ڈالا اور بازار جا کر تلا ہوا پنیر، سفید شہد کیلے اور روٹی خرید کر اس کے پاس آیا۔ عیسائی نے یہ چیزیں دیکھیں تو کہنے لگا اے میرے مولیٰ یہ چیزیں بہت زیادہ ہیں۔ دس آدمیوں کے لئے کافی ہوں گی اور میں اکیلا ہوں تو بھی میرے ساتھ کھا۔ اس نے جواب دیا کہ تو اکیلا ہی کھا، میرا پیٹ بھرا ہوا ہے۔ عیسائی نے کہا کہ اے میرے مولیٰ حکما کا قول ہے کہ اگر میزبان اپنے مہمان کے ساتھ نہ کھائے تو وہ حرام کی اولاد ہے۔ یہ سن کر علی شار بیٹھ گیا اور تھوڑا سا کھایا پھر چاہتا ہی تھا کہ ہاتھ اٹھا لے۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• تین سو چودھویں رات

جب تین سو چودھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- علی شار نے بیٹھ کر اس کے ساتھ تھوڑا سا کھایا اور ہاتھ کھینچنے والا ہی تھا کہ عیسائی نے ایک کیلا چھیل کر اس کے دو ٹکڑے کیے اور اس میں ایسا بھنگ کا ست اور ایون کا کا جوہر ملایا کہ اگر اس کا ایک درہم بھر ہاتھی کو دے دیا جائے تو وہ بھی گر پڑے۔ بعد ازاں اس نے ایک کیلے کے ٹکڑے کو شد میں ڈبو کر کہا کہ اے میرے مولیٰ تجھے اپنے دین کی قسم اسے کھالے۔ علی شار کو اس بات سے شرم آئی کہ کہیں اس کی قسم نہ ٹوٹ جائے اور اس کیلے کے ٹکڑے کو لے کر نکل گیا۔ جونہی وہ اس کے پیٹ میں پہنچا اس کا سر گھومنے لگا اور ایسا آنکھیں بند کر کے پڑا گویا ایک سال سے برابر سو رہا ہے۔ جب عیسائی نے دیکھا تو وہ تیزی سے اٹھا جیسے گنجا ریچھ یا مسلط موت۔ اور علی شار کو اسی حالت میں چھوڑ کنجی لے کر دوڑتا ہوا اپنے بھائی کے پاس پہنچا اور اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ اس عیسائی کا بھائی وہی بوڑھا تھا جس نے اس کینر کے ایک ہزار دینار لگائے تھے۔ اور لڑکی نے دھتکار بتا دی تھی۔ وہ ظاہراً مسلمان اور دل میں عیسائی تھا اس نے دکھانے کے لئے اپنا نام رشید الدین رکھ چھوڑا تھا۔ جب کینر نے اس میں عیب نکالے اور اسے منظور نہ کیا تو وہ جل گیا۔ اپنے بھائی سے شکایت کی اور اس نے وعدہ کیا کہ میں کسی حیلے سے اس لڑکی کو علی شار کے پاس سے اڑا لاؤں گا۔ اس کا نام برسوم تھا۔ بڑا چالاک، مکار، دھوکے باز اور چلتا پر نہ۔ اس روز سے برابر اس فکر میں لگا رہا کہ کسی نہ کسی مکر سے لڑکی کو اڑا لائے چنانچہ آج اس کا داؤ چل گیا۔ علی شار کو بے ہوش کر کے سیدھا اپنے بھائی کے پاس پہنچا اور اس سے سارا قصہ بیان کیا۔ بھائی خچر پر سوار ہو کر اپنے غلاموں کو ساتھ لے کر علی شار کے گھر روانہ ہو گیا اور اپنے ساتھ ہزار دینار کی تھیلی لے لی تا کہ اگر والی سے مڈبھیڑ ہو جائے

تو اس کی مٹھی گرم کر سکے۔

علی شار کے مکان پر پہنچ کر اس نے کمرہ کھولا اور عیسائی بھائیوں کے ساتھ زمرہ کی طرف دوڑے اسے زبردستی پکڑ لیا اور کہا کہ اگر تو نے آواز نکالی تو ہم تجھے قتل کر دیں گے۔ گھر کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا۔ علی شار کو دہلیز میں سوتا چھوڑا اور کنجی کو اس کے پاس رکھ کر دروازہ بند کر دیا۔ لڑکی کو لیکر جب وہ عیسائی اپنے محل میں پہنچا تو اسے اپنی کینروں کے حوالے کر کے اس سے کہا کہ اے رنڈی! میں وہی بوڑھا ہوں جس کو تو نے قبول نہیں کیا تھا بلکہ میری مذمت کی تھی۔ اب میں نے تجھ کو بے درہم و دینار کے لے لیا ہے۔ لڑکی کی آنکھوں سے آنسو بننے لگے۔ اس نے کہا کہ اے بد ذات بڑھے خدا تجھ سے سمجھے تو نے مجھ میں اور میرے آقا میں جدائی ڈالی۔ وہ بولا اے رنڈی! اے چھوکری دیکھ کہ میں اب تجھے کیا سزا دیتا ہوں۔ حضرت مسیح اور مریم کی قسم! اگر تو نے میرا کہنا نہ مانا اور ہمارے دین میں داخل نہ ہوئی تو میں تجھے طرح طرح کی تکلیفیں دوں گا۔ لڑکی نے کہا کہ واللہ اگر تو میرے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر ڈالے گا پھر بھی مذہب اسلام کو نہیں چھوڑ سکتی۔ خدا نے چاہا تو عنقریب خوشی حاصل ہو گی وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ دانش مندوں کا قول ہے کہ جسمانی تکلیف برداشت کرنا دین چھوڑنے سے بہتر ہے۔ بوڑھے عیسائی نے نوکروں اور لونڈیوں کو بلا کر کہا کہ اسے لٹاؤ۔ انہوں نے اسے لٹایا اور بوڑھا اسے بڑی بے رحمی سے مارتا رہا۔ لڑکی دہائیاں دیتی مگر کوئی اس کی مدد کو نہ آتا۔ آخر اس نے فریاد کرنی دہائی مانگنی بند کر دی اور کہنے لگی کہ اللہ میرے لئے کافی ہے۔ مجھے کسی اور کی حاجت نہیں۔ یہاں تک کہ اس کا سانس بند ہو گیا اور آواز رک گئی۔ جب بوڑھا اپنے دل کی بھڑاس نکال چکا تو اس نے نوکروں سے کہا کہ اس کی ٹانگیں پکڑ کر کھینچو اور باورچی خانے میں پھینک آؤ۔ کھانے کے لئے کچھ نہ دو۔ یہ حکم دے کر وہ ملعون سو گیا اور رات بھر سوتا رہا۔ صبح ہوئی تو ظالم نے لڑکی کو دوبارہ مارا اور پھر نوکروں کو حکم دیا کہ اسے

اپنی جگہ ڈال آئیں۔ انہوں نے اس کی تعمیل کی۔ لڑکی کو درد اور تکلیف سے ذرا آفاقہ
ہوا تو اس نے کہا کہ لا الہ الا محمد رسول اللہ..... اللہ میرے لئے کافی ہے اور وہی
بہترین سرپرست ہے۔ پھر وہ ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مدد مانگنے لگی۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

○○○

• تین سو پندرہویں رات

جب تین سو پندرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- زمرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگنے لگی۔ یہ تو اس کا ماجرا ہوا۔ اب علی شار کا قصہ سنئے وہ دوسرے دن تک پڑا سوتا رہا۔ اب اس کے بعد بھنگ کا اثر جاتا رہا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں اور زور سے آواز دی اے زمرہ! لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ وہ اٹھ کر کمرے میں گیا دیکھا کہ کمرہ خالی اور میدان صاف ہے۔ سمجھ گیا کہ یہ حرکت اس کے ساتھ اسی عیسائی نے کی ہے۔ آنسو بہانے اور منہ پیٹنے لگا۔ بہت پچھتایا کہ اس کا کہنا کیوں مانا لیکن اب پچھتانے سیے کیا ہوتا تھا! اپنی حماقت پر جھونجل آئی کپڑے پھاڑ ڈالے اور جو پتھر ہاتھ میں لے کر شہر میں چکر لگانے شروع کر دیئے۔ پتھر اپنے سینے میں مارتا اور چلاتا یا زمرہ! چھوٹے بڑے اس کے گرد جمع ہو جاتے اور مجنوں مجنوں کہہ کر اسے چھیڑتے۔ جو لوگ اسے پہچانتے تھے وہ اس پر افسوس کرتے اور کہتے کہ یہ تو فلاں شخص ہے، اسے کیا ہو گیا؟ دن بھر اس کی یہی حالت رہی جب رات ہوئی تو وہ گلی میں کہیں پڑ کر سو گیا۔ دوسرے دن پھر صبح سے شام تک پتھر لئے شہر میں پھرتا رہا۔ اندھیرا ہو گیا تو وہ اپنے گھر کی طرف چلا کہ وہاں جا کر سو جائے۔ اتنے میں اس کی ایک پڑوسن کی نظر اس پر پڑی۔ یہ ایک بڑھیا عورت تھی۔ بڑی نیک بخت۔ اس نے کہا کہ بیٹا خدا تجھے سلامت رکھے! تو کب سے مجنوں ہو گیا ہے؟ اس بڑھیا پڑوسن کو یقین تھا کہ وہ عاشق اور فراق میں مبتلا ہے۔ اس نے کہا لا حول ولا قوہ الا باللہ العلیٰ العظیم.... بیٹا میں چاہتی ہوں کہ تو اپنی مصیبت کی داستان مجھ کو سنا، ممکن ہے خدا اپنی مشیت سے مجھے اس قابل کر دے کہ میں تیری مدد کر سکوں۔ علی شار نے وہ ساری داستان کہہ سنائی جو برسوم عیسائی کے ہاتھوں اس پر گزری تھی۔ بڑھیا

نے سارا ماجرا سن کر کہا۔ بیٹا تو معذور ہے۔ اس کے بعد وہ رونے لگی اور بولی کہ بیٹا جا کر فوراً ایک پٹارا خرید لا جیسا بساطیوں کے پاس ہوتا ہے اور کنگن، انگوٹھیاں، بالیاں اور دوسری ایسی چیزیں اکٹھی کر جو عورتوں کے قابل ہوں، جن کے لئے دام خرچ کرنے میں وہ کنبجوسی نہ کریں۔

ان تمام چیزوں کو پٹارے میں رکھ کر میرے پاس لے آ۔ میں بساطن کا بھیس بدل کر اسے اپنے سر پر رکھوں گی، گھر گھر جا کر لڑکی کی تلاش کروں گی، اس کا پتا لگا کر رہوں گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ علی شار اس کی باتوں سے خوش ہو گیا، اس کے ہاتھ چومے اور فوراً جا کر وہ چیزیں لے آیا جو بڑھیا نے مانگی تھیں۔ جب بڑھیا کے پاس یہ تمام چیزیں آ گئیں تو اس نے اٹھ کر پھٹے پرانے کپڑے پہنے، شمد کے رنگ کی نقاب سر پر ڈالی۔ ایک جریب ہاتھ میں لی اور پٹارا اٹھا کر گلیوں گلیوں اور گھر گھر چکر لگانے لگی۔ وہ اسی طرح گھر گھر، محلے محلے اور گلی گلی پھر رہی تھی کہ خدا نے اسے معلون رشید الدین عیسائی کے گھر پہنچا دیا اور اس نے اندر سے کراہنے کی آواز سن کر دروازے پر دستک دی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• تین سو سولہویں رات

تین سو سولہویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب بڑھیا نے سنا کہ مکان کے اندر سے کراہنے کی آواز آ رہی ہے تو اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک کنیز نے آ کر کواڑ کھولے اور اسے سلام کیا۔ بڑھیا نے اس سے کہا کہ میرے پاس چھوٹی موٹی ضرورت کی چیزیں بکاؤ ہیں، تمہارے ہاں کوئی ہے۔ جو ان میں سے کچھ خریدے؟ کنیز نے کہا، ہاں اور اسے گھر کے اندر جا کر بیٹھایا۔ تمام کنیزیں اس کے پاس جمع ہو گئیں اور ہر ایک نے کچھ نہ کچھ خریدا۔ بڑھیا نے نرمی سے گفتگو کی اور دام بھی سستے بتائے۔ کنیزیں اس کی ان باتوں سے خوش ہوئیں۔ بڑھیا مکان میں ادھر ادھر دیکھتی رہی کہ کراہنے والی کہاں ہے کہ یکا یک اس کی نظر اس پر جا پڑی۔ اب بڑھیا کنیزوں کے ساتھ اور زیادہ نرمی اور خوش اخلاقی سے باتیں کرنے لگی۔ غور کرنے سے اسے معلوم ہوا کہ زمرہ بندھی پڑی ہے۔ اسے پہچان کر بڑھیا رونے لگی اور کنیزوں سے کہا، اے میری بیٹیو! یہ لڑکی کون ہے جو اس حالت میں پڑی ہوئی ہے؟ کنیزوں نے سارا قصہ بیان کیا اور کہنے لگیں کہ ہم نے اپنی مرضی سے ایسا نہیں کیا بلکہ یہ ہمارے مالک کا حکم ہے اور وہ آج کل سفر پر گیا ہوا ہے۔ بڑھیا نے کہا، اے میری بیٹیو! میں تم سے درخواست کرتی ہوں کہ اس بیچاری کے بندھن کھول دو جب تمہیں معلوم ہوا کہ تمہارا مالک آنے والا ہے تو اسے پھر پہلے کی طرح باندھ دینا۔ خدا تمہیں اس کا اجر دے گا۔ انہوں نے زمرہ کے مشکیں کھول دیں اور اسے کھانے پینے کو دیا۔ اس کے بعد بڑھیا نے کہا کہ کاش تمہارے گھر میں آنے سے پہلے میری ٹانگیں ٹوٹ گئی ہوتیں! یہ کہہ وہ زمرہ کے پاس گئی اور اس سے بولی، اے بیٹی خدا تجھے سلامت رکھے! عنقریب خدا تیری مصیبت دور کرے گا۔ پھر چپکے سے اس سے اس

نے کہا کہ میں تیرے آقا علی شار کے پاس سے آئی ہوں اور اس سے وعدہ لے لیا کہ کل رات جاگتی اور کان لگائے سنتی رہیو۔ تیرا آقا یہاں آ کر محل کی چوکی کے پاس سیٹی دے گا اسے سن کر تو بھی سیٹی دیجیو اور گھڑکی سے ایک رسی لٹکا کر اتر جائیو اور وہ تجھے لے جائے گا۔

لڑکی نے اس کا شکریہ ادا کیا اور بڑھیا وہاں سے روانہ ہو کر علی شار کے پاس گئی، اسے خبر کی اور اس سے کہا کہ کل آدھی رات کے وقت فلاں محلے میں جائیو وہاں اس ملعون کا گھر ہے اور یہ اس کی نشانی ہے۔ محل کے نیچے کھڑے ہو کر سیٹی بجائیو، وہ نیچے اتر آئے گی اور تو اسے لے کر جہاں چاہے چلا جائیو۔ علی شار نے اس پر بڑھیا کا بہت شکریہ ادا کیا اور رت کا انتظار کرنے لگا۔ مقررہ وقت آیا تو وہ محلے میں گیا جس کا ذکر بڑھیا نے کیا تھا۔ محل کو دیکھ کر وہ پہچان گیا اور اس کے نیچے چوکی پر بیٹھ گیا۔ چونکہ وہ نیند میں چور تھا، سو گیا۔ بڑی ذات وہ ہے جو کبھی نہیں سوتی۔ مارے عشق کے وہ ایک مدت سے نہ سویا تھا اور نیند سے متوالا ہو رہا تھا۔ وہ سو ہی رہا تھا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• تین سو سترہویں رات

تین سو سترہویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب کہ وہ سو رہا تھا ایک چور شہر میں چوری کرنے نکلا اور اتفاق سے اس عیسائی کے محل کے پاس پہنچ کر چاروں طرف گھوما مگر اس پر چڑھنے کا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ گھومتے گھومتے وہ اس چوکی کے پاس پہنچا اور علی شام کو سوتا ہوا پایا۔ اس کی پگڑی اٹھالی۔ ادھر ان واقعات سے بے خبر زمر چھت پر چڑھی اور چور کو اندھیرے میں کھڑا ہوا خیال کیا کہ اس کا آقا ہو گا۔ اس نے اوپر سے سیٹی دی اور چور نے نیچے سے۔ وہ رسی تھام کر اس کے پاس نیچے آئی اور اپنے ساتھ اشرفیوں سے بھری ہوئی ایک خرجی لیتی آئی۔ چور نے اپنے دل میں کہا کہ اس میں ضرور کوئی بھید ہے۔ اس نے خرجی کو ہاتھ میں لے لیا اور لڑکی کو اپنے کندھے پر بٹھا کر بجلی کی طرح غائب ہو گیا۔

زمر نے اس سے کہا کہ بڑھیا نے تو مجھ سے بیان کیا تھا کہ تو میری وجہ سے بیمار اور کمزور ہو گیا ہے لیکن میں دیکھتی ہوں کہ تو گھوڑے سے بھی زیادہ قوی ہے۔

چور نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ مگر جب لڑکی نے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو دیکھا کہ اس کی داڑھی حمام کی جھاڑو کی طرح ہے گویا سور نے پر نکل لیے ہیں اور ان کا کچھ حصہ منہ سے باہر نکلا ہوا ہے۔ وہ ڈر گئی اور کہنے لگی کہ تو کیا بلا ہے؟ چور نے کہا کہ اے لونڈیا میں احمد دنف کے گروہ کا شاطر کرد چور ہوں میرا نام جوان ہے۔ ہم کل چالیس شاطر چور ہیں اور سب آج عشا کے وقت سے صبح تک تجھ سے ہم بستر ہوں گے۔ یہ سن کر وہ رونے اور اپنا منہ پیٹنے لگی اور اسے یقین ہو گیا کہ

وہ تقدیر کی ماری ہوئی ہے۔ اب اس کے سوا اور کوئی چاہہ نہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دے۔ لہذا اس نے صبر سے کام لیا اور اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دیا اور کہنے لگی کہ لا الہ الا اللہ آسمان سے گرے، کھجور میں اٹکے۔

جوان کے یہاں آنے کی وجہ یہ تھی کہ اس نے احمد دنف سے کہا تھا کہ اے استاد میں اس شہر میں پہلے بھی آ چکا ہوں اور مجھے شہر کے باہر ایک غار معلوم ہے جس میں چالیس آدمی آ سکتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم سے پہلے وہاں پہنچ کر اپنی ماں کو اس میں بٹھا دوں اور پھر شہر میں لوٹ کر تمہاری قسمت کی چوری کروں اور تمہارے نام سے غار میں حفاظت سے رکھ آؤں اور جب تم آ جاؤ تو میں اپنی طرف سے تمہاری میز بانی کروں۔

احمد دنف نے جواب دیا کہ جو تیرا جی چاہے کر۔ اس لئے وہ ان سے پہلے روانہ ہو کر وہاں پہنچا اور اپنی ماں کو اس غار میں بٹھا دیا۔ جب وہ غار سے باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ ایک فوجی آدمی پڑا سو رہا ہے اور اس کے پاس ایک گھوڑا بندھا ہوا ہے جو ان چیزوں کو لے جا کر اپنی ماں کے پاس غار میں چھپا آیا۔ پھر گھوڑے کو وہاں باندھ کر شہر گیا اور چلتے چلتے اس عیسائی کے محل کے پاس پہنچا اور جو کچھ اس نے وہاں کیا، وہ بیان کیا جا چکا ہے۔ اس کے بعد علی شار کی پگڑی اور زمرد کو لے کر چل دیا اور اپنی ماں کے پاس پہنچ کر اسے اتار دیا اور ماں سے کہا کہ جب تک میں واپس نہ آؤں، اس لڑکی کی پہرے داری کیجیو۔ یہ کہہ کر وہ چل کھڑا ہوا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• تین سو اٹھارہویں رات

جب تین سو اٹھارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- جوان نامی کرد نے اپنی ماں سے کہا کہ جب تک میں تیرے پاس واپس نہ آ جاؤں، اس لڑکی کو اپنی حفاظت میں رکھو۔ وہ چل دیا۔ زمرد اپنے دل میں کہنے لگی کہ مجھے اپنی نجات میں غفلت نہ کرنا چاہیے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں یونہی ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھی رہوں اور وہ چالیس آدمی آ کر باری باری مجھ پر سوار ہوں اور مجھے اس کشتی کی طرح کر دیں جو سمندر میں ڈوبی ہوئی ہو! یہ کہہ کر وہ بڑھیا کی طرف مخاطب ہوئی جو کرد جوان کی ماں تھی اور اس سے کہنے لگی، خالہ جان تیرا جی چاہے تو غار کے باہر چل کہ میں چاندنی میں تیری جوئیں دیکھوں۔ بڑھیا نے کہا بیٹی واللہ یہ ٹھیک ہے، میں مدت سے حمام نہیں گئی ہوں، یہ سو مجھے جگہ جگہ لئے پھرتے ہیں۔ اور بڑھیا اس کے ساتھ باہر آئی اور وہ اس کی جوئیں دیکھنے اور انہیں اس کے سر سے نکال نکال کر مارنے لگی۔ بڑھیا کو نیند آنے لگی اور وہ سو گئی۔ اب زمرد نے اٹھ کر اس سپاہی کے کپڑے پہنے جسے کرد جوان نے قتل کیا تھا، اس کی تلوار کمر سے باندھی، اس کی پگڑی سر پر رکھی اور جب اس نے مرد کا بھیس بدلا لیا تو اشرفیوں کی خرجی لے کر گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ دعا کی اے بہترین پردہ پوش، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میری پردہ پوشی کیجیو اور اپنے دل میں یہ سوچ کر کہ اگر میں شہر کی طرف گئی تو ممکن ہے کہ سپاہی کے ساتھیوں میں سے مجھے کوئی دیکھ لے اور میری بری گت بنائے، اس نے شہر جانے کا قصد چھوڑ دیا اور بیابان جنگل کی طرف چل پڑی۔ دس دن تک خرجی اور گھوڑے کو لئے بناستی کھاتی، اور گھوڑے کو کھلاتی۔ دیا کا پانی پیتی، اور گھوڑے کو پلاتی، چلتی رہی۔ گیارہویں دن وہ ایک شہر کے پاس پہنچی جو نہایت عمدہ اور محفوظ اور

زرخیز تھا۔ سردیاں جا چکی تھیں اور بہار کے پھول کھل رہے تھے۔ کونپلیں پھوٹ رہی تھیں، نہریں بہہ رہی اور چڑیاں گا رہی تھیں۔

جب وہ شہر کے نزدیک پہنچی اور دروازہ قریب آیا تو اس نے دیکھا کہ لشکر اور امراء اور شہر کے بڑے بڑے لوگ وہاں کھڑے ہیں۔ انہیں اس حالت میں دیکھ کر اسے تعجب ہوا۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ شہر والے یہاں کیوں جمع ہیں۔ اس کا ضرور کوئی نہ کوئی سبب ہو گا۔ وہ ان کے پاس ہی تھی کہ سارے کا سارا لشکر اس کی طرف بڑھا اور سب نے گھوڑوں سے اتر کر اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور کہنے لگے کہ اے ہمارے مولیٰ سلطان، خدا تجھے کامیاب کرے! تمام منصب دار اس کے آگے صف باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ سپاہی، لوگوں کی روک تھام کرتے جاتے اور کہتے جاتے کہ جہاں پناہ اور زمانے کے اکلوتے، خدا تجھے قائم رکھے! زمر نے کہا کہ اے شہر والو کیا ماجرا ہے۔ حاجب نے کہا کہ خدا نے جو بخشش میں کنجوسی نہیں کرتا، تجھے یہ شہر عطا کیا ہے اور تجھے اس کا سلطان بنایا ہے اور ان کی گردنیں تیرے حکم کے ماتحت کی ہیں۔ سن، اس شہر کا یہ دستور ہے کہ جب کبھی ان کا بادشاہ فوت ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی بیٹا نہیں ہوتا تو لشکر شہر کے باہر نکلتا ہے اور تین دن ٹھہرتا ہے۔ جو شخص اس راستے سے آتا ہے، جس سے تو آیا ہے اسے اپنا بادشاہ بناتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ایک شخص بھیجا جو ترکوں کی اولاد میں سے ہے اور حسین ہے۔ اگر تجھ سے کم حیثیت کا بھی آیا ہوتا وہ بھی بادشاہ بن جاتا۔

زمر ہر بات میں دانش مند تھی۔ کہنے لگی کہ یہ نہ سمجھو کہ میں عام ترکوں کی اولاد سے ہوں بلکہ میں بڑے خاندان کا ترک ہوں، میں اپنے خاندان سے ناراض ہو کر چلا آیا ہوں اور ان سے کناہہ کشتی اختیار کی ہے۔ دیکھو یہ اشرفیوں کی تھیلی میرے پاس ہے جس میں سے میں نے راہ بھر غریبوں اور مسکینوں کو خیرات دی ہے۔ لوگوں نے اسے دعائیں دیں اور بہت خوش ہوئے۔ اسی طرح زمر بھی خوش تھی۔ اپنے دل میں

کہتی تھی کہ اس حالت کو پہنچنے کے بعد -----

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

URDU4U.COM

○ ○ ○

• تین سو انیسویں رات

جب تین سو انیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- زمر نے اپنے دل میں کہا کہ اس حالت کو پہنچنے کے بعد کیا عجیب ہے جو خدا مجھے میرے آقا سے یہیں ملا دے، وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ یہی سوچتی وہ چل کھڑی ہوئی۔ لشکر اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ شہر کے اندر پہنچ کر امراء، وزرا، سب پیدل چلنے لگے۔ محل میں پہنچ کر اسے ہاتھوں ہاتھ اتارا اور تخت پر بٹھایا اور سب نے اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ تخت پر بیٹھتے ہی اس نے حکم دے کر خزانے کھلوا دیئے اور تمام لشکر کو انعام دیا۔ انہوں نے دعا دی کہ تیری حکومت ہمیشہ قائم رہے! رعایا اور تمام ملک والے اس کی اطاعت کرنے لگے۔ اس طرح اس نے مدت تک حکومت کی اور حکم احکام جاری کرتی رہی۔ اس کی بخششوں اور پارسائی کی وجہ سے لوگوں کے دلوں پر بڑا اثر تھا۔ اس نے چنگی معاف کر دی۔ قیدیوں کو رہا کر دیا۔ ظلم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ رعایا اس کو بہت عزیز رکھتی تھی اور اسے سکھ ہی سکھ تھے۔ تاہم جب کبھی اسے اپنے شوہر کی یاد آ جاتی وہ روتی اور خدا سے دعا مانگتی کہ وہ ان دونوں کو ملا دے۔

ایک رات ایسا ہوا کہ اسے وہ پرانا زمانہ یاد آنے لگا جو اس نے اپنے شوہر کے ساتھ گزارا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ دل بے چین ہو گیا۔ صبح ہوئی تو اس نے حرم سرا میں کنیزوں، خواصوں کو علیحدہ علیحدہ کمرے دیئے اور ان کے روزینے اور مشاہرے مقرر کئے اور ان سے کہا میں تنہائی میں کچھ دن عبادت کرنا چاہتی ہوں۔ چنانچہ وہ دن کو رونہ رکھتی اور رات بھر نمازیں پڑھتی۔ امرا کو یقین آ گیا کہ ان کا بادشاہ بڑا دین دار ہے۔ وہ اپنے پاس غلام بچوں کے سوا کسی کو نہ آنے دیتی اور وہ بھی جب کہ ان سے کوئی کام پڑتا۔

تخت پر بیٹھے ایک سال ہو گیا اور شوہر کی اسے کوئی خبر نہ ملی۔ وہ بہت غم زدہ تھی۔

جب رنج و غم بڑھتا ہی چلا گیا تو اس نے وزیروں کو حاجبوں کو بلا کر کہا کہ معماروں اور تعمیر کے فن کے ماہروں کو بلواؤ کہ وہ محل کے پاس ایک میدان تیار کریں جس کی لمبائی اور چوڑائی ایک ایک فرسخ ہو۔ انہوں نے اس کے حکم کی فوراً تعمیل کی، میدان اس کی مرضی کے موافق تیار ہو گیا۔ میدان تیار ہو چکا تو ایک بارہ دری بنوائی گئی اور اس میں امراء کی کرسیاں ایک قطار میں بچھائی گئیں۔ پھر وہ آئی اور حکم دیا کہ میدان میں دستر خوان بچھایا جائے اور اس پر تمام قسم کے عمدہ عمدہ کھانے چنے جائیں۔ دستر خوان لگ گیا تو اس نے امراء سے کہا کہ کھانا کھاؤ۔ انہوں نے کھایا۔ اس کے بعد وہ امراء سے مخاطب ہو کر کہنے لگی، میں چاہتا ہوں کہ جب نیا چاند نکلے تو تم لوگ پھر یہی کرو اور شہر میں ڈھنڈورا پڑاؤ دو کہ کوئی شخص اس روز اپنی دکان نہ کھولے۔ سب لوگ آ کر بادشاہ کے دستر خوان پر کھانا کھائیں اور جو شخص اس کے خلاف کرے گا وہ اپنے ہی دروازے پر لٹکا دیا جائے گا۔

جب نیا چاند نکلا تو انہوں نے حکم کی تعمیل کی اور یہی ان کا معمول ہو گیا یہاں تک کہ دوسرے سال کا پہلا چاند نکلا۔ وہ میدان میں آئی اور ڈھنڈورا پیٹا گیا کہ اے لوگو اگر کسی نے اپنی دکان کھولی یا انبار یا گھر، تو وہ فوراً اپنے مکان کے دروازے پر لٹکا دیا جائے گا۔ تم سب پر فرض ہے کہ بادشاہ کے دستر خوان پر حاضر ہو کر کھانا کھاؤ۔ جب ڈھنڈورا پٹ چکا اور دستر خوان بچھایا گیا تو لوگ جوق در جوق وہاں پہنچے۔ زمر نے حکم دیا کہ سب دستر خوان پر بیٹھیں اور طرح طرح کے کھانے پیٹ بھر کر کھائیں۔ لوگ اس کے حکم کے مطابق کھانے بیٹھ گئے۔ وہ حکومت کی کرسی پر بیٹھ کر ان کا تماشہ دیکھنے لگی۔ دستر خوان پر بیٹھنے والا ہر شخص اپنے دل میں یہی سمجھتا کہ بادشاہ میری طرف دیکھ رہا ہے اور کھاتا جاتا۔ امراء لوگوں سے کہتے جاتے کہ کھاؤ اور شرماؤ نہیں کیونکہ بادشاہ کو یہی بات پسند ہے۔ سب نے پیٹ بھر کر کھایا اور بادشاہ کو دعا دیتے ہوئے گھر چلے گئے۔ سب یہی کہتے تھے کہ ہم نے عمر بھر اس جیسا کوئی بادشاہ نہیں

دیکھا جو غریبوں سے محبت رکھتا ہو اور زمرہ رعایا کی دعائیں لیتی ہوئی اپنے محل میں داخل ہوئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

URDU4U.COM

○ ○ ○

• تین سو بیسویں رات

جب پوری تین سو بیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- زمرد اپنی دعوت پر خوش ہو کر محل میں گئی اور اپنے دل میں کہنے لگی کہ اگر خدا کو منظور ہے تو مجھے اسی ذریعے سے اپنے شوہر علی شاکر کی خبر مل جائے گی۔ دوسرا چاند نکلا تو اس نے دستور کے موافق پھر دعوت دی، دسترخوان بچھایا گیا خود بدولت آ کر اپنی کرسی پر بیٹھ گئی اور لوگوں سے کہا کہ بیٹھ جاؤ اور کھاؤ۔ وہ دسترخوان کے ایک سرے پر بیٹھی ہوئی تھی اور لوگ کچھ ٹولیوں میں اور کچھ اکیلے آ آ کر بیٹھتے جاتے تھے کہ زمرد کی نظر عیسائی برسوم پر پڑی۔ جس نے اس کے شوہر سے پردہ خریدا تھا۔ اس نے اسے پہچان لیا اور اپنے دل میں کہنے لگی کہ آج میرا نصیب جاگتا نظر آتا ہے۔ اتنے میں برسوم آگے آ کر کھانے کے لئے لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اس نے ایک خوان میں چاول دیکھے جن پر شکر چھڑکی ہوئی تھی مگر خوان ذرا دور تھا۔ اس نے لوگوں کو دھکا دے کر خوان کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اسے اٹھا کر اپنے سامنے رکھ لیا۔ اس کے ساتھ والے نے کہا تو، اپنے آگے سے کیوں نہیں کھاتا؟ کیا یہ تیری بد تمیزی نہیں ہے کہ تو اس چیز کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے جو تجھ سے دور ہے! کیا تجھے شرم نہیں آتی؟ برسوم نے کہا کہ میں تو اسی میں سے کھاؤں گا۔ ساتھ والے نے جواب دیا کہ کھا خدا یہ اس نہ لائے! ایک بھنگڑی کہنے لگا۔ کھانے بھی دو، میں بھی اس کے ساتھ کھا لوں گا۔ اس شخص نے جواب دیا کہ اے منحوس ترین بھنگڑی یہ تم لوگوں کا کھانا نہیں ہے۔ اسے امیر آدمی کھاتے ہیں۔ تم اسے نہ کھاؤ امیروں کے پاس واپس کر دو تا کہ وہ اسے کھائیں۔ برسوم نے اس کی مخالفت کی اور چاولوں کا ایک لقمہ لے کر اپنے منہ میں رکھ لیا اور چاہتا ہی تھا کہ کہ دوسرا لقمہ لے کہ زمرد نے جو اسے دیکھ رہی تھی بعض سپاہیوں سے پکار کر کہا کہ اس شخص کو لے آؤ جس کے آگے شکرانے کا

خوان رکھا ہوا ہے اور اسے وہ لقمہ منہ میں نہ رکھنے دو جو اس کے ہاتھ میں ہے بلکہ اس کے ہاتھ سے لے کر پھینک دو۔ یہ سنتے ہی چار سپاہی اس کے پاس پہنچے، اس کے ہاتھ سے نوالہ چھین لیا، اس کی ٹانگیں پکڑ کر کھینچ لائے اور زمرد کے آگے لا کر کھڑا کر دیا۔

لوگ ہکا بکا ہو گئے۔ کھانے سے ہاتھ کھینچ لئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ واللہ اس نے بڑی زیادتی کی۔ اپنے ہم پایہ لوگوں کا کھانا کیوں نہیں کھایا۔ ان میں سے ایک بولا، میں نے تو اس دیئے پر قناعت کی جو میرے آگے تھا۔ بھنگڑی نے کہا کہ شکر ہے خدا کا، میں نے میٹھے چاولوں کے خوان میں سے کچھ نہ کھایا۔ انتظار ہی کرتا رہا کہ خوان اس کے آگے پہنچ جائے اور وہ اس کا لطف اٹھانے لگے تو میں بھی اس کے ساتھ کھانے لگوں، اتنے میں یہ یہ حادثہ گزرا۔ بعض لوگ آپس میں یہ کہہ رہے تھے کہ ذرا دیکھنا تو چاہیے کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے؟

جب زمرد کے سامنے وہ پیش ہوا تو اس نے کہا کہ اے نیلی چشم، تیرا کیا نام ہے اور تو ہمارے ملک میں کیوں آیا ہے؟ ملعون نے اپنا نام چھپایا، وہ مسلمانوں کی طرح سفید پگڑی باندھے ہوئے تھا۔ اور کہنے لگا کہ اے بادشاہ میرا نام علی ہے، میں جولابا ہوں اور سوداگری کے لئے یہاں آیا ہوں۔ زمرد نے کہا کہ ہماری رمل کی تختی اور پیتل کا

قلم حاضر کرو۔ لوگوں نے فوراً یہ چیزیں اس کے سامنے رکھ دیں۔ زمرد نے ریت اور قلم لے کر تختی پر مارا۔ قلم سے بندر کی طرح ایک شکل کھینچی تھوڑی دیر تک سر اٹھا کر برسوم کی طرف غور سے دیکھتی رہی اور اس کے بعد اس نے کہا کہ اے کتے! تو بادشاہوں کے آگے کس طرح جھوٹ بولتا ہے؟ کیا تو عیسائی نہیں اور تیرا نام برسوم نہیں ہے اور کسی چیز کی تلاش میں یہاں نہیں آیا ہے ”سچ سچ بتا ورنہ خدا کی قسم تیری گردن اڑا دوں گا۔ یہ سن کر برسوم دم بخود ہو گیا۔ امرا اور حاضرین آپس میں کہنے لگے کہ یہ بادشاہ رمل بھی جانتا ہے، پاک ہے وہ ذات جس نے اسے یہ چیز عطا کی! زمرد نے عیسائی سے چلا کر کہا کہ سچ سچ بتا ورنہ میں تجھے مار ڈالوں گا۔ عیسائی نے

کہاں جہاں پناہ مجھے معاف کر جو کچھ تو نے رمل سے دریافت کیا ہے سچ ہے‘ یہ بد بخت عیسائی ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

URDU4U.COM

○○○

• تین سو اکیسویں رات

جب تین سو اکیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- عیسائی نے کہا کہ جہاں پناہ مجھے معاف کر۔ جو کچھ تو نے رمل سے دریافت کیا ہے وہ سچ ہے۔ یہ بد بخت عیسائی ہے۔ امرہ وغیرہ کو جو وہاں حاضر تھے تعجب ہوا کہ بادشاہ رمل دیکھ کر واقعات بیان کر دیتا ہے اور کہنے لگے کہ یہ بادشاہ نجومی ہے اور دنیا میں ایسا کوئی دوسرا نہیں۔ اب زمر نے حکم دیا کہ اس عیسائی کی جلد کھینچ لو اور اس میں بھس بھر کر میدان کے دروازے پر لٹکا دو اور شہر کے باہر ایک گڑھا کھود کر اس کا گوشت اور ہڈیاں جلا دی جائیں اور اس پر کوڑا کڑکٹ ڈال دیا جائے۔ چنانچہ جو کچھ اس نے حکم دیا تھا سب کی تعمیل کی گئی۔ جب لوگوں نے عیسائی کی یہ گت بنتے دیکھی تو کہا کہ اس کی سزا یہی ہے جو اسے ملی اور وہ نوالہ اس کے لئے سخت منحوس ثابت ہوا۔ ایک شخص بولا کہ مجھ کم بخت پر لعنت ہو اگر میں زندگی میں کبھی بھی بیٹھے چاول کھاؤں۔ بھنگڑی کہنے لگا کہ شکر ہے خدا کا اس نے مجھے اس مصیبت سے بچا لیا جو اس شخص پر پڑی ہے کیونکہ اس نے میرا ہاتھ ان چاولوں کے کھانے سے روک دیا تھا۔ اب تمام لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے قسم کھائی کہ اس عیسائی کی چاولوں کے پاس کبھی نہ بیٹھیں گے۔

جب تیسرا چاند نکلا تو پھر دوستور کے مطابق دستر خوان بچھا کھانے لگائے گئے۔ زمر کرسی پر بیٹھی اور لشکر حسب قاعدہ آراستہ ہوا۔ سب کے دلوں پر زمر کا دبدبہ بیٹھا ہوا تھا۔ شہر والے معمول کے مطابق آئے اور دستر خوان کے گرد پھر کر دیکھا کہ وہ مخصوص خوان کہاں ہے اور ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ اے حاجی خلف! اس نے جواب دیا، حاضر ہوں اے حاجی خالد۔ پہلا شخص بولا کہ بیٹھے چاولوں کے خوان سے الگ تھلگ رہو اور اس میں سے کچھ نہ کھاؤ، اگر تو نے اس میں سے کھایا تو کل سویرے لٹکا

ہوا ہو گا۔ پھر وہ سب کھانے کے لئے دسترخوان کے چاروں طرف بیٹھ گئے اور کھانے لگے۔ زمرہ اسی جگہ بیٹھی تھی کہ اس کی نظر ایک شخص پر پڑی جو میدان کے دروازے سے بھاگتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ غور سے دیکھنے پر اسے معلوم ہوا کہ یہ وہی جوان نامی کرد چور ہے جس نے سپاہی کو قتل کیا تھا۔

اس کے آنے کی وجہ یہ تھی کہ جب وہ اپنی ماں کو چھوڑ کر اپنے ساتھیوں کے پاس گیا تو اس نے کہا کہ کل میرے ہاتھ بڑی دولت لگی ہے۔ پہلے تو یہ کہ میں نے ایک سپاہی کو قتل کر کے اس کا گھوڑا لے لیا۔ دوسرے اسی رات مجھے ایک اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلی ملی اور ایک لڑکی جس کی قیمت تھیلی کی اشرفیوں سے بھی زیادہ ہے۔ ان تمام چیزوں کو میں اپنی ماں کے پاس غار میں رکھ کر آیا ہوں۔ وہ سب خوش خوش شام کو غار کی طرف چل دیئے۔ پہلے غار میں کرد جوان داخل ہوا اور پیچھے پیچھے دوسرے لوگ تا کہ جن چیزوں کا اس نے ذکر کیا ہے وہ انہیں لا کر دے۔ لیکن اس نے دیکھا کہ وہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ ماں سے پوچھا کہ لڑکی، گھوڑا اور مال کیا ہوا؟ ماں نے ساری سرگزشت بیان کر دی اور وہ جھلا کر اپنی ہتھیلیاں کاٹنے لگا۔ اس نے کہا کہ واللہ میں اس لونڈی کو ڈھونڈ کر جہاں کہیں ہو گی، لاؤں گا خواہ پستے کے چھلکے کے اندر ہی کیوں نہ ہو اور اپنے دل کی بھڑاس نکالوں گا۔ یہ کہہ کر وہ اس کی تلاش میں چل دیا اور اسے شہر در شہر ڈھونڈتا ہوا زمرہ کے شہر پہنچا۔ جب وہ شہر میں داخل ہوا تو وہاں کسی مرد کہ نہ پایا کہ ہڑتال کا سبب پوچھے۔ آخر اس نے عورتوں سے پوچھا جو ایک جھروکے سے دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو بادشاہ دسترخوان بچھاتا ہے اور لوگ وہاں جا کر کھانا کھاتے ہیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے اسے میدان کا پتہ بتا دیا جہاں دسترخوان بچھا کرتا تھا اور وہ دوڑتا ہوا وہاں پہنچا مگر اس خوان کے سوا جس کا بیان ہو چکا ہے، اسے کہیں کوئی خالی جگہ نہ ملی تھی۔ وہ وہیں خوان کے سامنے بیٹھ گیا اور اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ لوگوں نے چلا کر کہا کہ بھائی تو کیا کرنا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں اس خوان میں سے کھانا

چاہتا ہوں اور خوب پیٹ بھر کر کھانا چاہتا ہوں۔ ایک شخص بولا، اگر تو نے اس میں سے کھایا تو کل صبح پھانسی پر چڑھا دیا جائے گا۔ جوان نے جواب دیا، چپ رہ، ایسی باتیں نہ کر اور اپنے ہاتھ کو خوان کی طرف بڑھا کر اسے اپنے سامنے کھینچ لیا۔ اس کے پاس ہی بھگڑی بیٹھا تھا جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ جب اس نے دیکھا کہ جوان نے اس خوان کو اپنی طرف کھینچا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بھاگا۔ بھنگ کا نشہ ہرن ہو گیا۔ دور جا بیٹھا اور کہنے لگا کہ مجھے اس خوان کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد جوان نامی کرد نے خوان کی طرف کوءے کے پنجے کی طرح اپنا ہاتھ بڑھایا اور اسے بھر کر اونٹ کے کھر کی طرح اس میں سے نکالا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• تین سو بائیسویں رات

جب تین سو بائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- جوان نامی
کرد نے خوان میں سے اپنا ہاتھ نکالا جو اونٹ کے کھر کی طرح معلوم ہوتا تھا اور نوالے
کو اپنے ہاتھ میں اتنا گھمیا پھرایا کہ اس کی شکل بڑی نارنگی کی سی ہو گئی۔ پھر جلدی
سے اسے اپنے منہ میں ڈال لیا وہ بادل کی طرح گرجتا ہوا اس کے پیٹ میں اتر گیا
اور طباق کا جس جگہ سے نوالہ لیا گیا تھا پیندا نظر آنے لگا۔ اس کے برابر والے نے
کہا کہ شکر ہے خدا کا کہ میں نے تیرے سامنے بیٹھ کر نہیں کھایا، تو نے ایک ہی
نوالے میں طباق کی تہ اڑا دی۔ بھنگڑی بولا اسے کھانے دو کیونکہ میں اس کی شکل
کو پہانسی پر چڑھتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد بھنگڑی نے اس سے مخاطب ہو کر
کہا کہ خدا کرے کہ یہ نوالہ تجھے راس نہ آئے۔ اب اس نے دوسرے نوالے کے
لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا اور چاہتا ہی تھا کہ اسے بھی پہلے نوالے کی طرح ہاتھ میں گھمائے
کہ زمرد نے سپاہیوں کو پکار کر کہا کہ اس شخص کو فوراً حاضر کروا، وہ اپنے ہاتھ کا
نوالہ نہ کھانے پائے۔ اس نے خوان سے ابھی سر نہ اٹھایا تھا کہ سپاہیوں نے آ کر
اسے پکڑ لیا اور لے جا کر زمرد کے سامنے پیش کر دیا۔ لوگ اسے برا بھلا کہنے لگے
اور آپس میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ وہ اسی سزا کا مستحق ہے۔ ہم نے اسے نصیحت
کی تھی لیکن اس نے نہ مانی۔ اس جگہ پر جو بیٹھے گا اس کا انجام قتل ہو گا، یہ چاول
اپنے کھانے والے کے لئے نحوست لاتے ہیں۔

زمرد نے پوچھا کہ تیرا نام اور پیشہ کیا ہے اور تو ہمارے شہر میں کیوں آیا ہے؟ اس
نے کہا اے بادشاہ اور میرے مولیٰ میرا نام عثمان ہے، میں ایک باغ کا مالی ہوں اور
میرے اس شہر میں آنے کی وجہ یہ ہے کہ میری ایک چیز کھو گئی ہے اسے ڈھونڈنے
آیا ہوں۔ زمرد نے کہا لاؤ تو رمل کی تختی اور لوگوں نے فوراً لا کر پیش کی۔ اس

نے قلم لے کر تختی پر رمل کی شکلیں بنائیں اور ان پر تھوڑی دیر تک غور کرتی رہی۔

پھر اس نے سر اٹھا کر کہا، اے خبیث لعنت ہو تجھ پر! تو بادشاہوں کے آگے جھوٹ بولتا ہے؟ رمل سے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تو کرد ہے تیرا نام جوان ہے اور تو چور ہے۔ لوگوں کا مال دھوکے سے چراتا ہے اور ایسے شخص کو قتل کرتا ہے جن کا قتل خدا نے بغیر کسی گناہ کے حرام کیا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اسے ڈانٹا اور کہنے لگی، بدمعاش اپنا حال ٹھیک ٹھیک بتا ورنہ میں تیرا سر کاٹ کر پھنک دوں گا۔ زمرہ کی باتیں سن کر اس کا رنگ زرد پڑ گیا اور اس کے دانت دکھائی دینے لگے اور اسے گمان ہوا کہ اگر وہ سچ کہہ دے گا تو چھوٹ جائے گا۔ وہ کہنے لگا کہ اے بادشاہ، تو سچ کہتا ہے لیکن اب میں تیرے ہاتھ پر توبہ کرتا اور خدا کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ زمرہ نے کہا کہ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ میں مسلمانوں کے راستے میں اک بلا رہنے دوں۔ اس کے بعد اس نے اپنے افسروں سے کہا کہ اسے لے جاؤ اور اس کی کھال کھینچ کر وہی اس کی بھی گت بناؤ جو پچھلے مہینے میں اس شخص کی بنائی گئی تھی، جو اسی جیسا تھا۔ فوراً حکم کی تعمیل کی گئی۔ جب بھنگڑی نے دیکھا کہ لشکر والے اسے پکڑے لئے جاتے ہیں تو اس نے چاولوں کے خوان کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا اور کہنے لگا کہ تیرا میرے سامنے ہونا حرام ہے۔ لوگ کھانے سے فارغ ہو کر اپنے اپنے گھر چلے گئے اور زمرہ نے اپنے محل میں جا کر غلاموں کو واپس کر دیا۔

تیسرے مہینے پھر حسب دستور میدان میں لوگ جمع ہوئے اور کھانا چنا گیا اور انتظار ہونے لگا کہ اجازت ملے تو شروع کریں۔ اتنے میں زمرہ آ کر کرسی پر بیٹھی اور ان کی طرف دیکھنے لگی۔ اب اس نے دیکھا کہ چاولوں کے خوان کے پاس کی جگہ خالی ہے حالانکہ وہاں چار شخص آ سکتے ہیں۔ بڑا تعجب ہوا۔ ابھی وہ بیٹھی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی کہ اس کی توجہ ایک طرف مبذول ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ ایک شخص میدان کے دروازے میں سے داخل ہو کر تیز تیز چلا آ رہا ہے۔ چلتے چلتے وہ دستر خوان کے پاس آ کر ٹھہر گیا اور یہ دیکھ کر چاولوں کا طباق جہاں رکھا ہے اس کے کنارے ارد گرد کے سوا

کوئی جگہ خالی نہیں، وہ وہیں بیٹھ گیا۔ زمر نے غور سے دیکھا تو یہ وہی ملعون عیسائی تھا جس نے اپنا نام رشید الدین رکھ چھوڑا تھا۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ کیسی مبارک ہے آج کی دعوت کہ یہ کافر میرے جال میں پھنس گیا۔ اس کے آنے کا سبب عجیب و غریب تھا یعنی وہ اپنے سفر سے لوٹا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• تین سو تیسویں رات

تین سو تیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- وہ ملعون جس نے اپنا نام رشید الدین رکھ چھوڑا تھا سفر سے لوٹا تو اس کے گھر والوں نے بیان کیا زمر اشرفیوں کی تھیلی لے کر غائب ہو گئی۔ یہ سن کر اس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور منہ پر طمانچے مارنے لگا۔ داڑھی نوچ ڈالی اور اپنے بھائی برسوم کو مختلف شہروں میں بھیجا کہ جا کر اسے تلاش کرے۔ جب بہت دن گزرے گئے اور اس کا بھائی بھی نہ لوٹا تو وہ خود اسے اور زمر کو ڈھونڈنے نکلا۔ قسمت اسے زمر کے شہر میں لے آئی جہاں وہ مہینے کی پہلی تاریخ کو داخل ہوا۔ شہر کے گلی کوچوں میں پھرنے لگا۔ دیکھا کہ وہ خالی پڑے ہیں۔ دکانیں بند ہیں، عورتیں کھڑکیوں میں کھڑی جھانک رہی ہیں۔ اس نے بعض عورتوں سے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو بادشاہ تمام لوگوں کے لئے دستر خوان بچھاتا ہے اور سب اسی دستر خوان پر کھانا کھاتے ہیں اور کسی کی مجال نہیں کہ وہ اپنے گھر یا دکان میں بیٹھا رہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے اسے میدان کا پتا بتا دیا۔ وہ میدان میں پہنچا تو کھانے پر لوگوں کا جمگھٹ لگا ہوا تھا اور اس جگہ کے سوا جہاں وہ مخصوص خوان رکھا ہوا تھا کوئی جگہ خالی نہ تھی۔ وہاں بیٹھ کر اس نے کھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا کہ اتنے میں زمر نے سپاہیوں کو آواز دے کر کہا کہ جو شخص خوان کے پاس بیٹھا ہے، اسے پکڑ لاؤ۔ سپاہی اس خوان کو پہچان گئے تھے، اسے پکڑ کر زمر کے پاس لے آئے۔ زمر نے پوچھا اے ملعون تیرا نام کیا ہے، کیا کام کرتا ہے اور ہمارے شہر میں کیوں آیا ہے؟ اس نے کہا کہ جہاں پناہ! میرا نام رستم ہے اور میرا کوئی پیشہ نہیں، فقیر درویش ہوں۔ زمر نے اپنے آدمیوں سے کہا لاؤ میری رمل کی تختی اور پیتل کا قلم اور اس نے قلم لے کر رمل کی تختی پر خط کھینچے اور ان پر غور کرنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد سر

اٹھا کر کہا، اے کتے تو بادشاہ سے جھوٹ بولتا ہے؟ تو عیسائی ہے تیرا نام رشید الدین اور تیرا پیشہ یہ ہے کہ تو مسلمان لڑکیوں کو دغا بازی سے لے جاتا ہے۔ ظاہراً تو مسلمان ہے مگر دل میں عیسائی۔ سچ کہہ، اگر تو نے جھوٹ بولا تو میں تیری گردن اڑا دوں گا۔ یہ سن کر وہ گڑگڑانے لگا اور بولا کہ جہاں پناہ، تو سچ کہتا ہے۔ اب زمر نے حکم دیا کہ اسے لمبا لٹایا جائے اور اس کی دونوں ٹانگوں پر سو سو کوڑے اور بدن پر ہزار کوڑے لگائے جائیں پھر اس کی کھال کھینچ کر اس میں سن بھرد اور شہر کے باہر ایک گڑھا کھود کر اس کے اندر جلا دو اور اس پر کوڑا کرکٹ اور گندگی ڈال دی جائے۔ لوگ اس کا حکم بجا لائے۔ پھر اس کے بعد لوگوں کو کھانے کی اجازت دی۔ سب نے کھایا اور کھا چکے تو اپنے اپنے گھر روانہ ہوئے۔ زمر بھی اپنے محل میں گئی اور کہنے لگی کہ شکر ہے خدا کا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔ میرا دل لوگوں کی طرف سے ٹھنڈا کر دیا جنہوں نے مجھے تکلیف پہنچائی تھی۔ بعد ازاں پھر اسے اپنے شوہر علی شام کی یاد آگئی اور وہ بلک بلک کر رونے لگی۔ جب اس کی طبیعت ہلکی ہوئی، ہوش و حواس ٹھکانے آئے تو دل میں خیال کیا کہ جس خدا نے مجھے دشمنوں پر قابو دیا، عجب نہیں اسی طرح وہ ایک دن میرے دوستوں سے بھی مجھے ملا دے اور پھر اس نے استغفار پڑھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• تین سو چوبیس ویں رات

جب تین سو چوبیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- زمرہ نے خدا سے مغفرت چاہی اور کہنے لگی، ممکن ہے خدا مجھے میرے محبوب علی شار سے جلد ملا دے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور اپنے بندوں کی حالت سے رتی رتی واقف ہے۔ اس کے بعد اس نے خدا کی تعریف کی، دوبارہ مغفرت چاہی اور اپنے آپ کو تقدیر کے حوالے کر دیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ ہر ابتدا کی انتہا ہوتی ہے۔ اسی طرح اس نے پورا مہینہ گزارا۔ دن میں رعایا پروری، عدل و انصاف کرتی اور رات کو اپنے شوہر علی شار کی جدائی پر گریہ و زاری۔ چوتھے مہینے کا چاند نکلا تو اس نے حکم دیا کہ پہلے کی طرح میدان میں دسترخوان بچھایا جائے۔ لوگ کھانا شروع کرنے کے لئے اجازت کے منتظر تھے اور چاولوں کے پاس جگہ خالی تھی۔ زمرہ دسترخوان کے ایک سرے پر عوام الناس سے بلند جگہ پر بیٹھی ہوئی تھی اور اس کی آنکھیں میدان کے دروازے کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ جو کوئی اندر آئے، اسے وہ دیکھ سکے۔ دل ہی دل میں کہہ رہی تھی کہ اے پروردگار تو نے یوسف علیہ السلام کو یعقوب علیہ السلام سے ملایا اور ایوب علیہ السلام کی بلائیں دور کیں، اپنی قدرت اور بزرگی سے میرے شوہر علی شار کو بھی مجھ سے ملا کر مجھ پر احسان کر، تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اے دنیاؤں کے پروردگار، گمراہوں کے ہادی، آوازوں کے سننے والے اور دعاؤں کے قبول کرنے والے، میری دعا سن، تو ہی بندوں کا پالنے والا ہے۔ وہ ابھی اپنی دعا ختم بھی نہ کر پائی تھی کہ میدان کے دروازے سے ایک شخص داخل ہوا جو قد و قامت میں بید کی چھڑی کی طرح تھا۔ دبلا پتلا، رنگ زرد مگر پھر بھی وہ نہایت حسین جوان اور باشعور و با سلیقہ معلوم ہوتا تھا۔

جب وہ اندر آیا تو چاولوں خان کے پاس کے سوا اور کوئی جگہ خالی نہ پائی۔ وہیں بیٹھ

گیل۔ زمرء نے جوان كو ديكھا تو اس كا دل دھڑكنے لگا۔ غور سے ديكھنے پر اسے صاف نظر آيا كه وه اس كا شوهر على شار هے۔ اس كے منہ سے خوشى كى چىچ نكلنے كو تھى كه اس نے رسوائى كے ڈر سے ضبط كيا۔ تا هم اس كے اندر كھلبلى مچ گئى اور اس كا دل دھك دھك كرنے لگا مگر اس نے ظاھر نہ ہونے ديا۔ على شار كے يہاں آنے كا سبب بھى سن لو۔ جب وه چوكى پر سو گيا اور زمرء اترى اور كرد جوان اسے لے اڑا تو اس كے بعد اس كى آنكھ كھلى۔ اس نے ديكھا كه وه ننگے سر هے۔ اسے يقين ہو گيا كه كسى نے اس پر ظلم كر كے سوتے ميں اس كا عمامہ اتار ليا هے اور اس نے وه جملہ كہا جس كے كہنے والے كو شرمانے كى ضرورت ہوتى نہيں يعنى اناللہ وانا اليہ راجعون۔ اس كے بعد وه اس بڑھيا كے پاس گيا جس نے اسے زمرء كا پتا بتايا تھا۔ اس كا دروازہ كھلكھٹايا جب بڑھيا نكل كر باھر آئى تو اس كے آگے رونے لگا يہاں تك كه غش آ گيل۔ جب غشى دور ہوئى تو اس نے بڑھيا كو سارا واقعہ سنايا۔ بڑھيا نے اس كے كئے پر اسے لعنت ملامت كى، برا بھلا كہا اور كہنے لگى كه تيرى مصيبت اور بلا خود تيرى ہى لائى ہوئى هے۔ بڑھيا نے اتنى لعنت ملامت كى كه اس كے نتھنوں سے خون جارى ہو گيا اور وه دوبارہ بے ہوش ہو كر گر پڑا۔ ہوش آيا۔ اور شہر زاد كو صبح ہوتى دكھائى دى اور اس نے وه كہانى بند كر دى جس كى اسے اجازت ملى تھى۔

• تین سو پچیس ویں رات

تین سو پچیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب علی شار کو ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی وجہ سے بڑھیا بھی رو رہی ہے۔ اس کے آنسو بہہ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ اور واویلا کرنے لگا۔ بڑھیا کو اس پر ترس آ گیا اور اس سے کہا کہ ٹھہر، میں ابھی جا کر اس کی خبر لاتی ہوں، بڑھیا روانہ ہوئی اور دوپہر کو واپس آ کر کہا کہ اے علی، میرے خیال میں تیری حسرت تجھے مار کر چھوڑے گی۔ اب قیامت سے پہلے تو اپنی محبوبہ کو نہ دیکھ سکے گا۔ وجہ یہ ہے کہ جب محل والے صبح کو اٹھے تو انہوں نے دیکھا کہ باغ کی طرف والا جھروکا ٹوٹا ہوا ہے۔ زمرہ ندارد ہے اور اپنے ساتھ عیسائی کے مال کی ایک خرجی بھی لے گئی ہے۔ میں پہنچی تو میں نے دیکھا کہ والی اپنے آدمیوں کو لئے دروازے پر کھڑا ہے۔ لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔ یہ سنتے ہی علی شار کی آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا اور وہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اسے موت سامنے کھڑی دکھائی دینے لگی۔ روتے روتے اس کا برا حال ہوا۔ عشق اور جدائی اس کے سر پر سوار تھی۔ وہ سخت بیمار پڑ گیا اور گھر سے باہر نکلنے کے قابل نہ رہا۔ بڑھیا طبیعوں کو لاتی، اسے دوائیں پلاتی اور اس کے لئے یخنیاں پکاتی۔ ایک سال کے بعد اس میں کچھ جان آئی اور اسے پرانی باتیں پھر یاد آنے لگیں۔ جب دوسرا سال ہوا تو بڑھیا نے کہا کہ بیٹے رونے پینے سے تو تیری محبوبہ ملنے سے رہی۔ اگر ایسا ہے تو اٹھ اور کمر باندھ۔ شہر شہر اس کی تلاش کر، ممکن ہے کہ اس کا پتہ لگ جائے۔

بڑھیا اسے برابر ہمت اور تقویت دلاتی رہی۔ آخر وہ سفر پر آمادہ ہو گیا۔ پھر وہ اسے حمام میں لے گئی۔ شراب پلائی، مرغیاں کھلائیں اور ہر روز یہی دستور رکھا۔ یہاں تک کہ ایک مہینے کے بعد وہ دل کو مضبوط کر کے چل دیا۔ چلتے چلتے زمرہ کے شہر میں

پہنچا اور نوالہ لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ لوگ افسوس کرنے اور کہنے لگے اے جوان، اس خوان میں سے نہ کھا کیونکہ جس کسی نے اس میں سے کھایا ہے، اسے نقصان پہنچا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے اسی میں سے کھانے دو، ان کا جو جی چاہے میرے ساتھ کریں، کہیں مجھے اس تکلیف وہ زندگی سے آرام تو ملے۔

علی شار کے نوالہ اٹھاتے ہی زمر کا ارادہ ہوا کہ اسے اپنے پاس بلوائے لیکن فوراً اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ بھوکا ہو گا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگی مناسب ہے پہلے اسے پیٹ بھر کر کھا لینے دوں۔ وہ کھا رہا تھا اور لوگ حیران تھے کہ دیکھیں اس پر کیا گزرتی ہے؟ جب وہ کھا کر سیر ہو گیا تو زمر نے اپنے چند غلاموں سے کہا کہ اس جوان کو جو چاول کھا رہا ہے، نرمی کے ساتھ بلا لاؤ اور کہو کہ چل کر بادشاہ سے گفتگو اور سوال و جواب کر۔ غلام جا کر اس کے پاس کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے، اے میرے آقا چل اور خوش ہو کہ بادشاہ تجھ سے دو باتیں کرنا چاہتا ہے۔ اس نے کہا کہ سر آنکھوں سے اور غلام بچوں کے ساتھ ہو لیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• تین سو چھپیس ویں رات

جب تین سو چھپیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- علی شار غلام بچوں کے ہمراہ ہو لیا اور لوگ کہنے لگے کہ لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔

دیکھنا چاہیے کہ بادشاہ اس کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ ایک شخص بولا کہ وہ اس کے ساتھ بھلائی کرے گا۔ اگر اسے نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتا تو اسے پیٹ بھر کر کھانے نہ دیتا، علی شار زمرد کے سامنے اکر کھڑا ہوا تو اس نے سلام کیا اور اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ زمرد نے سلام کا جواب دیا اور اس کے ساتھ عزت سے پیش آئی اور کہنے لگی کہ تیرا نام اور پیشہ کیا ہے، تو اس شہر میں کیوں آیا ہے؟ اس نے جواب دیا، اے بادشاہ میرا نام علی شار ہے، میں سوداگر زادہ ہوں میرا وطن خراسان ہے اور میرے اس شہر میں آنے کی وجہ یہ ہے کہ میں اپنی ایک کنیز کو تلاش کرنے نکلا ہوں جو کھو گئی ہے اور مجھے میرے کانوں اور آنکھوں سے زیادہ عزیز تھی۔ جب سے وہ گم ہوئی ہے میری روح کا کوئی مسکن نہیں رہا۔ بس یہی ہے میرا قصہ۔ اس کے بعد وہ رونے لگا اور بے ہوش ہو گیا۔ زمرد نے حکم دیا کہ اس پر گلاب چھڑکا جائے۔

لوگوں نے اس کے منہ پر گلاب کے چھینٹے دیئے اور اس کے ہوش درست ہو گئے تو زمرد نے کہا کہ رمل کی تختی اور پیتل اور قلم لاؤ اور اس نے قلم لے کر رمل کی تختی پر نقش بنائے اور تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر اس نے کہا کہ تو سچ کہتا ہے، خدا تجھے اس سے جلد ملا دے گا، غمزہ نہ ہو۔ اس کے بعد اس نے حاجب کو حکم دیا کہ اسے حمام لے جاؤ، بہترین شاہانہ لباس پہناؤ، خاص شاہی گھوڑا اسے سواری کے لئے دیا جائے اور پھر شام کے وقت اسے محل میں لاؤ۔ حاجب سینے پر ہاتھ رکھ کر اٹے قدموں ہٹا اور علی شار کو ساتھ لے کر زمرد کے پاس چلا گیا۔

لوگ آپس میں کہنے لگے کہ آخر سلطان اس جوان کے ساتھ اتنی مہربانی سے کیوں پیش آیا۔ ایک شخص کہنے لگا کہ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ بادشاہ اس کے ساتھ برا سلوک نہ کرے گا۔ کیونکہ اس کی شکل ہی ایسی پیاری ہے اور یہ میں اس وجہ سے بھی سمجھ گیا تھا کہ بادشاہ نے اسے پیٹ بھر کر کھانے دیا۔ الغرض ہر شخص کچھ نہ کچھ کہتا اور اپنا راستہ لیتا۔ زمر کو یقین نہ آتا تھا۔ وہ بے تاب تھی کہ کب رات ہو اور اپنے دلی محبوب سے تنہائی میں ملے۔ خدا خدا کر کے رات ہوئی تو وہ اپنی خواب گاہ میں گئی اور یہ ظاہر کیا کہ وہ سو گئی ہے۔ اس نے اپنا یہ دستور بنا لیا تھا کہ دو چھوٹے نوکروں کے سوا کوئی اس کی خواب گاہ میں نہ سوتا اور وہ بھی بغیر بلائے نہ آ سکتے۔ خواب گاہ میں پہنچ کر اس نے اپنے محبوب علی شار کو بلا بھیجا اور خود تخت پر بیٹھی۔ اس کے آگے پیچھے موم بیتاں جل رہی تھیں۔ کمرے میں سونے کے جھاڑ جگمگ جگمگ کر رہے تھے۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ بادشاہ نے اسے بلوایا ہے تو انہیں تعجب ہوا۔ ہر ایک اپنا اپنا قیاس دوڑانے لگا۔ ہر ایک کا گمان جداگانہ تھا۔ بعض کی رائے تھی کہ بادشاہ کو اس کے ساتھ دلی تعلق پیدا ہو گیا ہے اور وہ اسے کل کسی نہ کسی لشکر کا سپہ سالار بنا دے گا۔

لوگ اپنی عقل آرائیاں کر رہے تھے کہ علی شار زمر کے پاس پہنچا اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور دعا دی۔ زمر نے اپنے دل میں کہا کہ ابھی میں اس پر اپنے آپ کو ظاہر نہ کروں گی بلکہ اس کے ساتھ تھوڑا سا مذاق کرنا چاہیے۔ کہنے لگی، اے علم تو حمام ہو آیا؟ اس نے جواب دیا اے میرے مولیٰ ہاں۔ زمر نے کہا کہ اٹھ اور اس مرغی اور دوسرے گوشت میں سے کچھ کھا اور یہ شربت اور شراب پی کیونکہ تو تھکا ہوا ہے، پھر میرے قریب آؤ۔ زمر نے جو جو حکم دیا تھا۔ اس نے کیا اور جب وہ کھا پی کر فارغ ہو گیا تو زمر نے کہا کہ تخت پر آ کر میرے پاؤں دبا۔ وہ اس کے پاؤں اور پنڈلیاں دبانے لگا دیکھا کہ اس کا بدن ریشم سے بھی زیادہ نرم ہے۔ اب زمر نے کہا چپی کرتا ہوا اوپر کی طرف آ۔ وہ بولا۔ اے میرے مولیٰ گھٹنوں

سے آگے نہیں بڑھوں گا۔ زمر نے کہا کہ تو میری نافرمانی کرنا چاہتا ہے! خبردار ورنہ
یہ رات تجھ پر بری گزرے گی۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

○○○

• تین سو ستائیس ویں رات

جب تین سو ستائیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- زمرد نے اپنے شوہر علی شار سے کہا کہ اگر تو نے میری مخالفت کی تو آج رات تیری خیر نہیں۔ تجھے میرا کہنا ماننا چاہیے۔ میں تجھے اپنا معشوق بناؤں گا اور ایک امیر کا مرتبہ دوں گا۔ علی شار نے کہا کہ جہاں پناہ، میں کس بات میں تیری اطاعت کروں؟ اس نے جواب دیا کہ اپنے کپڑے اتار اور اوندھا لیٹ جا۔ علی شار نے کہا کہ ایسا کام تو میں نے عمر بھی نہیں کیا۔ اگر تو زبردستی کرے گا تو میں قیامت کے دن تیرا دامن گیر ہوں گا۔ جو کچھ تو نے مجھے دیا ہے مجھے سے لے لے اور مجھے اپنے شہر سے جانے دے۔ یہ نہ لیٹا تو میں تیری گردن اڑا دوں گا۔ الغرض اس نے اس کا کہنا مان لیا اور وہ اس کی پیٹھ پر سوار ہو گئی۔ علی شار نے دیکھا کہ وہ ریشم سے زیادہ نرم اور مکھن سے زیادہ ملائم ہے اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ بادشاہ تو تمام عورتوں سے بڑھ کر نازک اندام ہے۔ زمرد تھوڑی دیر تک اس کی پیٹھ پر رہنے کے بعد اتر آئی اور ققمہ مار کر ہنسی اور کہنے لگی میرے آقا ان باتوں کے باوجود بھی تو نے مجھے نہ پہچانا۔ اس نے کہا اے بادشاہ تو کون ہے؟ وہ بولی کہ تیری کنیز زمرد۔ یہ سن کر علی شار اس کے بوسے لینے لگا اور اسے اس طرح دبوچا جیسے شیر بکری کو دبوچتا ہے۔ اسے بالکل یقین آ گیا کہ وہ بے شک اس کی کنیز ہے اور اس کی آواز غلام بچوں کے کان میں پہنچی اور وہ آ کر پردے کے پیچھے سے جھانکنے لگے اور انہوں نے دیکھا کہ بادشاہ علی شار کے پاس لیٹا ہوا ہے اور نخرے کر رہا ہے۔ غلام بچوں نے اپنے دل میں کہا یہ نخرے تو مرد کے سے نخرے نہیں، ہو نہ ہو یہ بادشاہ عورت ہے لیکن انہوں نے اس بات کو پوشیدہ رکھا اور اس کا ذکر کسی سے نہ کیا۔ جب دن نکلا تو زمرد نے کل لشکر اور امراء کو اپنے پاس بلوا بھیجا اور ان سے کہنے لگی کہ میں اس شخص کے وطن کو

جانا چاہتا ہوں، میری واپسی تک تم اپنی حکمرانی کے لئے کسی نائب کو مقرر کر لو۔ زمرہ کے اس حکم کو انہوں نے بخوشی منظور کر لیا۔ اب اس نے سفر کا سامان تیار کیا۔ مثلاً راہ کا توشہ، زر و جواہر، کپڑے، تحفے، اونٹ، خچر اور شہر سے روانہ ہو گئی۔ چلتے چلتے علی شہر کے شہر میں پہنچی اور گھر میں داخل ہوئی۔ لوگوں کو انعام دیا، خیرات کی اور رہنے سہنے لگے۔ ان کی اولاد ہوئی اور انہوں نے بڑی خوشی سے زندگی بسر کی۔ یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا اور صحبتوں کو تتر بتر کرنے والی موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جس کے لئے بلا زوال کے بقا ہے اور خدا کا شکر ہر حال میں۔

○ بدور اور جبیر بن عمیر کے عشق کی کہانی

کہنے والے کہتے ہیں کہ ایک رات ہارون الرشید کو بالکل نیند نہ آئی اور جب وہ جاگتے جاگتے اور کروٹیں بدلتے بدلتے اکتا گیا تو اس نے سرور کو بلا کر کہا کہ اے سرور! دیکھ کوئی ایسا ہے جو مجھے اس بیداری میں تسلی دے سکے۔ اس نے عرض کی اے میرے مولیٰ اگر تیرا جی چاہے تو محل کے باغ میں چل کر پھولوں کا نظارہ کر اور ستاروں کو دیکھ کہ وہ کس خوبی سے آسمان پر جڑے ہوئے ہیں اور ان کے درمیان چاند کس طرح پانی پر چمک رہا ہے۔ خلیفہ بولا اے سرور، ان میں سے کسی چیز میں میرا دل نہیں لگتا۔ سرور نے کہا کہ اے میرے مولیٰ تیرے محل میں تین سو تیری چیمتی کنیزیں ہیں اور ان کے لئے الگ الگ محلات سرائیں ہیں۔ انہیں حکم دے کہ ہر ایک اپنی اپنی محل سرا میں جا کر بیٹھے اور بغیر اس کے کہ انہیں معلوم ہو، تو ان کا تماشہ دیکھ۔ اس نے کہا کہ اے سرور یہ سچ ہے کہ محل میرا محل ہے اور کنیزیں میری ملکیت ہیں لیکن ان میں سے کسی چیز کی طرف میرا میلان نہیں ہوتا۔ سرور نے کہا کہ اے میرے مولیٰ عالموں، حکیموں اور شاعروں کو حکم دے کہ وہ تیرے پاس آ کر

مباحثہ کریں، اشعار پڑھیں اور قصے کہانیاں بیان کریں۔ اس نے جواب دیا کہ ان چیزوں میں سے کسی کو میری طبیعت نہیں چاہتی۔ مسرور نے کہا کہ اے میرے مولیٰ غلاموں اور ندیموں اور ظریفوں کو حکم دے کہ وہ علمی نکتے بیان کریں، لطیفے سنائیں اور تیرا دل خوش کریں۔ اس نے کہا اے مسرور ان میں سے کسی بات کی طرف میری رغبت نہیں۔ مسرور نے کہا کہ اے میرے آقا تو پھر میری گردن اڑا دے۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• تین سو اٹھائیس ویں رات

جب تین سو اٹھائیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- سرور نے خلیفہ سے کہا کہ اے میرے مولیٰ تو پھر میری گردن اڑا دے۔ شاید اس سے تیری بیداری جاتی رہے اور جو گھبراہٹ تجھے ہے، دور ہو جائے۔ اس پر رشید ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ اے سرور دیکھ اس وقت ندیموں میں سے کوئی موجود ہے۔ سرور جا کر واپس آیا اور کہنے لگا کہ اے میرے مولیٰ دروازے پر اس وقت علی بن منصور خلیعی دمشق ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ اسے بلوا لو۔ سرور جا کر اسے بلا لایا۔ جب وہ اندر آیا تو اس نے کہا کہ السلام علیکم یا امیر المومنین۔ خلیفہ نے سلام کا جواب دے کر کہا اے ابن منصور کوئی کہانی تجھے یاد ہو تو سن۔ اس نے کہا اے امیر المومنین کوئی ایسی چیز بیان کروں جو میں نے خود آنکھ سے دیکھی ہے یا ایسی جو محض سنی سنائی ہے؟ خلیفہ نے کہا کہ اگر کوئی عجیب و غریب واقعہ تیری آنکھوں کے سامنے سے گزرا ہے تو اسے بیان کر کیونکہ سنی سنائی باتیں ایسی نہیں ہوتیں جیسی کہ آپ بیتی۔ اس نے کہا کہ اے امیر المومنین کان اور دل لگا کر سن۔ خلیفہ نے کہا اے ابن منصور! میں اپنے کانوں سے سن رہا ہوں اور دل سے تیری طرف متوجہ ہوں۔ اس نے کہا اے امیر المومنین سن! بھرے کے والی محمد بن سلیمان کی طرف سے میرا سالانہ مقرر ہے۔ ایک بار میں دستور کے موافق اس کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ سیر و شکار پر جانے کے لئے سوار کھڑا ہے۔ میں نے اسے سلام کیا اور اس نے مجھے، پھر مجھ سے کہنے لگا اے ابن منصور میرے ساتھ سوار ہو کر شکار پر چل۔ میں نے کہا اے میرے مولیٰ میں سواری سے معذور ہوں۔ اس نے مجھے حاجیوں اور نوجوانوں کے حوالے کر کے مہمان خانے میں بٹھا دیا۔ اس کے بعد وہ شکار پر روانہ ہو گیا۔ ان لوگوں نے مجھے بڑے احترام سے رکھا اور بہترین طریقے سے مہمان داری کی۔ ایک دن میں نے اپنے دل میں کہا کہ

ایک مدت سے میں بغداد سے بھرے آیا کرتا ہوں لیکن محل سے باغ اور باغ سے محل کے سوا اور کچھ میں نہیں جانتا۔ اس سے بہتر اور کب موقع ملے گا۔ آؤ بھرے کے مختلف حصوں کی سیر تو کرو۔ اکیلے چلو، خوب گشت لگاؤ اور تماشا دیکھو۔ چنانچہ میں اپنے بہترین کپڑے پہن، بھرے میں ادھر ادھر سیر کرنے کے لئے چل کھڑا ہوا۔

اے امیر المومنین! تجھے معلوم ہے کہ بھرے میں ستر ایسی سڑکیں ہیں جو ستر ستر عراقی فرخ لمبی ہیں لہذا میں وہاں کی گلیوں میں راہ بھول گیا اور مجھے پیاس معلوم ہونے لگی۔ اے امیر المومنین میں چلا جا رہا تھا کہ میری نظر ایک بڑے پھانک پر پڑی جس میں پیتل کے دو حلقے لگے ہوئے اور سرخ کنوَاب کے پردے پڑے ہوئے تھے اور اس کے دونوں طرف دو چبوترے تھے۔ پھانک کے اوپر انگور کی بیل کی ایک ٹٹی تھی جس سے اس کے اوپر سایہ پڑتا تھا۔ میں اس مکان کا نقشہ دیکھنے ٹھہر گیا۔ کھڑے ہوتے ہی مجھے ایک غمزہ نغمہ سنائی دیا جو کسی غمگین دل سے نکل رہا ہے اور میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر اس نغمے والا حسین بھی ہے تو اس میں حسن اور فصاحت اور شیریں بیانی سب موجود ہیں۔ یہ خیال کرتا ہوا میں دروازے کے پاس گیا اور پردے کو تھوڑا سرکاتا شروع کیا۔ دیکھا کہ ایک گوری گوری کنیز بیٹھی ہوئی ہے جو چودھویں رات کے چاند کی طرح حسین ہے۔ اس کی بھونیں ملی ہوئی ہیں۔ پلکیں خوابیدہ، سینے پر دو انار رکھے ہوئے، ہونٹ پتلے پتلے گویا دو عقیق، منہ گویا سلیمان کی انگوٹھی اور موتیوں کی لڑی جس سے شاعر اور نثار دونوں کی عقل دنگ ہو جائے۔ الغرض ہر حسن اساس میں موجود تھا اور مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے فتنہ تھی، آنکھ اس کے دیکھنے سے کبھی سیر نہ ہوتی۔ میں پردے میں سے اسے جھانک ہی رہا تھا کہ اس نے نظر اٹھائی اور مجھے دروازہ پر کھڑا دیکھ کر اپنی لونڈی سے کہا دیکھ دروازے پر کون ہے؟

لونڈی اٹھ کر میرے پاس آئی اور کہنے لگی، اے بوڑھے تجھے شرم نہیں آتی؟ بڑھاپا اور عیب! میں نے کہا کہ بڑھاپے کو تو میں جانتا ہوں جہاں تک عیب کا سوال ہے تو

میرے خیال میں عیب کی تو کوئی بات میں نے کی نہیں۔ اس پر لونڈی کی مالکہ بولی اس سے بڑھ کر اور کون سا عیب ہو سکتا ہے کہ اپنا گھر چھوڑ کر دوسروں کے گھر میں گھستا چلا آتا ہے اور اپنی بیوی کو چھوڑ کر دوسرے شخص کی بیوی پر نظر ڈالتا ہے۔ میں نے کہا کہ اے میری آقا میں اس میں معذور ہوں۔ اس نے پوچھا تو کس طرح معذور ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میں پردیسی ہوں اور مجھے اتنی پیاس لگی ہے کہ میں مارے پیاس کے 'مرا جا رہا ہوں۔ اس نے کہا کہ تیرا عذر مجھے قبول ہے۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو انتیس ویں رات

جب تین سو انتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- لڑکی بولی تیرا عذر معقول ہے اور اس نے اپنی لونڈی کو بلا کر کہا اے لطف سونے کے کوزے سے پانی پلا۔ لونڈی ایک سونے کا کونہ لے آئی جس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ پانی میں مشک کی لپٹ آ رہی تھی اور کونہ سبز ریشم کے رومال سے ڈھکا ہوا تھا۔

اب میں پانی پینے لگا تو ٹھہر ٹھہر کر گھونٹ گھونٹ اور کن انکھیوں سے اس لڑکی کی طرف دیکھتا جاتا۔ دیر کے بعد میں نے کونہ لونڈی کو واپس دے دیا مگر اٹھا نہیں۔ لڑکی نے کہا کہ بڑھے اب اپنا راستہ لے۔ میں نے کہا اے میری آقا میں کچھ سوچ رہا ہوں۔ اس نے پوچھا کہ تو کیا سوچ رہا ہے؟ میں بولا زمانے کا ہیر پھیر اور حادثوں کا پیش آنا۔ اس نے کہا کہ تیرا کہنا سچ ہے۔ واقعی زمانہ عجیب عجیب باتیں کرتا ہے۔ لیکن تو نے زمانے کی کون سی ایسی بات دیکھی کہ سوچ میں پڑ گیا؟ میں نے کہا کہ مجھے اس گھر کے مالک کی یاد آ رہی ہے، جب وہ زندہ تھا تو میرا دوست تھا۔ اس نے پوچھا اس کا نام کیا تھا؟ میں نے کہا کہ محمد بن علی جوہری اور وہ بڑا مالدار تھا۔ معلوم نہیں کہ اس نے کوئی اولاد بھی چھوڑی۔ اس نے کہا کہ ہاں چھوڑی ہے۔ ایک بیٹی بدور اور جسے اس کی ساری دولت ورثے میں ملی ہے۔ میں نے کہا شاید تو ہی اس کی بیٹی ہے۔ اس نے کہا ہاں اور مسکرا دی۔

اس کے بعد اس نے کہا کہ بڑھے تو بہت باتیں کر چکا، اب چلتا ہو۔ میں نے کہا کہ جاؤں گا تو سہی لیکن میں یہ دیکھتا ہوں کہ تیری صورت اتری ہوئی ہے۔ اپنا حال بتا شاید خدا میرے ہاتھ سے تجھے خوشی عطا کرے۔ اس نے کہا، اے بڑھے اگر تو بھید رکھ سکتا ہے تو میں اپنا بھید تجھ پر ظاہر کروں گی یہ بتا تو ہے کون؟ میں سمجھوں تو کہ راز داری کے قابل ہے بھی یا نہیں؟ میں نے کہا کہ اے میری آقا اگر تو جاننا چاہتی

ہے میں کون ہوں تو سن میرا نام علی بن منصور خلیعی دمشق ہے اور میں امیر المومنین ہارون الرشید کا ندیم ہوں۔

میرا نام سنتے ہی وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے مجھے سلام کیا اور کہا کہ ابن منصور خوش آمدید! اب میں تجھ پر اپنا حال بیان کروں گی اور تجھے اپنے راز کا امانت دار بناؤں گی۔ سن، میں عاشق ہوں مگر جدائی میں مبتلا۔ میں نے اس سے کہا کہ اے میری آقا تو حسین ہے، تیرا معشوق بھی حسین ہو گا۔ آخر وہ کون شخص ہے جس پر تو عاشق ہے؟ اس نے جواب دیا میں جبیر بن عمیر شیبانی پر عاشق ہوں جو بنو شیبان کا سردار ہے۔ یہ کہہ کر اس نے ایک جوان کا حلیہ بیان کیا جس سے زیادہ خوبصورت بھرے میں تو ہو گا نہیں۔ میں نے کہا کہ اے میری آقا تمہارے درمیان ملاقات یا خط و کتابت ہوئی ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں لیکن اس کا عشق محض زبانی تھا دل سے نہیں کیونکہ اس نے نہ اپنا وعدہ پورا کیا اور نہ عہد و پیمان پر قائم رہا۔

میں نے کہا، اے میری آقا تم میں جدائی کس طرح ہوئی؟ اس نے کہا کہ جدائی کا سبب یہ ہوا کہ ایک دن میں بیٹھی ہوئی تھی اور یہی لونڈی میرے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔ کنگھی کرنے کے بعد اس نے میری چوٹی گوندھی۔ میرا حسن اسے بھلا معلوم ہوا، اس نے جھک کر میرے رخسار کو بوسہ دیا۔ ہمیں اس کا علم نہ تھا کہ وہ آنے والا ہے، وہ آگیا اور اس نے دیکھا کہ لونڈی میرا رخسار چوم رہی ہے، وہ فوراً ناراض ہو کر اٹے پاؤں لوٹ گیا اور اس نے اپنے دل میں ٹھان لی کہ وہ پھر کبھی مجھ سے نہ ملے گا۔ اس دن سے آج تک وہ میرے پاس نہیں پھٹکا اور اے ابن منصور نہ اس نے خط لکھا نہ میرے خط کا جواب دیا۔ میں نے کہا پھر تو کیا چاہتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تجھے اس کے پاس ایک خط دے کر بھیجنا چاہتی ہوں اگر تو جواب لے آئے تو میں تجھے پانچ سو دینار دوں گی اور اگر بغیر جواب کے لوٹے تو تیرے آنے جانے کا خرچ ایک سو دینار۔

میں نے کہا جیسی تیری مرضی۔ اس نے کہا سر چشم۔ اس نے لونڈی سے دوات کاغذ

منگوا یا۔ خط لکھا اور مہر لگا کر مجھے دے دیا۔ میں خط لے کر جبیر بن عمیر شیبانی کے گھر پہنچا۔ معلوم ہوا کہ وہ شکار پر گیا ہوا ہے۔ بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا میں بیٹھا ہی ہوا تھا کہ وہ شکار سے لوٹا۔ اے امیر المومنین جب میں نے اسے گھوڑے پر سوار دیکھا تو اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر میری عقل دنگ ہوئی۔ اس نے نظر اٹھائی تو مجھے گلے سے لگا کر سلام کیا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ گویا میں نے ساری دنیا و مافیہا کو گلے لگا لیا۔ اس کے بعد وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر مکان کے اندر گیا۔ اپنے فرش پر بٹھایا اور کھانے کی میز منگوائی۔ وہ خراسانی خونچ کی بنی ہوئی تھی اور اس کے پائے سونے کے۔ اس پر ہر قسم کے کھانے، طرح طرح کے تیلے ہوئے اور بھنے ہوئے گوشت لگائے گئے اور اسی طرح کی دوسری چیزیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• تین سو تیسویں رات

جب تین سو تیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب علی بن منصور جبیر بن عمیر شیبانی کے دستر خوان پر بیٹھا تو جبیر نے کہا، ہمارے کھانے کی طف اپنا ہاتھ بڑھا اور اسے کھا کر ہمارا دل خوش کر۔ علی بن منصور کا بیان ہے کہ میں نے کہا، خدا کی قسم جب تک تو میری حاجت پوری نہ کر دے گا، میں تیرے کھانے میں سے ایک نوالہ بھی نہ اٹھاؤں گا۔ اس نے کہا کہ تیری حاجت کیا ہے؟ میں نے وہ خط نکال کر اسے دیا۔ اس نے اسے پڑھا اور اس کا مطلب سمجھا تو اسے پھاڑ کر زمین پر پھینک دیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ اے ابن منصور! میں تیری تمام حاجتیں پوری کرنے کے لئے تیار ہوں سوائے اس حاجت کے، جو اس پر خط کے لکھنے والی سے تعلق رکھتی ہے، اس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔ میں نے یہ سنا تو ناراض ہو کر اس کے پاس سے اٹھنے لگا۔ اس نے میرا دامن پکڑ لیا اور کہا اے ابن منصور اگرچہ میں تم دونوں کے پاس موجود نہ تھا لیکن اگر تو چاہے تو میں بتا دوں کہ اس نے تجھ سے کیا کہا ہے؟ میں نے کہا بتا، اس نے مجھ سے کیا کہا ہے؟ وہ بولا کیا اس نے تجھ سے یہ نہیں کہا کہ اگر تو اس کا جواب لائے گا تو تجھے پانچ سو دینار دوں گی اور اگر نہ لائے گا تو تیرے آنے جانے کا خرچ سو دینار؟ میں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا آج میرے ساتھ رہ جا۔ کھاپی، چمین کر، خوش ہو اور پانچ سو دینار لے۔ میں اس کے پاس بیٹھ گیا اور میں نے کھایا پیا اور مزے اڑائے اور خوش ہوا اور باتیں چیتیں کیں۔ پھر میں نے پوچھا تیرے ہاں کیا گانے بجانے کا کوئی انتظام نہیں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ایک مدت سے میں بغیر گانے بجانے ہی کے شراب پیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی ایک کنیر کو اے شجرہ الدر کہہ کر آواز دی۔ کنیر اپنی حرم سرا میں سے نکل کر آئی۔ اس کے پاس ہندوستان کی بنی ہوئی ایک سارنگی ریشم کے

غلاف کے اندر تھی۔ وہ آ کر بیٹھ گئی اور سارنگی کو اپنی گود میں رکھ کر اکیس طرح کے راگ بجائے۔

جب کنیز بجا چکی تو اس کے مالک نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ کنیز نے کہا اے بوڑھے خدا تجھ سے اس کا مواخذہ نہ کرے! آقا کی اس بے ہوشی کے ڈر سے، ہم ایک مدت گزری کہ بغیر گانے بجانے کے، شراب پیا کرتے ہیں۔ خیر اب تو اس کمرے میں جا اور سو جا۔ میں اس کمرے کی طرف چل دیا جو اس نے بتایا تھا اور وہاں جا کر سو گیا۔ صبح ہوئی تو ایک غلام ایک تھیلی لے کر آیا جس میں پانچ سو دینار تھے اور کہنے لگا۔ یہ وہ ہے جس کا وعدہ میرے آقا نے تجھ سے کیا تھا لیکن اس لڑکی کے پاس لوٹ کر نہ جایو جس نے تجھے بھیجا ہے۔ گویا نہ تجھے اس بات کی خبر ہے نہ ہمیں۔ میں نے سر و چشم کہا اور تھیلی لے کر چلتا ہوا۔ چلتے چلتے اپنے دل میں کہنے لگا کہ لڑکی کل سے میرے انتظار میں ہو گی۔ واللہ میں ضرور اس کے پاس جا کر سارا ماجرا بیان کروں گا جو میرے اور جبیر کے درمیان میں پیش آیا ہے۔ اگر میں اس کے پاس نہ گیا تو وہ مجھے اور میرے ہم وطنوں کو برا بھلا کہے گی۔ یہ سوچ کر میں اس کے پاس پہنچا۔ دیکھا کہ وہ دروازے کے پیچھے کھڑی ہے جونہی اس کی نظر مجھ پر پڑی کہنے لگی۔ اے ابن منصور تو نے میری حاجت پوری نہ کی۔ میں نے کہا تجھے کیونکر معلوم ہوا؟ وہ بولی اے ابن منصور مجھے اور باتیں بھی معلوم ہو چکی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ جب تو نے اسے خط دیا تو اس نے پھاڑ کر پھینک دیا اور تجھ سے کہا کہ ابن منصور سوائے اس خط لکھنے والی کی حاجت کے میں اور تیری تمام حاجتیں پوری کروں گا۔ صرف اس کے خط کا جواب میرے پاس نہیں۔ جب تو ناراض ہو کر اس کے پاس سے اٹھنے لگا تو اس نے تیرا دامن پکڑ لیا اور تجھ سے کہا کہ اے ابن منصور، آج تو میرے ہاں ٹھہر، تو میرا مہمان ہے۔ کھاپی مزے اڑا خوش ہو اور پانچ سو دینار لے۔ لہذا تو اس کے پاس ٹھہر گیا۔ کھایا پیا، مزے اڑائے، خوش ہوا۔ باتیں چیتیں کیں اور کنیز نے فلاں راگ بجایا۔ وہ غش کھا کر گر پڑا۔

اے امیر المومنین میں نے اس سے پوچھا کہ تو بھی وہاں موجود تھی؟ اس نے کہا اے ابن منصور کیا تو نے شاعر کا یہ قول نہیں سنا ہے؟ عاشقوں کے دلوں میں آنکھیں ہوتی ہیں جن سے وہ چیزوں کو دیکھ لیتے ہیں جو اوروں کو دکھائی نہیں دیتیں لیکن اے ابن منصور کوئی ایسی چیز کر جو اس پر زمانہ گزرے اور وہ بدلے نہیں۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• تین سو اکتیس ویں رات

جب تین سو اکتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- لڑکی نے کہا، اے ابن منصور یہ ممکن نہیں کہ زمانہ ایک چیز پر گزرے اور وہ متغیر نہ ہو۔ پھر اس نے آسمان کی طرف اپنی نظر اٹھائی اور کہنے لگی، اے میرے خدا، میرے مالک، میرے مولیٰ جس طرح تو نے جبیر بن عمیر کی محبت میں مجھے گرفتار کیا ہے، اسے بھی میری محبت میں گرفتار کر دے۔ یہ محبت میرے دل سے اس کے دل میں منتقل ہو جائے! بعد ازاں اس نے مجھے سو دینار راہ خرچ کے دیئے اور میں انہیں لے کر بھرے کے حاکم کے پاس پہنچا دیکھا کہ وہ شکار سے لوٹ آیا ہے۔ میں نے اس سے اپنا حق لیا اور بغداد واپس آ گیا۔

دوسرے سال میں اپنا حق لینے پھر بھرے گیا، حاکم نے میرا حق مجھے دیا۔ میں بغداد واپس ہونے لگا تو مجھے بدور کا خیال آ گیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ دیکھوں تو سہی کہ اس کے اور اس کے دوست کے درمیان کیا ماجرا پیش آیا۔ میں اس کے گھر پہنچا کیا دیکھتا ہوں کہ مکان کے آگے جھاڑو دی گئی ہے چھڑکاؤ کیا گیا ہے نوکر چاکر اور غلام کھڑے ہیں۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ غالباً رنج کی وجہ سے اس کا دل ٹوٹ گیا اور وہ مر گئی ہے اور اس کے مکان میں کوئی امیر رہنے آیا ہے چنانچہ میں اسے چھوڑ کر جبیر بن عثمانی شیبانی کے گھر پہنچا دیکھا اس کے چبوترے ٹوٹے پڑے ہیں پہلے کی طرح وہاں نہ کوئی غلام ہے نہ عیش کا سامان۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ شاید وہ بھی مر گیا اور اس کے دروازے پر کھڑا ہو کر آنسو بہانے لگا۔

اے امیر المومنین، میں گریہ وزاری کر رہا تھا کہ ایک حبشی غلام مکان سے نکل کر میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے بوڑھے تیرا ستیاناس ہو! تو کیوں اس مکان پر گریہ وزاری کر رہا ہے؟ میں نے جواب دیا، میں اس مکان میں اپنے ایک دوست سے

ملنے آیا کرتا تھا۔ اس نے پوچھا اس کا نام کیا تھا؟ میں نے کہا کہ جبیر بن عمیر شیبانی۔ وہ بولا اس پر کیا گزری ہے؟ خدا کے فضل سے وہ ایسا ہی امیر اور دولت مند ہے لیکن خدا نے اسے ایک لڑکی کی محبت میں گرفتار کر رکھا ہے جس کا نام بدور ہے وہ اس کے عشق میں سرتاپا ڈوبا ہوا ہے۔ محبت کے مارے وہ اس طرح پڑا رہتا ہے جیسے پتھر۔ اگر اسے بھوک لگتی ہے تو وہ نہیں کھتا کہ مجھے کھانا کھلاؤ۔ اگر پیاس لگتی ہے تو پانی نہیں مانگتا۔ میں نے کہا کہ اس سے میرے لئے اجازت لے آ کہ میں مل سکوں۔ اس نے کہا تو ایسے شخص سے ملنا چاہتا ہے جو تیری بات سمجھے یا اس سے جو نہ سمجھے؟ میں نے کہا کہ جو کچھ بھی ہو میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ غلام اجازت لینے کے لئے اندر گیا اور اجازت لے آیا۔ میں اندر گیا تو دیکھا کہ وہ پتھر کی طرح پڑا ہوا ہے۔ نہ اٹھا نہ سمجھتا ہے نہ کوئی بات۔ جب میں اس سے کچھ کہتا.... تو وہ میرا منہ دیکھنے لگتا۔ ایک خادم نے مجھ سے کہا کہ اے میرے آقا اگر تجھے کوئی شعر یاد ہو تو اس کے سامنے پڑھ اور اونچی آواز سے سن۔ اسے سن کر وہ بیدار ہو جائے گا اور تجھ سے باتیں کرے گا۔ میں نے کچھ اشعار پڑھے تو اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور مجھ سے کہا کہ اے ابن منصور خوش آمد! مذاق سنجیدہ ہو گیا۔ میں نے کہا کہ اے میرے آقا میں تیرے کس کلام آسکتا ہوں؟ اس نے جواب دیا، ہاں میں چاہتا ہوں کہ تیرے ہاتھ اس کے پاس خط بھیجوں اگر تو جواب لے آیا تو میں تجھے ایک ہزار دینار دوں گا اور اگر بغیر جواب کے لوٹا تو تیرا راہ خرچ سو دینار۔ میں نے کہا کہ تیری مرضی۔ اور شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• تین سو بتیس ویں رات

جب تین سو بتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- ابن منصور کا بیان ہے کہ میں نے کہا جو تیری مرضی۔ جبیر نے ایک کنیز کو بلا کر دوات، قلم اور کلغذ منگایا، وہ لے آئی تو اس نے خط لکھ کر اس پر مہر لگائی اور مجھے دے دیا۔ میں اسے لے کر بدور کے گھر گیا اور پہلے دن کی طرح پردہ تھوڑا تھوڑا اٹھایا۔ دیکھا کہ دس ابھرے ہوئے سینے والی کنواری لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں اور بدور ان کے درمیان ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے ستاروں کے بیچ میں چودھویں رات کا چاند یا سورج جو بادلوں کے پیچھے سے نکلا ہو۔ اس کے چہرے پر نہ غم ہے نہ الم۔ میں اس کی طرف دیکھ ہی رہا تھا اور اس کی حالت پر حیران تھا کہ اس نے میری طرف نظر اٹھائی اور دیکھا کہ میں دروازے پر کھڑا ہوں۔ کہنے لگی: اہل و سہلا مرحبا، اندر آ۔ میں نے اندر جا کر اسے سلام کیا اور خط دیا۔ اس نے پڑھا اور مطلب سمجھا تو ہنسنے لگی اور کہا اے ابن منصور میں ابھی جواب لکھتی ہوں تا کہ جس چیز کا اس نے تجھ سے وعدہ کیا ہے، تجھے دے۔ میں نے کہا خدا تجھے نیک بدلہ دے!

اس نے ایک لونڈی کو آواز دے کر کہا لکھنے کا سامان لا۔ لونڈی قلم دوات اور کلغذ لے آئی تو اس نے خط لکھا۔ میں نے کہا، اے میری آقا واللہ اس کے اور موت کے درمیان اسی خط کی کسر ہے۔ یہ کہہ کر میں نے اسے پھاڑ ڈالا اور کہا دوسرا خط لکھ۔ وہ بولی سر آنکھوں سے اور دوسرا خط لکھا۔ میں نے کہا کہ اے میری آقا واللہ اس کے پڑھتے ہی اس کی روح جسم سے نکل جائے گی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اے ابن منصور کیا واقعی محبت اس درجہ بڑھی ہوئی ہے جو تو اس طرح کہتا ہے؟ میں نے کہا اگر میں اس سے بھی زیادہ کہوں تو وہ درست ہو گا لیکن بڑے لوگ معاف کر دیا

کرتے ہیں۔ جب اس نے میری باتیں سنیں تو اس کی آنکھیں ڈبڈبائیں اور اس نے ایک ایسا خط لکھا کہ اے امیر المومنین تیرے منشیوں میں کوئی شخص ویسا نہیں لکھ سکتا۔
URDU4U.COM
جب وہ لکھ چکی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• تین سو تینتیس ویں رات

تین سو تینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- بدور نے خط لکھ کر اس پر مہر لگا کر مجھے دے دیا۔ میں نے کہا کہ اے میری آقا یہ خط بیمار کی دوا اور محبت کے مارے ہوئے کی شفا ہے اور میں خط لے کر چل دیا۔ جب چلا ہی تھا کہ اس نے مجھے پھر بلایا اور کہا کہ اس سے کہیو کہ میں آج تیری مہمان ہوں گی۔ میں بہت خوش ہوا اور خط لے کر جبیر بن عمیر کے پاس روانہ ہو گیا۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ اس کی آنکھیں جواب کے انتظار میں دروازے سے لگی ہوئی ہیں۔ میں نے اسے خط دیا۔ اس نے کھولا، پڑھا اور اس کا مفہوم سمجھا اور ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ہوش آیا تو بولا، اے منصور کیا اس نے یہ اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ اور اسے اپنی انگلیوں سے چھوا ہے؟ میں نے کہا، اے میرے آقا کیا لوگ اپنے پاؤں سے لکھا کرتے ہیں!

اے امیر المومنین، واللہ ابھی ہم یہ باتیں ختم بھی نہ کرنے پائے تھے کہ ہمیں دہلیز میں اس کے جھانجنوں کی آواز سنائی دی۔ وہ آگئی تھی۔ اسے دیکھ کر جبیر کھڑا ہو گیا گویا کہ اسے کبھی کوئی رنج نہ ہوا تھا اور اس طرح اس کو لپٹا لیا جیسے لام الف کو۔ اس کی بیماری جو ثلثی نظر نہ آتی تھی، فوراً دور ہو گئی۔ اس کے بعد وہ بیٹھ گیا مگر لڑکی نہ بیٹھی۔ میں نے کہا اے میری آقا تو کیوں نہیں بیٹھتی؟ اس نے جواب دیا اے ابن منصور بغیر اس شرط کے جو ہمارے درمیان میں ہے میں نہیں بیٹھ سکتی۔ میں نے پوچھا کہ وہ کیا شرط ہے؟ وہ بولی عاشقوں کے بھید سے کوئی دوسرا واقف نہیں ہوتا۔ یہ کہہ کر وہ اپنا منہ اس کے کان پر کے پاس لے گئی اور چپکے چپکے کچھ کہا اور اس نے جواب دیا کہ بسر و چشم۔ پھر جبیر نے اٹھ کر اپنے غلام کے کان میں کچھ کہا۔ غلام چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد قاضی اور دو گواہوں کو لے کر واپس آیا۔

جبیر اٹھ کر ایک لاکھ دینار کا ایک توڑا لے آیا اور قاضی سے کہنے لگا میرا نکاح اس لڑکی سے پڑھا دے اور یہ اس کا مر ہے۔ قاضی نے لڑکی سے کہا کہ تجھے منظور ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے منظور ہے اور نکاح ہو گیا۔

اب لڑکی نے تھیلی کھول کر اس میں سے مٹھی بھر اشرفیاں نکالیں اور قاضی اور گواہوں کو دے دیں۔ باقی تھیلی اسے واپس کر دی۔ قاضی اور گواہ چلتے ہوئے۔ میں اور وہ دونوں بیٹھ کر خوشیاں منانے لگے یہاں تک کہ رات کا بڑا حصہ گزر گیا۔ اب میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ وہ دونوں عاشق ہیں اور مدت تک ایک دوسرے سے جدا رہے ہیں۔ بہتر ہے کہ میں فوراً اٹھ کر ان سے دور کسی جگہ جا کر سو رہوں اور انہیں اکیلا چھوڑ دوں۔ اس خیال سے میں اٹھا مگر اس نے میرا دامن پکڑ لیا اور کہنے لگی کہ اس وقت تیرے دل میں کیا خیال گزرا ہے؟ میں نے کہا محض فلاں خیال۔ اس نے کہا بیٹھ۔ جب ہم چاہیں گے تو چلا جائے تو ہم خود تجھے چلتا کر دیں گے۔ میں ان کے ساتھ صبح کے قریب تک بیٹھا رہا۔ جب صبح ہونے کو آئی تو لڑکی نے کہا کہ اے ابن منصور اس کمرے میں چلا جا کیونکہ ہم نے تیرے لئے فرش بچھوا دیا ہے اور وہ تیرا سونے کا کمرہ ہے۔ میں جا کر اس میں سو گیا۔

علی الصباح ایک غلام تشت اور لوٹا لایا۔ میں نے وضو کر کے صبح نماز پڑھی اور بیٹھ گیا۔ بیٹھا ہی تھا کہ جبیر اور اس کی محبوبہ حمام سے نکلے جو مکان کے اندر تھا۔ اور اپنے بال نچوڑنے لگے۔ میں نے ان سے صباح بخیر کہا اور ان کی سلامتی اور ایک دوسرے سے ملنے پر مبارکباد دی اور جبیر سے کہا کہ جو چیز شرط سے شروع ہوتی ہے، رضا مندی پر ختم ہوتی ہے۔ وہ بولا تو سچ کہتا ہے اور تو انعام و اکرام کا مستحق ہو چکا ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے خانگی خزانچی کو آواز دی اور اس سے کہا کہ تین ہزار دینار لے آ۔ وہ تین ہزار دینار کا ایک اور توڑا لے آیا۔ جبیر نے مجھ سے کہا کہ انہیں قبول کر کے مجھ پر احسان کر۔ میں نے کہا میں اس وقت تک قبول نہ کروں گا جب تک کہ تو یہ نہ بتائے کہ عشق اس سے منتقل ہو کر تیرے دل میں کس طرح آ

گیل۔ تو تو اس سے دور بھاگتا تھا۔ اس نے کہا، سن ہمارے ہاں ایک میلہ ہوتا ہے جس کا نام نو روز کا میلہ ہے۔ اس روز لوگ کشتیوں میں سوار ہو کر سمندر کی سیر کرتے ہیں۔ میں بھی اس روز اپنے ساتھیوں کے ساتھ سیر کرنے نکلا۔ میں نے دیکھا کہ ایک کشتی میں دس کنیزیں سوار ہیں جو چاند کی طرح ہیں اور شریف زادی بدور ان کے ساتھ ہے۔ سارنگی اس کے پاس ہے۔ اس نے اس پر گیارہ مختلف راگ بجائے۔ میں نے کہا کہ پھر بجا لیکن وہ نہ مانی۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• تین سو چونتیس ویں رات

جب تین سو چونتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- جبیر کا بیان ہے کہ میں نے لڑکی سے کہا کہ دو بارہ بجایا لیکن اس نے نہ مانا۔ میں نے ملاحوں سے کہہ کر اس کی طرف اتنی نارنگیاں پھینکوائیں کہ میں ڈرنے لگا کہ کہیں کشتی ڈوب نہ جائے جس میں وہ بیٹھی ہوئی ہے۔ اس کے بعد وہ چلتی ہوئی۔ بس اسی دن سے محبت اس کے دل سے منتقل ہو کر میرے دل میں آ گئی۔ میں نے انہیں ایک دوسرے سے ملنے پر مبارک باد دی اور اس توڑے کو لیکر بغداد چلا آیا۔ یہ کہانی سن کر خلیفہ خوش ہو گیا اور اس کی بیداری اور دل کی تنگی جاتی رہی۔

○ ایکے یمنی اور اس کے چھ کنیزوں کی کہانی

سننے میں آیا ہے کہ ایک روز امیر المومنین مامون اپنے محل میں بیٹھا تھا، امراء، رؤساء، شعراء اور ندما حاضر تھے۔ اس کے ندیموں میں ایک ندیم محمد بصری تھا۔ مامون نے اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے محمد! میں چاہتا ہوں کہ تو اس وقت کوئی ایسی چیز سنائے جو میں نے کبھی نہ سنی ہو۔ اس نے عرض کیا! امیر المومنین تو چاہتا ہے کہ میں سنی سنائی کوئی کہانی کہوں یا آپ بیتی؟ مامون نے کہا کہ دونوں میں سے جو زیادہ عجیب ہو، وہ سن۔ اس نے کہا امیر المومنین سن! اگلے زمانے میں ایک بڑا امیر شخص تھا، یمن کا رہنے والا۔ وہ ایک بار جو یمن سے بغداد آیا تو یہاں کی ماند و بود اسے کچھ ایسی اچھی معلوم ہوئی کہ اپنے بیوی بچوں اور مال و دولت کو لے کر مستقل طور پر یہاں آ رہا۔ اس کے پاس چاند سی چھ کنیزیں تھیں۔ ایک گوری، دوسری گندی، تیسری موٹی، چوتھی دہلی، پانچویں زرد اور چھٹی کالی۔ وہ سب خوبصورت تھیں۔ خوب پڑھی لکھی اور

گلنے بجانے میں استاد۔ ایک دن اس نے ان کنیزوں کو بلایا، کھانا اور شراب منگوائی۔ سب کو اپنے پاس بٹھا کر کھلایا پلایا۔ جب وہ کھا پی کر مزے میں آگئیں تو اس نے ایک جام بھر کر اپنے ہاتھ میں لیا اور گوری کنیز کی طرف اشاہہ کر کے کہا، اے چاند سے مکھڑے والی کوئی مزے دار گانا سنا۔ کنیز نے سارنگی لے کر اس کا ٹھاٹ ملایا اور اس خوبی سے بجایا کہ مکان ناچنے لگا۔ ان کے آقا نے خوشی میں آ کر وہ جام پی لیا اور کنیزوں کو بھی پلائے۔ پھر اس نے دوسرا جام بھر کر گندی کنیز کی طرف اشاہہ کیا اے انگلیٹھی کی روشنی اور ممکتے ہوئے سانس والی اپنی پیاری آواز سنا جسے لوگ سن کر محو ہو جاتے ہیں۔ اس نے سارنگی کے کئی راگ بجائے اور اس کے نغموں سے مکان گونج اٹھا۔ اس نے اپنے انداز سے دلوں کو فریفتہ کر لیا۔

آقا نے سرور ہو کر جام پی لیا اور کنیزوں کو بھی دیئے۔ اس کے بعد تیسرا جام بھر کر اس نے اپنے ہاتھ میں لیا اور موٹی کنیز کی طرف اشاہہ کر کے کہا کہ گا کوئی دوسرا راگ بجا۔ اس نے سارنگی لے کر ایسا زمزمہ چھیڑا کہ جس سے تمام حسرتیں دور ہو جائیں۔ ان کا مالک خوش ہو گیا اور جام لے کر کنیزوں کو پلایا اور پھر جام بھر کر اس نے اپنے ہاتھ میں لیا اور دہلی کنیز کی طرف اشاہہ کیا اور کہا، اے جنت کی حور میٹھی میٹھی چیزیں سنا۔ اس نے سارنگی لے کر اس کے تار ملائے اور مختلف راگ گلنے بجانے لگی۔ آقا کو بڑی فرحت ہوئی اور جام چڑھا گیا۔ پھر اس نے ایک جام بھر کر اپنے ہاتھ میں لیا اور زرد رو کنیز کی طرف اشاہہ کر کے کہنے لگا کہ اے دن کے سورج! عمہ اشعار سنا، اس نے سارنگی لے کر بہترین راگ بجائے، مالک خوش ہو گیا۔ خود پی اور کنیزوں کو پلائی۔ اب ایک اور جام بھر کر اپنے ہاتھ میں لیا اور کالی کنیز کی طرف اشاہہ کر کے کہا، اے آنکھ کی پتلی تو بھی کچھ سنا، خواہ دو ہی بول کیوں نہ ہوں۔ اس نے سارنگی لے کر اسے ٹھیک کیا اور طرح طرح کے راگ بجانے شروع کئے۔

گلنے بجانے سے فارغ ہو کر کنیزوں نے اپنے آقا کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور کہا،

اے آقا ہمارے درمیان فیصلہ کر۔ آقا نے ان کے حسن و جمال اور مختلف رنگوں کو دیکھا، خدا کی حمد و ثنا کی اور ان سے کہنے لگا کہ تم میں سے کوئی ایسی نہیں جس نے قرآن نہ پڑھا ہو، راگ نہ سیکھے ہوں اور جو پرانے لوگوں کی تاریخ اور گزشتہ قوموں کے حالات سے واقف نہ ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے ہر ایک باری باری اٹھے اور اپنی سوکن کی طرف اشارے کرے۔ مثلاً گوری، گندمی کی طرف اور موٹی، دہلی کی طرف اور زرد، کالی کی طرف اور اپنی تعریف اور اپنی سوکن کی مذمت بیان کرے۔ اس کے بعد وہ سوکنیں بھی ایسا ہی کریں لیکن قرآن اور تاریخ اور اشعار سے دلیل پیش کی جائے تا کہ میں تمہاری لیاقت اور شیریں بیانی کو دیکھوں۔ وہ بولیں جو آقا کا حکم۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتے دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• تین سو پینتیس ویں رات

جب تین سو پینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا 'اے نیک نہاد بادشاہ -----' یہی
 سے اس کی کنیزوں نے کہا کہ جو آقا کا حکم اور ان میں سے پہلے گوری اٹھی اور کالی
 کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی اے کالی حیف ہو تجھ پر۔ وارد ہوا ہے کہ سفیدی
 نے کہا میں چمکتا ہوا نور ہوں 'میں نکلتا ہوا چاند ہوں' میرا رنگ کھلا ہوا ہے 'میری
 پیشانی چمکتی ہوئی.... میرے حسن پر شاعروں نے نظمیں کی نظمیں کہہ ڈالی ہیں میرا
 رنگ تندرست دن 'چنے ہوئے پھولوں اور چمکتے ہوئے تاروں کی طرح ہے۔ خدا نے اپنی
 بزرگ کتاب میں موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اپنے ہاتھ کو گریبان میں ڈال کر نکال
 اور وہ سفید ہو جائے گا مگر کسی بیماری سے نہیں۔ اور خدا نے یہ بھی کہا ہے کہ
 جن لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے 'ان کے رہنے کی جگہ خدا کی رحمت ہے۔ لہذا میرا
 رنگ ایک چمکدار چیز ہے۔ میرے حسن و جمال کا کیا کہنا۔ میرے رنگ کے لوگوں پر
 لباس بھلا معلوم ہوتا ہے 'دل مائل ہوتے ہیں اور سفیدی میں اور بھی خوبیاں ہیں۔ منجملہ
 ان کے یہ کہ برف جو آسمان سے گرتی ہے سفید ہوتی ہے۔ وارد ہوا کہ بہترین رنگ
 سفید ہے۔ مسلمان سفید پگڑیوں پر فخر کرتے ہیں۔ اگر میں اس کی ساری تعریفیں بیان
 کروں تو بہت لمبا چوڑا ہو جائے گا۔ کم اور کافی چیز اس سے بہتر ہے جو زیادہ اور بے
 سود ہو اور لے اب میں تیری برائی کرتی ہوں۔ اے کالی اور روشنائی کے رنگ والی تو
 لوہار کی خاک کے مانند اور کوئے کے چہرے کی طرح ہے جو دوستوں میں جدائی ڈالتا
 ہے۔ شاعروں نے سفیدی کی تعریف اور سیاہی کی مذمت کی ہے۔

تاریخ میں ہے کہ نوح علیہ السلام ایک رات سو رہے تھے ان کے دونوں بیٹے سام اور
 حام ان کے پاس بیٹھے تھے کہ ہوا چلی 'ان کے کپڑے اٹھ گئے اور جسم کا پوشیدہ
 حصہ کھل گیا۔ حام اسے دیکھ کر ہنسنے لگا اور ڈھانکا نہیں لیکن سام نے اٹھ کر ڈھانک

دیا۔ اتنے میں ان کے باپ کی آنکھ کھل گئی چونکہ دونوں بیٹوں کا حال انہیں معلوم ہو چکا تھا، انہوں نے سام کو دعا اور حام کو بد دعا دی۔ سام کا چہرہ سفید ہو گیا اور تمام انبیاء اور خلیفہ اور بادشاہ اسی کی اولاد ہیں۔ لوگ اس پر متفق ہیں کہ حبشیوں میں عقل کم ہوتی ہے اور وہ ضرب المثل ہے کہ حبشی عقل مند کس طرح ہو سکتا ہے! اس کے آقا نے کہا کہ بس بیٹھ جا۔ اس قدر کافی ہے بلکہ تو نے بہت زیادہ بیان کیا۔

پھر اس نے کالی کنیر کی طرف اشارہ کیا، وہ اٹھی اور گوری کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی تجھے معلوم نہیں کہ قرآن میں آیا ہے کہ ”قسم ہے رات کی جب وہ تاریک ہو اور دن کی جب وہ خوب روشن ہو۔“ اگر رات میں دن سے زیادہ بڑائی نہ ہوتی تو خدا اس کی قسم دن سے پہلے نہ کھاتا، سمجھ دار اور دانش مند لوگ اس سے اتفاق نہ کرتے۔ تجھے معلوم نہیں کہ سیاہی جوانی کی زینت ہے۔ سر سفید ہو جاتا ہے تو لذتیں جاتی رہتیں ہیں اور آدمی موت کے دن گننے لگتا ہے۔ اگر سیاہی کا درجہ سب سے بڑا نہ ہوتا تو خدا اسے دل اور پتلی میں جگہ نہ دیتا۔ اور یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ دوستوں کی صحبت رات میں بھلی معلوم ہوتی ہے۔ محض اس بڑائی اور فائدے کا ذکر تیرے لئے کافی ہونا چاہیے کیونکہ رات کی تاریکی کی طرح اور کوئی چیز دوست و احباب کو چغل خوروں، ملامت کرنے والوں سے نہیں بچاتی اور دن کی سفیدی سے زیادہ کوئی چیز انہیں رسوا نہیں کرتی۔ دیکھ رات کی تاریکی میں کتنی خوبیاں ہیں! اگر میں سیاہی کی تعریف بیان کرتی چلی جاؤں تو اس کی تفصیل بہت لمبی چوڑی ہو جائے گی لیکن جو بات تھوڑی ہو اور کافی، وہ اس سے بہتر ہے جو زیادہ ہو اور بیکار۔

اے گوری تیرا رنگ کوڑھ کا رنگ ہے، تیرے وصال سے مرد کا دم گھٹتا ہے اور وارد ہوا ہے کہ سردی اور ٹھنڈک جہنم میں نا فرمانوں کے عذاب کے لئے ہے۔ کالوں کی فضیلت یہ بھی ہے کہ روشنائی جس سے قرآن لکھا جاتا ہے سیاہ ہے، اگر سیاہ مشک اور سیاہ عنبر نہ ہوتا تو اور کون سی خوشبوئیں بادشاہوں کے پاس لوگ لے جاتے۔ سیاہی

میں اور بہت سی خوبیاں ہیں۔ اس کے آقا نے کہا کہ بیٹھ جا جتنا تو نے کہا وہ کافی ہے۔ وہ بیٹھ گئی اور آقا نے موٹی کنیر کی طرف اشارہ کیا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو چھتیس ویں رات

جب تین سو چھتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- یمنی نے جو کنیزوں کا آقا تھا موٹی کنیز کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے اٹھ کر دہلی کی طرف اشارہ کیا اور اپنے پائیچے اور آستینیں چڑھالیں۔ پیٹ کھول دیا اور یہاں تک کہ

اس کی پٹین اور ناف کی گولائی دکھائی دینے لگی۔ اس نے ایک اٹنگی قمیص پہن لی جس سے اس کا سارا بدن کھل گیا اور کہنے لگی شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے پیدا کیا اور خوب پیدا کیا! موٹا بنایا اور کیا خوب موٹا بنایا! گدوں کا ہم شکل بنایا اور بہت زیادہ خوبصورتی اور رونق بخشی اور اپنی بزرگ کتاب میں میرا ذکر کر کے مجھے قرب اور شرف بخشا۔ اس کا قول ہے کہ ”وہ ایک موٹا بچھڑا لایا۔“ خدا نے مجھے ایک ایسے باغ کی طرح بنایا ہے، جس میں شفتالوں اور انار ہوں۔ شہر والے موٹی چڑیوں کو مزہ لے کر کھاتے ہیں اور دہلی چڑیوں کو پسند نہیں کرتے۔ سارے انسان موٹے گوشت کو پسند کرتے ہیں۔ موٹائی میں اور بھی بہت سی خوبیاں ہیں۔ اگر کوئی شخص قصاب کی دکان پر جاتا ہے تو موٹا ہی گوشت طلب کرتا ہے۔ حکماء کا قول ہے کہ مزہ تین چیزوں میں ہوتا ہے۔ گوشت کھانے، گوشت پر سوار ہونے اور گوشت کے اندر گوشت داخل کرنے میں۔ اے جھانکڑ تیری پنڈلیاں پدڑی کی پنڈلیوں اور تنور کی سلاخ کی طرح ہیں۔ تو ایسی ہے جیسے پھانسی کا تختہ یا دبلا گوشت اور تجھ میں کوئی ایسی چیز نہیں جس سے دل خوش ہو۔ اس کے آقا نے کہا کہ بیٹھ جاؤ، بس اتنا ہی کافی ہے اور وہ بیٹھ گئی۔

اس کے بعد اس نے دہلی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اٹھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بید کی چھڑی یا خیزران کی شنی یا سبحان کی لکڑی ہے وہ کہنے لگی کہ شکر ہے خدا کا جس نے مجھے پیدا کیا اور خوبصورت بنایا اور میرے وصل کو انتہائی مقصد کا درجہ عطا کیا اور

مجھے ایسی ٹہنی کی طرح بنایا جس کی طرف دل مائل ہوں۔ اگر میں اٹھتی ہوں تو پھرتی سے اور بیٹھتی ہوں تو ادا سے۔ مذاق میں حاضر جواب ہوں اور خوشی کی وجہ سے دل شاد رہتی ہوں۔ میں نے یہ کبھی نہیں سنا کہ کوئی اپنی محبوبہ کی یہ تعریف کرتا ہو کہ وہ ہاتھی کی طرح ہے یا لمبے چوڑے پہاڑ کی مانند ہے بلکہ معشوق کی تعریف یہ ہے کہ اس کا قد کشیدہ اور بدن چھریا ہو۔ تھوڑے کھانے سے میرا پیٹ بھر جاتا ہے۔ تھوڑے پانی سے میری پیاس بجھ جاتی ہے۔ میں اٹھنے بیٹھنے میں سبک ہوں اور میرا مزاج ظریف ہے۔ میں چڑیا سے زیادہ خوش مزاج ہوں اور زر زور سے زیادہ پھرتیلی ہوں۔ عاشق میرے وصال کے خواہش مند رہتے ہیں، میرا جسم نازک ہے۔ میری مسکراہٹ لوگوں کو بھاتی ہے۔ میں بید کی چھڑی یا خیزران کی لکڑی ہوں۔ حسن میں میرا کوئی نظیر نہیں۔ مجھ ہی جیسوں پر عاشق مزاج دیوانے رہتے ہیں اور مشتاق پریشان۔ اگر میرا چاہنے والا مجھے اپنی طرف کھینچتا ہے تو میں آسانی سے کھنچ جاتی ہوں اور اگر وہ مجھے اپنی طرف مائل کرنا چاہتا ہے تو میں مائل ہو جاتی ہوں، اسے دق نہیں کرتی اور تو اے موٹی، ہاتھی کے جتنا کھاتی ہے، تو نہ تھوڑے سے سیر ہوتی ہے اور نہ بہت سے۔ تیرے عاشق کو تجھ سے آرام نہیں ملتا۔ کسی کروٹ اسے چین نہیں آتا۔ تیرے موٹاپے کی وجہ سے وہ تجھ سے خوش نہیں رہ سکتا، تیرے موٹاپے میں نہ خوبصورتی ہے، نہ مزہ، نہ لطف۔ موٹا گوشت سوائے ذبح کرنے کے اور کسی کام کا نہیں۔ نہ اس کی کوئی تعریف کی جا سکتی ہے۔ اگر تجھ سے کوئی مذاق کرے تو خفا ہو جاتی ہے۔ اگر کھیلے تو غمگین ہو جاتی ہے۔ اگر تو ناز و ادا سے کام لیتی ہے تو ریگتی ہے، اگر چلتی ہے تو زبان نکال دیتی ہے، اگر کھاتی ہے تو سیر نہیں ہوتی۔ تو پہاڑ سے زیادہ بھاری اور گناہ اور وبال سے زیادہ بد صورت ہے۔ تجھ میں نہ حرکت نہ نہ برکت۔ سوا کھانے اور سونے کے تیرا اور کوئی کام نہیں۔ اگر تو پیشاب کرتی ہے تو شر شر اور اگر پاخانہ پھرتی ہے تو کوئی تیری آب دست کرائے۔ یہ انتہا درجے کی سستی ہے اور گناہوں کی ابتدا۔ قصہ مختصر تجھ میں ایک بھی خوبی نہیں۔ اس کے آقا نے کہا کہ بیٹھ جا بس اتنا کافی ہے اور

وہ بیٹھ گئی۔

بعد ازاں اس نے زرد کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اٹھی اور اس نے پہلے خدا کی حمد و ثناء کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام بھیجا اور پھر گندی کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• تین سو سینتیس ویں رات

تین سو سینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- زرد رنگ والی کنیر اٹھ کھڑی ہوئی اور خدا کی حمد و ثناء کرنے کے بعد گندی رنگ کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ میری تعریف قرآن کریم میں آئی ہے۔ خدا نے میرے رنگ کی تعریف کی ہے اور اسے باقی تمام رنگوں پر فضیلت دی ہے۔ وہ قرآن میں کہتا ہے کہ ”وہ زرد ہے بہت زیادہ زرد جسے دیکھ کر لوگ خوش ہو جاتے ہیں۔“ لہذا میرا رنگ قرآن کی آیت ہے۔ میرا حسن و جمال انتہائی، میرا رنگ، دینار کا رنگ، اور تاروں، چاندوں اور سیب کا رنگ ہے۔ میری شکل بلح لوگوں کی شکل ہے۔ زعفران کا رنگ تمام رنگوں پر سبقت لے گیا ہے۔ میری شکل اور میرا رنگ عجیب و غریب ہے۔ میرا بدن نرم ہے، میں مہنگی ہوں اور تمام عمدہ عمدہ خوبیاں مجھ میں پائی جاتی ہیں۔ خالص سونے کی طرح میرا رنگ بھی کیاب ہے۔ مجھ میں اور کتنی ہی خوبیاں ہیں۔ گندی رنگ والی اب اپنی مذمت سن۔ تیرا رنگ بھینس کا رنگ ہے۔ تجھے دیکھ کر روہیں کانپ اٹھتی ہیں۔ اگر تیرا رنگ کسی چیز میں ہو تو لوگ اس کی مذمت کرنے لگتے ہیں۔ اگر کھانے میں ہو تو وہ زہر آلود ہے۔ تیرا رنگ مکھیوں کا رنگ ہے اور اگر کتے میں بھی ہو تو وہ عجیب سمجھا جاتا ہے اور وہ رنگوں کو گڈمڈ کر دیتا ہے۔ یہ غم زدگی کی نشانی ہے۔ کبھی کسی نے یہ نہ سنا ہو گا کہ سونا یا موتی یا ہیرے گندی رنگ کے ہوتے ہیں۔ جب تو پاخانے جاتی ہے تو تیرا رنگ بدل جاتا ہے۔ وہاں سے نکلتی ہے تو زیادہ بد صورت ہو جاتی ہے۔ تو نہ کالی ہے کہ پہچانی جائے۔ نہ گوری ہے کہ تیری تعریف کی جاسکے۔ نہ تجھ میں اور کوئی خوبی ہے۔ اس کے آقا نے کہا کہ بیٹھ جا بس اتنا کافی ہے اور وہ بیٹھ گئی۔

اب اس نے گندی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بڑی حسین و جمیل تھی۔ اس کا قد و قامت

نہایت موزوں تھا اور کمال درجے کا آب و تاب والا۔ اس کا بدن گدگدا، بال کالے کالے اور رخسار گلاب کی طرح تھے، آنکھیں سرمئی، چہرہ ملیح، زبان فصیح، کمر پتلی اور کولہ بھاری، اس نے کہا، شکر ہے خدا کا جس نے مجھے نہ موٹا بھدا بنایا، نہ دبلا جھانکڑ سا، نہ کوڑھ سا سفید، نہ بیماری جیسا زرد اور نہ کونکے سا کالا۔ بلکہ میرے رنگ پر عقل مند لوگ گرویدہ ہوتے ہیں اور شاعر ہزار زبان سے گندمی رنگ والوں کی تعریف کرتے ہیں۔ اس کو سارے رنگوں پر ترجیح دیتے ہیں کیونکہ گندمی رنگ والے کی خوبصورتی تعریف کے قابل ہوتی ہے۔ میں ملیح ہوں، میرا قد و قامت دل پسند، میرا رنگ بادشاہوں کو مرغوب ہے، ہر امیر و غریب اس پر عاشق ہے۔ میں نہایت ہلکی پھلکی نمکین اور ناز و انداز والی ہوں۔ میرا بدن گدگدا ہے اور قیمت گراں، پھبن ہنر اور فصاحت مجھ میں کمال کا درجہ رکھتے ہیں۔ میرا ناک نقشہ پیارا ہے۔ میری زبان شیریں، مزاج خوش اور اٹھنا بیٹھنا خوبصورتی کے ساتھ ہے اور تو، ملوخیہ کے پودے کی طرح ہے جو باب اللوق کے آس پاس اگتا ہے۔ زرد رنگ اور سوا جڑ کے کچھ نہیں۔ لعنت ہو تجھ پر اے قصاب کی ہانڈی، تاجے کے زنگ، الو کے چہرے اور زقوم کے پھل۔ جو تیرے ساتھ سوئے، اسے سانس نہ آئے بلکہ زندہ درگور ہو جائے۔ تیرا حصہ حسن میں بالکل نہیں۔ اس کے بعد اس کے آقا نے کہا بیٹھ جا اتنا کافی ہے۔ پھر اس کے بعد اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئے دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• تین سو اڑتیس ویں رات

جب تین سو اڑتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- پھر اس کے بعد اس کے آقا نے اس سے کہا کہ بیٹھ جا، اتنا کافی ہے اور سب میں صلح کرا دی۔ انہیں عمدہ عمدہ پوشاکیں پہننے کو دیں جن میں بحری اور بری جواہرات ٹنکے ہوئے تھے۔ اے امیر المومنین میں نے کبھی کسی جگہ ان کنیزوں سے زیادہ خوبصورت کنیزیں نہ دیکھیں۔ مامون نے محمد بصری سے یہ کہانی سنی تو وہ اس کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا اے محمد کیا تو جانتا ہے کہ یہ کنیزیں اور ان کا آقا کہاں رہتا ہے؟ اور کیا تو ان کے آقا سے ہمارے لئے خرید سکتا ہے؟ محمد نے کہا، اے امیر المومنین میں نے سنا ہے کہ آقا کون ان سے بڑا انس ہے اور ان کی جدائی وہ برداشت نہیں کر سکتا۔ مامون نے کہا کہ ہر کنیز کے عوض اس کے مالک کو دس ہزار دینار دے، یہ کل ساٹھ ہزار دینار ہوتے ہیں۔ تو یہ رقم لے جا کر اس کے گھر جا اور انہیں خرید لا۔ محمد بصری دینار لے کر اس کے پاس روانہ ہو گیا اور جب وہ کنیزوں کے آقا کے پاس پہنچا تو اس نے کہا کہ امیر المومنین انہیں خریدنا چاہتا ہے اور یہ دام بھیجے ہیں۔ اس نے امیر المومنین کی خاطر انہیں بیچنا منظور کر لیا اور کنیزیں اس کے پاس بھیجوا دیں۔ کنیزیں امیر المومنین کے پاس پہنچیں تو اس نے ان کے لئے ایک نہایت نفیس مجلس آراستہ کی اور وہ اس کے ساتھ ہم پیالہ و ہم نوالہ ہوئیں۔ ان کے حسن و جمال اور مختلف رنگوں اور شیریں بیانی کو دیکھ کر خلیفہ دنگ رہ گیا۔ جب ایک مدت گزر گئی اور ان کے پہلے مالک سے، جس نے انہیں بیچا تھا ان کی جدائی برداشت نہ ہو سکی تو اس نے امیر المومنین مامون کو ایک خط لکھا اس میں اس محبت کا ذکر کیا جو اسے ان سے تھی۔ یہ خط خلیفہ مامون کے پاس آیا تو اس نے کنیزوں کو عمدہ عمدہ پوشاکیں پہنائیں اور انہیں ساٹھ ہزار دینار دے کر ان کے مالک کے پاس بھیج دیا۔ کنیزیں اس کے پاس

پہنچیں تو دیناروں سے زیادہ اسے ان سے ملنے کی خوشی ہوئی اور وہ ان کے ساتھ نہایت مزے کی زندگی بسر کرنے لگا یہاں تک کہ تمام عشیوں کو کرکرا اور صحبتوں کو تتر بتر کرنے والی موت آ پہنچی

○ ہارون الرشید اور ابونواس کی کہانی

ایک رات امیر المومنین خلیفہ ہارون الرشید کا دل بہت گھبرانے لگا۔ کسی طرح اسے چین نہ آتا تھا۔ آخر اٹھ کر ٹہلنا شروع کیا۔ ٹہلتے ٹہلتے وہ ایک حجرے کے پاس پہنچا جس پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ جب اس نے پردہ اٹھایا تو حجرے کے صدر میں اسے ایک تخت دکھائی دیا۔ تخت پر کوئی کالی سی چیز پڑی ہوئی تھی جیسے کوئی کالا آدمی سو رہا ہو۔ اس کے داہنی طرف ایک شمع جل رہی تھی اور ایک اس کے بائیں جانب۔ اسے یہ دیکھ کر تعجب ہو رہا تھا کہ یکایک اس کی نظر ایک صراحی پر پڑی جس میں پرانی شراب بھری ہوئی تھی اور جس کے اوپر پیالہ رکھا ہوا تھا۔

خلیفہ کی حیرت اور بڑھ گئی، دل میں کہنے لگا کہ اس حبشی کے پاس یہ چیزیں! آگے بڑھ کر تخت کے پاس گیا تو دیکھا کہ ایک لڑکی اپنے بالوں سے چھپی ہوئی سو رہی ہے۔ اس کا چہرہ کھولا تو چودھویں رات کا چاند۔ خلیفہ نے پیالہ شراب سے بھرا اور لڑکی کے گلابی رخساروں کے نام پر چڑھا گیا۔ پھر جھک کر اس نشان کو بوسہ دیا جو اس کے چہرے پر تھا۔ وہ جاگ اٹھی اور کہنے لگی ”اے خدا کے امین یہ کیا بات ہے؟“ ہارون الرشید نے جواب دیا ”تمہارے ہاں ایک مہمان آیا ہے تا کہ تم صبح تک اس کی میزبانی کرو۔“ لڑکی نے کہا ”بسر و چشم“ اور اس نے شراب پیش کی۔ دونوں نے پی۔ اس کے بعد اس نے سارنگی لے کر تار ملائے اور اکیس مختلف راگ بجائے۔ گانے بجانے سے فارغ ہو کر وہ بولی: امیر المومنین میں مظلوم ہوں۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

• تین سو انتالیس ویں رات

جب تین سو انتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- لڑکی بولی، اے امیر المومنین! میں مظلوم ہوں اس نے پوچھا کیونکر، کس نے تجھ پر ظلم کیا ہے؟ لڑکی نے جواب دیا تیرے بیٹے نے مجھے مدت ہوئی دس ہزار دینار میں خریدا تھا اس کی خواہش تھی کہ مجھے تیری نذر کرے لیکن تیری چچیری بہن نے میری قیمت اسے ادا کر دی اور مجھے اس کمرے میں بند کر دیا تا کہ میں تجھ سے پوشیدہ رہوں۔ خلیفہ نے کہا کہ مانگ کیا مانگتی ہے؟ اس نے کہا کہ میں یہ مانگتی ہوں کہ تو کل رات میرے پاس آ۔ خلیفہ انشاء اللہ کہہ کر اس کے پاس سے چلا گیا۔

دوسرے دن صبح کو اس نے ابو نواس کے پاس قاصد بھیجا لیکن جب وہ اسے نہ ملا تو خلیفہ نے اپنے حاجب کو بھیجا کہ اس کا پتہ لگائے۔ جب حاجب نے دیکھا کہ وہ ایک مئے خانے میں ایک ہزار درہم میں گروہ ہے۔ یہ درہم اس نے ایک لونڈے پر صرف کئے تھے۔ حاجب نے حال دریافت کیا تو اس نے وہ سارا ماجرا بیان کر دیا جو اسے ایک حسین لونڈے کے ساتھ پیش آیا تھا اور جس کی وجہ سے اس نے ایک ہزار درہم خرچ کئے تھے۔ حاجب نے کہا کہ مجھے دکھا کہ وہ کون ہے اگر وہ اس قابل ہے تو تو معذور سمجھا جائے گا۔ اس نے جواب دیا، ٹھہر جا تو ابھی اسے دیکھ لے گا۔ وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ وہ لڑکا آ پہنچا۔

جب وہ ان کے پاس آیا تو انہوں نے دیکھا کہ وہ سفید لباس پہنے ہوئے ہے۔ سفید کے نیچے سرخ اور سرخ کے نیچے سیاہ۔ ابو نواس کی نظر اس پر پڑی تو وہ آہیں بھرنے لگا۔ اس کے بعد لڑکے نے سفید لباس اتار دیا اور سرخ پہنے دیا۔ یہ دیکھ کر ابو نواس کی طبیعت اور زیادہ بکھر گئی اور اس کی تعریف میں اشعار پڑھنے لگا۔ پھر اس نے سرخ لباس بھی اتار ڈالا اور سیاہ پہنے دیا۔ اب ابو نواس کے دل کی حالت کا کیا پوچھنا

تھا۔ حاجب نے ابو نواس کے عشق کا یہ رنگ دیکھا تو خلیفہ سے جا کر سارا واقعہ بیان کیا۔ خلیفہ نے ایک ہزار درہم منگوا کر حاجب صاحب سے کہا کہ انہیں لے جاؤ، ابو نواس کو دے اور اسے گرو سے چھڑا لا۔ حاجب ابو نواس کے پاس گیا اور اسے چھڑا کر خلیفہ کے پاس لے آیا۔ جب وہ خلیفہ کے پاس حاضر ہوا تو خلیفہ نے کہا کہ ایک نظم کہ جس میں یہ مصرع ہو: ”اے خدا کے امین یہ کیا بات ہے؟“ اس نے کہا بسر و چشم

یا امیر المومنین! -----

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• تین سو چالیسویں رات

تین سو چالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا 'اے نیک نہاد بادشاہ ----- ابونواس نے سر و چشم کہہ کر یہ اشعار پڑھنے شروع کر دیئے' "جاگتے جاگتے میری رات کالی ہونے لگی میں تھک گیا اور تفکرات زیادہ ہو گئے۔ کبھی میں اپنے محل میں ٹہلتا کبھی حرم سراؤں میں، یہاں تک کہ میری نظر ایک کالی چیز پر پڑی مگر وہ ایک گوری لڑکی تھی جو بالوں سے ڈھنکی ہوئی تھی۔ پہلے میں نے ایک پیالہ شراب کا پیا پھر اس کے پاس جا کر اس کے چہرے پر جو نشان تھا اسے بوسہ دیا اور وہ جاگ پڑی اور کہنے لگی اے خدا کے امین یہ کیا بات ہے؟ میں نے جواب دیا کہ رات کے وقت تمہارے ہاں ایک مہمان آیا ہے اور چاہتا ہے کہ تم صبح تک اسے پناہ دو۔ وہ بخوشی راضی ہو گئی اور کہنے لگی اے میرے آقا تیری مہمانی سر آنکھوں پر۔ خلیفہ نے کہا 'خدا تیرا برا کرے! گویا تو ہمارے ساتھ تھا۔

اب خلیفہ اسے لے کر لڑکی کے پاس گیا۔ ابونواس نے دیکھا کہ اس کی پوشاک اور نقاب دونوں پیلے رنگ کی ہیں۔ حیران ہو گیا اور اس کی تعریف میں اشعار پڑھنے لگا۔ اشعار کا سلسلہ ختم ہوا تو لڑکی نے خلیفہ کے سامنے شراب پیش کی اور خود عود لے کر گانے بجانے لگی۔ اس کے بعد امیر المومنین نے حکم دیا کہ ابونواس کو اتنی زیادہ پلائی جائے کہ وہ اپنے ہوش میں نہ رہے اور خلیفہ نے خود اسے ایک جام دیا۔ اس نے ایک گھونٹ پیا اور پیالہ ہاتھ میں لئے کالئے رہ گیا۔ اب خلیفہ نے لڑکی سے کہا کہ اس کے ہاتھ سے پیالہ لے کر اسے چھپا دے۔ لڑکی نے پیالہ لے کر اپنی رانوں کے درمیان چھپا لیا اور خلیفہ نے ننگی تلوار اپنے ہاتھ میں لی اور ابونواس کے پاس کھڑے ہو کر اسے تلوار سے چھیڑنے لگا۔ اس کی آنکھ جو کھلی تو دیکھا کہ خلیفہ ننگی تلوار لئے کھڑا ہے۔ یہ دیکھ کر اس کا نشہ ہرن ہو گیا۔ خلیفہ بولا ایک نظم سنا جس میں

تیرے پیالے کا ذکر ہو، ورنہ میں تیری گردن اڑا دوں گا۔ اس نے فی البدیہہ کہا: ”میرا قصہ بھی عجیب و غریب قصہ ہے اور یہی غزال چور ہے۔ اس نے میری شراب کا پیالہ لے کر ایسی جگہ چھپا لیا ہے جس کے خیال سے میرا دل دھک دھک کرتا ہے۔ ڈر کے مارے میں اس کا نام نہیں لینا چاہتا وہ جگہ خلیفہ کا حصہ ہے۔“ امیر المومنین نے کہا کہ تجھ پر خدا کی مارا تجھے یہ باتیں کیونکر معلوم ہوئیں، لیکن جو کچھ تو نے کہا میں مانتا ہوں اور اس نے ابونواس کو ایک خلعت اور ایک ہزار دینار عطا کئے اور خوش خوش چلتا ہوا۔

○ کتے اور اس کے سونے کے تشے کی کہانی

سنا ہے کہ ایک شخص بہت زیادہ مقروض ہو گیا تھا اور اس کی پریشانیاں برابر بڑھتی جاتی تھیں۔ آخر وہ اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر دیوانہ وار نکل کھڑا ہوا اور چلتے چلتے مدت کے بعد ایک شہر میں پہنچا جس کی شہر پناہ بلند اور عمارتیں عالی شان تھیں۔ سفر کی ماندگی، برا احوال، بھوک کی شدت، انجان شہر، بے چارہ سڑک پر، ادھر ادھر مارا مارا پھر رہا تھا۔ اس نے دیکھا، کچھ بڑے بڑے آدمی کہیں جا رہے ہیں۔ وہ بھی ان کے ساتھ ساتھ ہو لیا۔ یہاں تک کہ ایک محل میں داخل ہوئے۔ جو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاہی محل ہے۔ وہ بھی ان کے پیچھے لگا ہوا اندر پہنچ گیا۔ اندر جا کر وہ سب ایک شخص کے پاس پہنچے جو صدر میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے چہرے سے ہیبت اور جلالت ٹپک رہی تھی اور گرد و پیش غلام اور نوکر چاکر کھڑے تھے۔ اس کی وضع بتا رہی تھی کہ کوئی وزیر زادہ ہے۔ جب ان کی نظر ان لوگوں پر پڑی تو وہ اٹھ کر ان کے پاس آیا اور بڑے تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا۔ مسافر یہ حالت دیکھ کر گھبرایا، اس کا دل دھڑکنے لگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

• تین سو اکتالیسویں رات

جب تین سو اکتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- وہ شخص عالی شان مکان، غلاموں اور نوکروں چاکروں کو دیکھ کر گھبرایا اور خوف زدہ ہو کر ٹھٹھک گیا۔ اجنبیت اور جان کے ڈر سے پیچھے ہٹ کر دور ایک جگہ اکیلا جا بیٹھا جہاں اسے کوئی نہ دیکھ سکے۔ وہ ابھی بیٹھا ہی تھا کہ ایک شخص چار شکاری کتے لے کر آیا جو ریشم اور کخواب کی جھولیں پہنے ہوئے تھے، سونے کے پٹے ان کے گلوں میں اور چاندی کی زنجیریں بندھی ہوئی تھیں۔ اس نے ہر کتے کو الگ الگ باندھا۔ خود وہاں سے چلتا ہوا۔ تھوڑی دیر میں چاندی سونے کے تشت لایا جس میں عمہ عمہ کھانے تھے اور ہر کتے کے سامنے ایک ایک تشت رکھ دیا اور پھر انہیں چھوڑ کر چلا گیا۔ وہ شخص بھوک کے مارے لپجائی نظروں سے کھانے کی طرف دیکھتا اور چاہتا کہ کسی کتے کی طرف بڑھ کر اس کے ساتھ کھانے لگے مگر مارے ڈر کے رک جاتا۔ کتوں میں سے ایک نے اس کی طرف دیکھا، خدا نے اس کی حالت سے اس کتے کو آگاہ کر دیا۔ وہ رک گیا۔ اس شخص کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے آگے بڑھ کر کھانا شروع کر دیا اور پیٹ بھر کر کھایا۔ جب وہ جانے لگا تو کتے نے اشاروں میں کہا کہ تشت اور جو کھانا اس میں باقی ہے، اپنے ساتھ لیتا جا اور اپنے بچوں سے تشت اس کی طرف سر کا دیا۔ وہ شخص اسے لے کر وہاں سے چل دیا اور کسی نے اس کا پیچھا نہیں کیا۔ لیکن اس نے اس شر کو چھوڑ دیا اور دوسرے شر میں چلا گیا اور تشت کو بیچ کر اس کے داموں سے سودا گری کا مال خریدا، مال لے کر اپنے وطن پہنچا اور اسے بیچ کر اپنا قرضہ ادا کیا۔ خوب کھایا پیا اور عیش و عشرت سے زندگی بسر کی۔ اس کے مال میں بڑی برکت ہوئی، ایک مدت تک اپنے وطن میں رہنے کے بعد اس نے اپنے دل میں کہا کہ تشت والے کے شر میں چلنا چاہیے۔ ایک عمہ تحفہ جو اس کے قابل ہو لے جاؤں اور اسے اس تشت

کی قیمت بھی ادا کر دوں جو اس کے ایک کتے نے مجھے بخشا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک سوغات لی جو اس کے قابل سمجھی اور تشت کی قیمت گرہ میں باندھ کر چل کھڑا ہوا۔ دن رات سفر کرتے کرتے وہ اس منزل مقصود پر جا پہنچا۔ اور اس مکان کو تلاش کرنے لگا تا کہ کتے کے مالک سے ملے۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے بالآخر وہ اس جگہ آیا جہاں وہ محل تھا لیکن کیا دیکھتا ہے کہ محل کی جگہ ایک پرانا کھنڈر ہے جہاں کوئے کائیں کائیں کر رہے ہیں۔ نہ مکان کا پتہ نہ ہے مکیں کا۔ احوال دگرگوں ہے اور حالت بھیانک۔ یہ دیکھ کر اس کا دل کانپ اٹھا۔

جب اس شخص نے ان پرانے کھنڈروں پر نظر ڈالی اور دیکھا کہ روزگار نے ان پر ظاہراً کیا مصیبت ڈھائی ہے اور قیمتی چیزوں کا محض نام و نشان باقی رہ گیا ہے تو اسے کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ رہی۔ اب اس نے اس اجڑی ہوئی بستی پر جو نگاہ ڈالی تو اسے ایک مسکین دکھائی دیا جس کی حالت دیکھنے سے روٹنے کھڑے ہوتے تھے اور پتھر روتے تھے۔ اس سے پوچھا کہ بتا تو سہی زمانے نے اس مکان کے مالک کے ساتھ کیا کیا اور اس کے خوبصورت چاندوں اور چمکتے ہوئے تاروں کو کیا ہو گیا۔ عورت پر کیا آفت آئی کہ چار دیواری کے سوا اور کچھ باقی نہ رہا؟ میں نے جواب دیا کہ وہ یہی غریب ہے جسے تو دیکھ رہا ہے اور جو اپنی مصیبت پر آہ و بکا کر رہا ہے۔ تجھے معلوم نہیں اس حدیث میں ”خدا نے اپنے اوپر واجب کر رکھا ہے کہ وہ جس چیز کو اس دنیا میں بلند کرتا ہے اسے گرا کر چھوڑتا ہے۔“ عبرت ہے ان لوگوں کے لئے جو اس کی پیروی کریں اور نصیحت ہے ان کے لئے جو اس سے ہدایت پکڑیں۔ مجھ سے ان باتوں کا سبب دریافت نہ کر۔ زمانے کے انقلاب کے آگے کوئی خوبصورت چاندوں، عالی شان اور بے ہمتیوں، حسین کنیزوں کا مالک۔ لیکن زمانے نے پلٹا کھایا۔ نوکروں اور مال و دولت کا خاتمہ کر دیا، مجھے شکستہ حال بنا دیا اور وہ بلائیں جو اس کے پاس چھپی ہوئی رکھی تھیں، میرے اوپر لا توڑیں۔ تو جو یہ سوال کرتا ہے تو اس کی کوئی وجہ ہو گی۔ وہ وجہ مجھے بتا اور تعجب کو جانے دے۔

اس پر اس شخص نے سارا واقعہ سنایا اور بے حد رنج و الم کا اظہار کیا اور کہنے لگا کہ میں تیرے لئے ایسا ہدیہ لایا ہوں جسے سب لوگ پسند کریں گے اور اشرفیاں تیرے تحت کی قیمت جو میں لے گیا تھا کیونکہ وہی سبب ہے غربت کے بعد میری امارت کا، میرے ویران گھر کے آباد اور میری تکلیفوں اور تنگ دستی کے دور ہونے کا۔ وہ اپنی کہانی کہہ چکا تو اس نے اپنا سر ہلایا، رونے پٹینے اور فریاد کرنے لگا اور بولا، اے شخص میرے خیال میں تو دیوانہ ہو گیا ہے۔ ایسی باتیں کوئی سمجھ دار آدمی تو کرتا نہیں۔ میرا کتا تجھے ایک سونے کا تخت کس طرح دے سکتا ہے اور اگر دیا ہے تو یہ عجیب بات ہو گی کہ میں اپنے کتے کے دیئے کو واپس لے لوں۔ میں کتنی ہی تکلیف اور مصیبت میں کیوں نہ ہوں تیری کسی چیز کو ہاتھ لگانا مجھ پر حرام ہے۔ لہذا جہاں سے تو آیا ہے صحیح و سلامت واپس جا۔ یہ سن کر اس شخص نے اس کے قدم چومے اور اس کی تعریف کرتا ہوا چل دیا اور رخصت کے وقت یہ شعر پڑھا۔ انسان اور کتے سب کے سب چلتے بنے، ان انسانوں اور کتوں کو میرا سلام پہنچے! واللہ اعلم۔

○ اسکندریہ کے والی اور چور کی کہانی

کہتے ہیں، اسکندریہ کے نواح میں ایک والی تھا جس کا نام حسام الدین تھا۔ ایک دن وہ اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے پاس ایک لشکری آ کر کہنے لگا کہ اے میرے مولیٰ والی میں رات اس شہر میں پہنچا اور فلاں سرائے میں اترا ہوں، تہائی رات تک سونے کے بعد جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ میری خرجی کٹی ہوئی ہے۔ اس میں سے ایک ہزار دینار کا توڑا غائب ہے۔ ابھی وہ اپنی بات ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ والی نے اپنے سرداروں کو بلا کر حکم دیا کہ تمام سرائے والوں کو حاضر کر کے انہیں صبح تک قید خانے میں بند کر دیا جائے۔ صبح ہوئی تو اس نے سزا دینے

کے آلات منگوائے اور تمام لوگوں کو اس لشکری کے سامنے بلوایا جس کے دینار چوری کئے گئے تھے اور چاہتا تھا کہ انہیں سزا دے۔ اتنے میں ایک شخص بھیڑ کو چیرتا پھاڑتا ہوا پنچا اور والی کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو بیالیسویں رات

جب تین سو بیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ! والی سزا دینے ہی والا تھا کہ ایک شخص بھیڑ کو چیرتا پھاڑتا ہوا پہنچا۔ والی اور لشکری کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا امیر ان تمام آدمیوں کو چھوڑ دے، یہ بے گناہ ہیں۔ اس لشکری کا مال چرانے والا میں ہوں اور دیکھ یہ اس کی تھیلی ہے جو میں نے اس کی خرجی سے چرائی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی آستین میں سے تھیلی نکالی اور والی اور لشکری کے آگے رکھ دی۔ والی نے لشکری سے کہا، اپنا مال لے اور اپنے پاس رکھ۔ اب ان لوگوں کے خلاف تیرا کوئی دعویٰ نہیں رہا۔ تمام سرائے والے اور سب حاضرین اس شخص کی تعریف کرنے اور اسے دعا دینے لگے۔ اس کے بعد اس شخص نے کہا کہ اے امیر استادی اس میں نہیں ہے کہ میں نے خود آ کر یہ تھیلی پیش کر دی بلکہ کمال اس میں ہے کہ میں دوبارہ اس لشکری کے پاس سے اڑا لوں گا۔ والی نے کہا کہ استاد تو کس طرح یہ تھیلی چرا کر لے گیا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ اے امیر میں ایک دن قاہرہ میں صرافوں کے بازار میں کھڑا ہوا تھا، میں نے دیکھا کہ اس لشکری نے یہ اشرفیاں لے کر اس تھیلی میں رکھ لیں۔ میں گلی گلی اس کے پیچھے لگا رہا لیکن اشرفیاں چرانے کی کوئی ترکیب نظر نہ آئی۔ اس کے بعد وہ قارہ سے روانہ ہو گیا اور میں شہر شہر اس کا پیچھا کرتا اور تدبیر سوچتا رہتا کہ راہ میں اس کی تھیلی اڑا لوں لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ جب وہ اس شہر میں داخل ہوا تو میں اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ یہاں تک کہ وہ اس سرائے میں اترا۔ میں بھی اس کے پڑوس میں اتر پڑا۔ اور انتظار کرتا رہا۔ جب وہ سو گیا اور میں نے سنا کہ وہ خراٹے لے رہا ہے تو میں آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھا اور اس چھری سے اس کی خرجی کاٹی اور دیکھ اس طرح تھیلی لے لی۔ یہ کہہ کر اس نے ہاتھ بڑھایا اور والی اور لشکری کے آگے سے وہ تھیلی اٹھا لی۔ والی پیچھے

ہٹ گیا اور لشکری اور تماش بین دیکھنے لگے کہ اب وہ دکھائے گا کہ اس نے کس طرح خرجی میں سے تھیلی نکالی۔ لیکن وہ شخص تھیلی لے کر بھاگا اور ایک تالاب میں کود پڑا۔

والی نے اپنے نوکروں سے چلا کر کہا کہ دوڑو پکڑو لیکن وہ ابھی اپنے کپڑے اتار کر بیڑھیوں تک بھی نہ پہنچے تھے کہ چور چلتا بنا۔ لاکھ تلاش کیا مگر وہ نہ ملا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسکندریہ کے تمام گلی کوچے ایک دوسرے میں جھانکتے ہیں۔ چور ہاتھ نہ آیا تو لوگ لوٹ آئے اور والی نے لشکری سے کہا کہ تیرا لوگوں پر کوئی دعویٰ نہیں۔ تجھے معلوم ہو گیا کہ چور کون ہے اور تجھے تیرا مال مل گیا تو نے اس کی حفاظت نہ کی۔ لشکری ناچار واپس لوٹ آیا۔ اس کا مال تو جا ہی چکا تھا اور والی کے ہاتھ سب لوگ بچ گئے۔ یہ خدا کا فضل تھا۔

○ ملکہ ناصر اور تین والیوں کی کہانی

کہا جاتا ہے کہ ایک بار ملک ناصر نے قاہرہ، بولاق اور فسطاط کے تینوں والیوں کو بلایا اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے ہر ایک وہ عجیب ترین واقعہ بیان کرے جو اسے اپنی ولایت کے زمانے میں پیش آیا ہے۔۔۔۔۔۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• تین سو تینتالیسویں رات

جب تین سو تینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- ملک ناصر نے تینوں والیوں سے کہا، میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے ہر ایک اپنی اپنی ولایت کے زمانے کا عجیب ترین واقعہ بیان کرے۔ پہلے قاہرہ کے والی نے بیان کرنا شروع کیا۔

اے میرے مولیٰ سلطان سن، عجیب ترین واقعہ جو میری ولایت کے زمانے میں میرے ساتھ پیش آیا ----- یہ ہے کہ اس شہر میں دو عادل گواہ تھے جن کی گواہی قتل و خون کے معاملات میں بھی مانی جاتی تھی۔ ساتھ ہی وہ دونوں رنڈی بازی، شراب خوری اور حرام کاری کے بھی بڑے شوقین تھے۔ باوجود جاننے کے میں ان کا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ان کو سزا دینے کے لئے کوئی تدبیر کارگر نہ ہوتی تھی۔ عاجز آ گیا تو میں نے بھٹی والوں، نقل و میوہ اور شمع فروشوں اور رنڈی خانوں کے مالکوں کو یہ تنبیہ کر دی کہ جب کبھی یہ دونوں شخص کسی جگہ شراب خوری یا رنڈی بازی کرتے ہوں، ساتھ یا الگ الگ اور اکیلے یاد کے لئے ان سے وہ چیزیں خریدیں جو شراب نوشی کے وقت استعمال کی جاتی ہیں تو فوراً آ کر مجھے خبر کر دیں اور ان کی حرکات پر پردہ نہ ڈالیں۔ چنانچہ ایک رات کا ذکر ہے ایک شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میرے مولیٰ اس وقت وہ دونوں گواہ فلاں جگہ فلاں کوپے میں فلاں مکان کے اندر سخت بد کرداری میں مشغول ہیں۔

میں نے اور میرے غلام نے اٹھ کر بھیس بدلا اور بغیر کسی اور کو ساتھ لئے ہم چل کھڑے ہوئے۔ چلتے چلتے ہم وہاں جا پہنچے اور دستک دی۔ ایک کنیز نے آ کر دروازہ کھولا اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ میں بغیر جواب دیئے اندر داخل ہو گیا۔ دیکھا کہ دونوں گواہ اور گھر کا مالک بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے ساتھ رنڈیاں اور بہت سی شراب ہے۔ میری صورت کو دیکھ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور بڑی تعظیم سے مجھے صدر مقام پر بٹھایا اور

بولے، اے محترم مہمان اور نیک ندیم! خوش آمدی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہیں میرا بالکل ڈر نہیں۔ اب مکان کا مالک اٹھ کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد تین سو دینار لے کر لوٹا اور بے دھڑک مجھ سے کہنے لگا کہ اے ہمارے مولیٰ والی تو بے عزتی سے زیادہ ہماری ذلت کر سکتا ہے۔ ہمیں سزا دینا تیرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے لیکن تجھے اس سے پریشانی کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ بہتر ہے کہ یہ دینار لے اور ہماری پردہ پوشی کر کیونکہ خدا کا نام ستار بھی ہے اور وہ انہیں بندوں سے محبت کرتا ہے جو پردہ پوش ہوں۔ اس میں تجھے ثواب ملے گا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں یہ مال لے لوں اور اس دفعہ ان کی پردہ پوشی کروں۔ اگر دوسری بار پھر انہیں پکڑا تو سزا دے دوں گا، دیناروں کا لالچ بھی آگیا غرض کہ دینار میں نے لے لئے، وہاں سے اٹھ کر چلا آیا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

دوسرے دن کیا دیکھتا ہوں کہ قاضی کا پیادہ چلا آتا ہے۔ مجھ سے کہنے لگا کہ اے والی! قاضی کے پاس تشریف لے چل۔ اس نے تجھے بلایا ہے۔ میں اٹھ کر اس کے ساتھ قاضی کے ہاں پہنچا۔ مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ اس نے کیوں بلایا ہے میں قاضی کے پاس پہنچا تو وہاں دونوں گواہ بھی موجود تھے اور وہ گھر والا بھی جس نے مجھے تین سو دینار کی تھیلی دی تھی۔ اب گھر والے نے اٹھ کر مجھ پر تین سو دینار کا دعویٰ کیا اور مجھے انکار کرتے نہ بن پڑا۔ اس کے بعد اس نے دستاویز نکالی۔ دونوں عادل گواہوں نے گواہی دی کہ اس کے تین سو دینار مجھ پر آتے ہیں اور انہوں نے اس وقت تک مجھے نہ چھوڑا جب تک مجھ سے تین سو دینار نہ لے لئے۔ مجھے بہت غصہ آیا۔ میں نے ٹھان لی کہ ان سے سمجھوں گا۔ میں پچھتا تا تھا کہ میں نے انہیں سزا کیوں نہ دی اور پشیمان ہو کر وہاں سے روانہ ہوا۔ یہ ہے عجیب ترین واقعہ جو مجھے اپنی ولایت کے زمانے میں پیش آیا۔

اس کے بعد بولاق کا والی کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ اے ہمارے مولیٰ سلطان میری ولایت کے زمانے میں جو عجیب ترین واقعہ میرے ساتھ پیش آیا۔ یہ ہے کہ ایک بار مجھ پر

پورے تین لاکھ دینار قرض ہو گئے۔ مجھے بڑی پریشانی تھی۔ میں نے اپنی ساری ملکیت اور مال و متاع بیچ ڈالا لیکن ایک لاکھ دینار سے زیادہ ہاتھ نہ لگا اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو چوالیسویں رات

جب تین سو چوالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- بولا کہ والی نے کہا کہ میں نے سب کچھ رکھا رکھایا بیچ کر فقط ایک لاکھ دینار جمع کئے۔ ایک رات اسی خیال میں غلطیاں و پتچاں تھا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے غلام سے کہا کہ دیکھ دروازے پر کون ہے۔ غلام باہر جا کر لوٹا تو اس کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، چہرہ اتر ہوا تھا اور ہاتھ کانپ رہے تھے۔ میں نے پوچھا کہ تجھ پر کیا بلا نازل ہوئی؟ اس نے جواب دیا کہ دروازے پر ایک شخص جو ایک کھال کے سوا اور کچھ پہنے ہوئے نہیں۔ اس نے ہاتھ میں تلوار، کمر سے خنجر لگا ہوا ہے اور اس کے ساتھ اسی طرح کے اور کئی شخص ہیں۔ وہ تجھے بلاتا ہے۔ میں تلوار لے کر نکلا، دیکھوں کہ وہ کون لوگ ہیں۔ میں نے ان کو یہاں ہی پایا جیسا کہ غلام نے کہا تھا۔ ان سے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟

وہ بولے ہم ڈاکو ہیں۔ آج رات ہمیں بڑی غنیمت ہاتھ لگی ہے اور ہم اسے تیری نذر کرتے ہیں تا کہ تیری پریشان خاطری دور ہو جائے اور تو اپنا قرضہ ادا کر دے۔ میں نے پوچھا کہ وہ غنیمت کا مال کہاں ہے؟ انہوں نے میرے سامنے ایک صندوق رکھ دیا جس میں سونے اور چاندی کے برتن بھرے ہوئے تھے۔ میں خوش ہو گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس میں اپنا قرضہ بھی ادا کر سکوں گا اور اتنا ہی اور میرے لئے بیچ بھی رہے گا۔ اب میں صندوق کو مکان کے اندر لے گیا اور دل میں سوچا کہ انہیں خالی ہاتھ جانے دینا مروت سے بعید ہے۔ چنانچہ میں نے وہ ایک لاکھ دینار لے جا کر انہیں دے دیئے جو میرے تھے اور ان کی نیکی کا شکر گزار ہوا۔ وہ لوگ دینار لے کر رات کے اندھیرے میں چلتے ہوئے۔ جب صبح ہوئی تو میں نے دیکھا کہ صندوق میں محض تانبے اور ٹین کی چیزیں ہیں جن پر سونا چڑھا ہوا ہے۔ اور سب ملا کر پانسو درہم

سے زیادہ کی مالیت نہیں۔ سخت غصہ آیا اور بہت رنج ہوا کہ جو دینار میرے تھے، وہ بھی ہاتھ سے گئے۔ یہ ہے عجیب ترین واقعہ جو مجھے اپنی ولایت میں پیش آیا۔

اب فسطاط کا والی کھڑا ہوا اور کہنے لگا، اے میرے مولیٰ سلطان میرے ساتھ جو عجیب و غریب واقعہ میری ولایت میں کے زمانے میں پیش آیا یہ ہے کہ میں نے ایک بار دس ڈاکوؤں کو پھانسی دی اور انہیں علیحدہ علیحدہ تختوں پر لٹکا کر پہرے داروں کو حکم دیا کہ ہوشیار رہیں، کوئی شخص ان میں سے کسی کو لے نہ جائے۔ دوسرے دن علی الصبح میں ادھر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دو مجرم ایک ہی تختے پر لٹکے ہوئے ہیں۔ میں نے پہرے داروں سے پوچھا کہ یہ کس نے کیا اور دوسرا تختہ کیا ہوا جس پر دوسرا مجرم لٹکا ہوا تھا؟ انہوں نے اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ جب میں نے انہیں مارنے کی ٹھانی تو انہوں نے کہا اے امیر، کل ہمیں نیند آگئی تھی۔ آنکھ کھلی تو ہم نے دیکھا کہ ایک مجرم اور اس کے تختے کو کوئی چرا کر لے گیا ہے۔ ہمیں تیری طرف سے بڑا ڈر لگا۔ اسی وقت ایک کسان آتا ہوا دکھائی دیا۔ جس کے ساتھ ایک گدھا تھا۔ ہم نے اسے پکڑ کر قتل کر دیا اور اس تختے پر بجائے اس لاش کے، لٹکا دیا جو چوری کی گئی تھی۔

مجھے بڑا تعجب ہوا۔ میں نے پوچھا کہ کسان کے ساتھ کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ایک خرجی جو گدھے پر پڑی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا اس کے اندر کیا ہے؟ وہ بولے ہمیں معلوم نہیں۔ میں نے کہا کہ میرے پاس لے آؤ۔ جب وہ لائے تو میں نے اسے کھلوا دیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے اندر ایک لاش ہے جو ٹکڑے ٹکڑے ہے۔ میں نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور اپنے دل میں کہنے لگا، سبحان اللہ کسان کی پھانسی کا سبب اسی مقتول کا خون تھا اور خدا کسی بندے پر ظلم نہیں کرتا۔

سنا ہے کہ ایک بار کوئی صراف اشرفیوں کا توڑا لئے چوروں کے پاس سے گزرا۔ ان میں سے ایک چور نے کہا، میں اس توڑے کو چرا سکتا ہوں۔ دوسرے نے پوچھا کیونکر؟ اس نے جواب دیا دیکھ لینا۔ یہ کہہ کر وہ صراف کے پیچھے پیچھے اس کے گھر تک گیا۔ صراف نے اندر پہنچ کر تھیلی کو الماری میں پھینک دیا۔ اسے زور کا پیشاب لگا ہوا تھا۔ بے تحاشہ پا خانے میں گھس گیا اور کنیر سے کہا کہ لوٹے میں پانی لائے۔ کنیر لوٹا لے کر اس کے پیچھے پیچھے پہنچی، دروازے کے کواڑ کھلے تھے۔ چور اندر آیا اور تھیلی لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور ان سے سارا ماجرا بیان کیا اور شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• تین سو پینتالیسویں رات

جب تین سو پینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- چور تھیلی لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور صراف اور کنیز کا سارا ماجرا بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ واللہ جو کچھ تو نے کیا، بڑی استاد کی کام ہے۔ ہر ایک ایسا نہیں کر سکتا۔ لیکن پاخانے سے نکل کر صراف نے تھیلی کو نہ پایا ہو گا تو غریب کنیز کی کم بختی آگئی ہو گی، اس لئے تھیلی اڑانے کے سوا تو نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس پر تیرا شکریہ ادا کیا جاسکے۔ اگر تو استاد ہے تو کنیز کو مار پیٹ سے نجات دے۔

اس نے کہا انشاء اللہ میں کنیز اور تھیلی دونوں کو بچا لوں گا۔ یہ کہہ کر وہ چور صراف کے گھر پہنچا دیکھا کہ واقعی تھیلی کی وجہ سے وہ کنیز کو مار رہا ہے۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ صراف نے پوچھا، کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں قیسریہ، تیرے پڑوسی کا غلام ہوں۔ صراف نے باہر آ کر پوچھا، کیا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے آقا نے تجھے سلام کہا ہے اور کہا ہے کہ تو ایسا سترہمرا کیوں ہو گیا ہے کہ اتنی قیمتی تھیلی دکان کے دروازے پر چھوڑ کر چلا آیا۔ اگر کسی غیر شخص کی نظر پڑ جاتی تو وہ لے کر چمپت ہو جاتا۔ اگر میرا آقا اسے نہ دیکھتا اور حفاظت سے نہ رکھتا تو وہ تیرے ہاتھ سے جا چکی تھی۔ یہ کہہ کر اس نے تھیلی نکالی۔ صراف نے اسے دیکھا تو کہنے لگا، واقعی یہ میری ہی تھیلی ہے اور اسے لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ چور نے کہا کہ میں اس وقت تک نہ دوں گا جب تک کہ تو میرے آقا کو اس کی رسید نہ لکھ دے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر تو نے رسید لکھ کر مر نہ لگائی تو اسے یقین نہ آئے گا کہ تھیلی تجھے وصول ہو چکی ہے۔ صراف مکان کے اندر گیا کہ تھیلی کی رسید لکھ لائے۔ چور اب کیوں ٹھہرتا، وہ تھیلی لے کر چلتا ہوا اور کنیز پٹنے سے بچ گئی۔

○ قوس کے والی اور چور کی کہانی

قوس کا والی علاؤ الدین ایک رات اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک خوبصورت اور اور خوش قامت شخص نوکر کے سر پر ایک صندوق رکھے آیا اور دروازے پر ٹھہر کر والی کے ایک غلام سے کہا، اندر جا کر امیر سے کہہ کہ میں اس سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ غلام نے اندر جا کر پیغام پہنچا دیا اور اس نے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ والی نے دیکھا کہ وہ بلند و بالا اور خوبصورت وجیہ آدمی ہے اسے اپنے پاس بٹھایا، اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور پوچھا کہ تیری کیا حاجت ہے؟ اس شخص نے جواب دیا، میں ایک ڈاکو ہوں اور چاہتا ہوں کہ تیرے ہاتھ پر توبہ کر کے پھر خدا کی طرف رجوع کروں۔ میری درخواست منظور کر اور مجھے سیدھے راستے پر لگا۔ میں اس وقت تیری آنکھوں کے سامنے ہوں۔ میرے پاس ایک صندوق ہے جس میں تقریباً چالیس ہزار دینار کا سامان ہے جس کا مستحق سب سے زیادہ تو ہے۔ اسے لے کر تو اپنی حلال کمائی میں سے مجھے ایک ہزار دینار دے تا کہ میں تجارت کروں۔ توبہ توڑنے سے بچ جاؤں او مجھے حرام کی کمائی کی ضرورت نہ پڑے۔ خدا تجھے اس کا ثواب دے گا۔ یہ کہہ کر اس نے صندوق کھولا اور والی کو دکھایا کہ اس میں زیور، ہیرے جواہرات اور موتی ہیں۔ والی کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ بہت خوش ہوا اور خزانچی کو بلا کر کہا۔ اے فلاں! توڑا لے آ جس میں ایک ہزار دینار ہیں۔ اور شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• تین سو چھیالیسویں رات

تین سو چھیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- والی نے خزانچی کو بلا کر کہا کہ فلاں توڑا لے آ جس میں ایک ہزار دینار ہیں۔ جب خزانچی وہ توڑا لایا تو والی نے اس شخص کے حوالے کیا۔ اس نے اسے لے لیا اور والی کا شکریہ ادا کیا اور رات کے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ صبح ہوئی تو والی نے سناروں کے چودھری کو بلوایا۔ صندوق کھولا، زیور، جواہرات، سونا اور موتی جو جو اس کے اندر تھا نکال کر دکھایا۔ سنار نے ایک ہی نظر میں پرکھ لیا اور کہا کہ یہ ساری چیزیں ٹین اور پیتل کی ہیں۔ جواہرات اور موتی کالج کے۔ والی کو بڑا صدمہ ہوا۔ لوگوں کو اس کے پیچھے دوڑایا لیکن وہ کسی کے ہاتھ نہ لگا۔

○ ابراہیم بن مہدی او سودا گر زادی کی کہانی

ایک بار امیر المومنین مامون نے ابراہیم بن مہدی سے کہا جو سب سے زیادہ عجیب و غریب ماجرا تیرے ساتھ پیش آیا ہو، اسے بیان کر۔ وہ کہنے لگا اے امیر المومنین سن، ایک روز کا ذکر ہے کہ میں سیر کرنے نکلا اور چلتے چلتے ایک جگہ پہنچا جہاں کھانوں کی خوشبو آ رہی تھی۔ اے امیر المومنین میرا جی لپٹانے لگا اور میں ٹھہر گیا لیکن حیران تھا آگے بڑھتا تو کھانوں کا لالچ دامن پکڑتا اور اندر داخل ہونے کی بھی ہمت نہ تھی۔ اسی خیال میں ٹھٹھکتے بڑھتے آنکھ جو اوپر اٹھی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جھروکے کے پاس ہوں اور اس کے پیچھے کسی کی ایسی خوبصورت ہتھیلی اور کلائی دکھائی دے رہی ہے جس سے زیادہ خوبصورت میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ میرے حواس اڑ گئے اور کھانوں کی خوشبو

کا خیال میرے دماغ سے اتر گیا۔ میں سوچنے لگا کہ کسی نہ کسی ترکیب سے وہاں پہنچنا چاہیے۔ میں نے دیکھا کہ قریب ہی ایک درزی ہے۔ اس کے پاس جا کر سلام کیا اور اس نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے پوچھا، یہ کس کا مکان ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ایک سوداگر کا۔ میں نے پوچھا، اس کا نام کیا ہے؟ اس نے کہاں فلاں ابن فلاں اور سوداگروں کے سوا اور کسی سے میل جول نہیں رکھتا۔ ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ دو شریف اور وضع دار شخص گھوڑوں پر سوار وہاں پہنچے۔ درزی نے مجھے سے کہا کہ یہ اس کے بڑے گھرے دوست ہیں۔ ان کے یہ نام ہیں۔ میں گھوڑے کو ایڑ دے کر ان کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ بڑا انتظار کرایا فلاں شخص تو دیر سے تمہارا راستہ دیکھ رہا ہے اور ان کے ساتھ روانہ ہو کر مکان کے دروازے پر پہنچا اور وہ دونوں شخص اندر گئے۔ جب گھر والے نے مجھے ان کے ساتھ دیکھا تو اسے یقین ہوا کہ میں ان کا دوست ہوں۔ اس نے میرا خیر مقدم کیا اور مجھے بلند ترین جگہ پر بٹھایا۔ اس کے بعد دسترخوان بچھایا گیا۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ خدا نے کھانے کا مقصد تو پورا کر دیا لیکن ہتھیلی اور کلائی ابھی باقی ہیں۔

اب ہم اٹھ کر ایک دوسری جگہ شراب نوشی کے لئے گئے۔ میں نے دیکھا کہ وہاں عمدہ عمدہ چیزوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ گھر والا یہ سمجھ رہا تھا کہ میں اس کے مہمانوں کا مہمان ہوں۔ میرے ساتھ بڑی مربانی سے پیش آتا اور مجھ سے مخاطب ہوتا۔ اسی طرح وہ دونوں میری بڑی خاطر تواضع کرتے اور یہ سمجھتے کہ میں گھر والے کا کوئی بڑا مخلص دوست ہوں۔ الغرض سب کے سب مجھ پر مہربان تھے۔ ہم نے پیالے پر پیالے چڑھانے شروع کئے۔ اب ایک کنیز نکل کر آئی۔ بید کی چھڑی جیسی نازک نہایت حسین اور خوش قامت۔ اس نے عود لے کر گانا شروع کر دیا۔

اے امیر المومنین میں بے چین ہو گیا۔ اس کا حسن اور گانا مجھے پسند آیا اور اس کی استادی پر حسد کرنے لگا۔ میں نے کہا اے کنیز، ابھی ایک چیز کی کمی باقی ہے۔ اس نے غصے میں آ کر عود اپنے ہاتھ سے پھینک دیا اور کہنے لگی کہ کیا ایسے بے وقوف

• تین سو سینتالیسویں رات

جب تین سو سینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- ابراہم بن مہدی کا بیان ہے کہ میرا نام سن کر وہ اچھل پڑا اور کہنے لگا کہ بڑے تعجب کی بات ہوتی، اگر تیرے سوا اور کسی میں یہ فضیلت پائی جاتی۔ تقدیر نے مجھ پر ایسا احسان کیا ہے کہ میں اس کا شکریہ کافی طور سے ادا نہیں کر سکتا۔ شاید میں خواب دیکھ رہا ہوں ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خلافت کے گھرانے والا میرے گھر مجھ سے ملنے آئے اور آج رات میرا ہم پیالہ ہو۔ میں نے اسے قسم دی کہ بیٹھ جا۔ وہ بیٹھ گیا اور نہایت مہربانی سے پوچھنے لگا کہ میرے گھر تیرے آنے کی کیا وجہ ہے۔ میں نے شروع سے لے کر آخر تک سارا قصہ بیان کر دیا، کچھ نہ چھپایا اور کہا کہ جہاں تک کھانے کا تعلق تھا میں نے سیر ہو کر کھایا البتہ اس ہتھیلی اور کلائی سے میری مراد نہ بر آئی۔ اس نے جواب دیا کہ ہتھیلی اور کلائی سے بھی انشاء اللہ تیری مراد بھر آئے گی۔ یہ کہہ کر اس نے ایک کنیز کو آواز دی۔ اے فلاں، فلاں کنیز سے کہہ کہ وہ نیچے اتر کر آئے۔ اس طرح وہ ایک ایک کر کے اپنی کنیزوں کو بلاتا اور میرے سامنے پیش کرتا۔ ان میں سے کوئی میری محبوبہ نہ نکلی۔ پھر اس نے کہا کہ اے میرے آقا اب سوا میری ماں اور بہن کے اور کوئی باقی نہیں رہا لیکن خدا کی قسم میں انہیں بھی نیچے بلا کر تیرے سامنے پیش کروں گا تا کہ تو انہیں دیکھ لے۔ مجھے اس کی حوصلہ مندی اور کشادہ دلی پر تعجب ہوا۔ میں نے کہا قربانت شوم! پہلے اپنی بہن کو بلا۔ چنانچہ اس کی بہن اتر کر آئی اور جونہی میری نظر اس کے ہاتھوں پر پڑی تو میں اس سے پہچان گیا کہ جن ہتھیلیوں اور کلائیوں کو میں نے دیکھا تھا، وہ اسی کی ہیں۔ میں بولا جزاک اللہ! یہی وہ لڑکی ہے جس کی ہتھیلی اور کلائی میں نے دیکھی تھی۔ اب اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ فوراً گواہ بلائے جائیں۔ جب گواہ حاضر ہوئے تو

اس نے اشرفیوں کے دو توڑے منگوائے اور گواہوں سے کہا کہ یہ میرا مولیٰ اور آقا ابراہیم بن مہدی امیر المومنین کا چچا، میری فلاں بہن سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ تمہیں اس بات پر گواہ بنانا ہوں کہ میں نے اس ایک توڑے کے مہر کے عوض اس کی شادی اس سے کر دی۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے کہا کہ میں نے اس مہر کے عوض جس کا میں نے ذکر کیا ہے تیری شادی اپنی فلاں بہن سے کر دی ہے۔ میں نے کہا قبول ہے اور منظور ہے۔ یہ کہہ کر اس نے ایک توڑا اپنی بہن کو دے دیا اور دوسرا گواہوں کو۔ پھر اس نے کہا کہ اے میرے مولیٰ میں ایک گھر تیرے لئے آراستہ کئے دیتا ہوں تا کہ تو اس میں اپنی بیوی کے ساتھ سوئے۔ اس کی دیا دلی دیکھ کر میں دنگ رہ گیا اور مجھے شرم معلوم ہوئی کہ میں اس مکان میں اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستر ہوں۔ اس لئے میں نے اس سے کہا کہ اسے میرے گھر روانہ کر دے۔ اے امیر المومنین! تیرے سر کی قسم، اس نے لڑکی کے ساتھ اتنا جینز بھیجا کہ ہمارے مکان میں باوجود اس کی وسعت کے، سما نہ سکا۔ بعد ازاں اس سے یہ لڑکا پیدا ہوا جو تیرے سامنے کھڑا ہے۔ مامون کو اس شخص کی سخاوت کا حال سن کر بڑا تعجب ہوا۔ کہنے لگا کہ رحمت ہو اس پر۔ ایسا دوسرا ہونا ممکن نہیں اور ابراہیم بن مہدی سے کہا کہ اسے بلا کہ میں دیکھوں، ابراہیم نے اسے مامون کی خدمت میں حاضر کیا۔ مامون نے اس سے گفتگو کی، اس کی خوبیوں اور علم سے وہ بہت خوش ہوا اور اسے اپنا خاص مصاحب بنایا۔ خدا دینے والا اور بخشش کرنے والا ہے۔

○ اس عورت کی کہانی جس کے ہاتھ بھیکے دینے پر گائے ڈالے گئے تھے

ایک بادشاہ نے اپنے ملک میں یہ حکم دے دیا کہ اگر کوئی شخص بھیک دے گا تو میں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں گا لہذا سب لوگوں نے بھیک دینا بند کر دیا، کسی کو جرات نہ ہوتی تھی کہ کسی کو بھیک دے۔ ایک دن اللہ کا کرنا ایسا ہوتا ہے کہ ایک عورت

کے پاس کوئی فقیر آیا جو بھوک سے پریشان حال تھا اور کہنے لگا کہ مجھے بھیک دے اور
شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

URDU4U.COM

○○○